ڈراموں کا مجموعہ
انسان
وریندر پٹواری

انسان

ویریندر پٹواری

MODERN PUBLISHING HOUSE
9, Gola Market, Darya Ganj, New Delhi-110002
Phone: 011-23278869

INSAAN *(Drama Collection)* 2006
By: Veerindra Patwari Rs. 200/-

(ڈراموں کا مجموعہ)

ویریندر پٹواری

موڈرن پبلشنگ ہاؤس

۹- گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-۱۱۰۰۲

102-ڈی لکس اپارٹمنٹس،
وسندھرا انکلیو، دہلی-110096

سنِ اشاعت	:	۲۰۰۶ء
قیمت	:	دو سو روپے
کمپوزنگ	:	نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی
سرورق	:	عادل مختار
مطبع	:	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی-2

ISBN 81-8042-013-2

زیرِ اہتمام

پریم گوپال متّل

موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹-گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

انتساب

مرحومہ آشا بیٹی
(مرحومہ لکھتے ہوئے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے)
کی یاد میں
جو زمین چھوڑ کر ہوا میں کھڑی ہو کر
یا برف کی طرح پگھل کر دھوپ میں سما کر
پھر بھی میرے ہاتھ میں قلم دیکھ کر
اور میرے سامنے کورا کاغذ دیکھ کر
میرے کندھوں سے چمٹ کر
سرگوشیوں میں کہانیاں سنا کر
مجھ سے لکھوا دیتی ہے
تا کہ ویریندر پٹواری زندہ رہے!
اور ان سب کے نام
جنھوں نے ایک مردے میں جان ڈال کر
ویریندر پٹواری کو مرنے نہیں دیا!
اُن میں میرے بڑے بھائیوں
پروفیسر پی این در اور شری بی ایل در
کے علاوہ میرے چھوٹے بھائیوں
شری راجیندر پٹواری اور ڈاکٹر اشوک پٹواری
میرے پیارے بچوں
وجے، انیتا، انل اور نِشا
کے ساتھ میری شریکِ حیات
شریمتی للیتا پٹواری، جس کے دھرم اور کرم یعنی دن رات
میری دیکھ بھال اور پوجا پاٹھ میں تاثیرِ مسیحائی ہے!

——— ویریندر پٹواری

فہرست

پیش لفظ

ویریندر پٹواری کی کہانیاں مختلف جرائد کے علاوہ اُن کے کئی افسانوں کے مجموعوں میں تقریباً پچیس برسوں سے پڑھتا رہا ہوں۔

میں اُن کی کہانیوں کا ایک مدّاح ہوں!

ویریندر پٹواری ایک افسانہ نگار ہی نہیں بلکہ ایک بالغ ذہن کے ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ تقریباً بیس برس پہلے میں نے اُن کا تحریر کردہ اسٹیج ڈرامہ بعنوان ''آخری دِن'' پڑھا تھا اور یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ ویریندر جی اپنے منفرد فنکارانہ ڈھنگ سے دنیا کے مسائل کو ایک فکر انگیز تخلیق کی شکل میں پیش کر سکتے ہیں! ایک عرصے کے بعد میں نے اُن کے دو عدد ڈرامے بعنوان ''انسان'' اور ''شکاری'' پڑھ لیے (یہ دونوں ڈرامے ویریندر جی کے ڈراموں کے اِس مجموعے میں شامل ہیں) دونوں ڈرامے اپنے مرکزی خیال، منفرد اسلوب، اندازِ بیان کی بے حد شگفتگی اور خاص طور پر اپنی اوریجنلٹی (Originality) کی وجہ سے بہت اچھے ہیں۔

ڈرامہ ''شکاری'' پڑھ کر لگتا ہے کہ کشمیر کے المیے نے، ہر ذی ہوش انسان کی طرح، میرے ہم وطن بھائی ویریندر جی کو بھی انتہائی اذیت دی ہے۔ آخر کشمیر کی مٹّی سے اُبجے درد سے وہ کیسے بچ سکتے ہیں۔ اپنی تخلیقی مصروفیات کی وجہ سے اس مجموعے میں شامل چند اور ڈرامے، چاہتے ہوئے بھی پڑھ نہیں پایا مگر مجھے اُمّید ہے کہ ہر ڈرامے میں ویریندر جی نے اپنے منفرد اسٹائل میں معاشرے کے وہ عکس دِکھانے کی کوشش کی ہوگی جو دھول، دھویں اور سیمابی آلودگی کی وجہ سے نظر نہیں آتے یا عام لوگوں کی نظروں سے دانستہ طور پر چُھپائے جاتے ہیں — غرض کے لیے، خود غرضی کے لیے یا شیطانی عمل کو فروغ دینے کی خاطر!

میں ذاتی طور پر ویریندر بھائی سے ایک بار بھی نہیں ملا ہوں۔ ''شاعر'' کا فروری کا شمارہ گوشۂ ویریندر پٹواری تھا۔ کوَر (Cover) پر ان کی تصویر دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ زندگی اُن پر کتنی مہربان ہے! بیشک زندگی نے اُن سے قیمت بھی وصول کی ہے مگر جو انھیں دیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔

گوشے میں شامل تمام سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ویریندر بھائی نے سچائی اور خلوص سے کام لے کر، اُردو ادب میں اپنی شناخت اور انفرادت کو تسلیم کرایا ہے!

پیشے سے ایک سِول انجینئر پہلے قارئین کے لیے، سامعین کے لیے اور ناظرین کے لیے شوقیہ لکھا کرتے تھے لیکن جب سے حادثے کا شکار ہو کر نہ چل پھر سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں، تب سے اپنے قلم کو مضبوطی سے پکڑ کر کورے قرطاس پر یوں تحریریں لکھتے رہتے ہیں گویا ایک کورے کینواس پر تصویریں بناتے ہوں۔ ملک کا شاید ہی کوئی اُردو ادبی جریدہ ہوگا جس میں ویریندر پٹواری کی کہانیاں، نثری نظمیں یا ڈرامے نظر نہ آتے ہوں گے۔

میں اپنی تخلیقی مصروفیات کی وجہ سے ان کے مجموعے میں شامل اور ڈرامے نہ پڑھ سکا مگر مجھے ویریندر بھائی کے منتخب موضوعات، منفرد اسلوب اور معنی خیز مکالموں کی روانی اور کچھ ایسے معاشرے کے عکس دِکھانے کی کوشش، جن کو عام لوگ دُھند اور دھوئیں کی وجہ سے دیکھ نہیں پاتے یا جن کو یہ عکس دھندلے آئینوں میں دِکھا کر گمراہ کیا جاتا ہے، وہ اُن کے ڈرامے پڑھ کر اُن کے زاویوں سے زندگی کا جائزہ لے کر زندگی کی سچائیاں جاننے کی کوشش کریں گے۔ ویریندر پٹواری کے نئے ڈراموں کے مجموعے ''انسان'' کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ۔

—— وید راہی

رائٹر، پروڈیوسر اور ڈائریکٹر

ممبئی

مجھے کچھ کہنا ہے

کہا جاتا ہے کہ
ایک سنگتراش کو ہر پتّھر میں ایک بُت نظر آ تا ہے۔
جبکہ مجھے آ کاش میں تیر رہے بادلوں کے ٹکڑوں میں تصویریں نظر آ رہی ہے۔
ویسے ہی جیسے
گردو پیش کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے تصویریں نظر آ تی ہیں۔
ایک تصوّرات کے عکس اور دوسرا زندگی کے حقیقی رنگ۔
کچھ سُہانے، کچھ ڈراؤنے۔
کچھ قدرت کے دلکش رنگ اور کچھ خدشات، خطرات، صدمات اور
سانحات کے رنگ۔
واقعات سے پیدا ہوئے حالات کے رنگ۔ یا پھر
حالات سے رُونما ہوئے واقعات کے رنگ۔
یہ رنگ جب قرطاس پر تحریریں بن کر میرے سامنے آتی ہیں
تو یہ تحریریں تصویریں بن کر آ جاتی ہیں۔
گویا قارئین کے لیے لکھے میرے ڈرامے
یا کبھی سامعین کے لیے لکھے ڈرامے،
کبھی اسٹیج پر اور کبھی ٹی وی کی اسکرین پر نظر آتی ہیں۔
تخلیقی ذہن کے قارئین یا سامعین کے لیے لکھے ڈراموں کو بھی
ناظرین کے لیے اُکساتا رہتا ہے۔
خاص طور پر تب جب یہ احساس ہوتا ہے کہ
چند تکنیکی تبدیلیاں کرنے سے ڈرامہ کی بناوٹ بدلی جا سکتی ہے۔
اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر ریڈیو ڈرامہ میں منظر یا مکالموں کے ساتھ
ایکشن، ری ایکشن کرنے پڑتے ہیں تو اسٹیج اور ٹی وی میں ان کو عیاں کیا جا سکتا ہے، اور تاثرات کو
کرداروں کی

Body Language سے Convey کیا جاسکتا ہے تو اس کو بھی کلوز اَپ، مِڈ شاٹ بغیر تمہید باندھے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ اگر میں چل پھر سکتا یا ڈھنگ سے بول پاتا تو اپنے اس دعویٰ کو کہ اُس کتاب میں شامل تمام ڈراموں کو ٹی وی اور اسٹیج پر دِکھانا آسان ہے، ثابت کر دیتا۔ کیونکہ گیلی مٹی سے ایک کمہار مٹکا بھی بنا سکتا ہے اور صراحی بھی۔ اگر کوئی اس کتاب میں شامل ڈرامے 'انسان' یا 'انوکھی رات، نرالی صبح' کو ٹی وی پر پیش کرنے کی سعی کرے گا تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ کیونکہ میں نے:

خواہشوں کو سمٹتے دیکھا ہے
آرزوؤں کو سُکڑتے دیکھا ہے
حسرتوں کو اُبھرتے دیکھا ہے
مگر پھر بھی
اُمّیدوں کی خوشبو سونگھ کر
کاوشوں کے قلموں سے
پھولوں کو کھلتے ہوئے دیکھا ہے

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقّالی سے ہے۔ وہ اس لیے کہ بُت پرستش کرنے والے ممالک ہندوستان اور یونان میں اس کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔ ہندوستان میں ڈرامے صدیوں سے کھیلے جاتے ہیں۔ پہلے مندروں کے احاطوں میں اور پھر رفتہ رفتہ کھلے میدانوں میں۔ اِردگرد بیٹھے ناظرین سے مخاطب ہوکر، اور بعد میں اسٹیجوں پر دھارمک سوچ رکھنے والے بھاگوت میں درج کتھاؤں کے کرداروں کی مدد سے ہریش چندر، نَل دَمینتی یا ساوتری ستیہ وان جیسے سبق آموز اور معنی خیز ڈرامے کھیلا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ڈرامے اساطیری لیلاؤں کے محیط کے اندر پھر وہ قید ہوکر بھی رام لیلا اور کرشن لیلا کے نام سے گاؤں اور شہروں میں مقبول عام ہوگئے۔ واقعات اور کرداروں کا ذکر کتھا واچک (راوی) ڈرامائی انداز میں سنا کر سامعین کے لیے دلچسپی کا ایک مقبول ذریعہ بن گیا۔ سنی سنائی اور لفظ بہ لفظ یاد کتھاؤں کو بار بار سننا لوگوں کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ پھر کرداروں نے راوی کی جگہ لی تو ماحول پیدا کرنے کی خاطر اسٹیج وجود میں آیا۔ اسٹیج کرافٹ نے واقعات کو ظاہر کرنے کے لیے وقت یعنی Period کو ظاہر کرنے کے لیے سیٹ ڈیزائن اور کرداروں کو میک اپ میں دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی ناٹک منڈلیاں وجود میں آگئیں۔ ناظرین کتھاؤں کے علاوہ نیکی اور بدی کی جنگ کو، دیوتاؤں کو راکھشسوں یا کرشن اور کنس یا رام اور راون کی جنگ کے علاوہ شہزادوں اور حور پریوں، جن جادوگروں کے ڈرامے دیکھتے۔ اندر سبھا وجود میں آئی جس کی تخلیق سیّد آغا حسن امانت لکھنوی نے کی تھی۔ بے حد مقبول ہوگئی۔ پھر جہاں آغا حشر کشمیری نے انار کلی جیسے ڈرامے لکھ کر ڈراموں کو مقبول بنایا وہاں خواجہ احمد عباس جیسے ڈرامہ نگاروں نے سوشل موضوعات پر ڈرامے لکھے جن کو قارئین نے پڑھ کر، سامعین نے ریڈیو سے سن کر اور ناظرین نے اسٹیج پر یا پردۂ سیمیں پر دیکھ کر بہت پسند کیا۔ اور اب ٹیلی ویژن پر طرح طرح

کے ڈرامے دیکھنا ناظرین کا محبوب مشغلہ ہے۔

ڈرامہ قارئین کے لیے لکھا جائے، سامعین کے لیے لکھا جائے یا ناظرین کے لیے لکھا جائے ڈرامہ تو ڈرامہ ہے۔ ایک کہانی، اُس پر لکھا ہوا ایک منظر نامہ اور کہانی کو بیان کرنے والے اچھے بُرے، سنجیدہ، غیر سنجیدہ، ہنسانے یا رُلانے والے، غلط فہمی پیدا کرنے والے، شکوک دور کرنے والے، خوب صورت یا بدصورت کردار۔ کہیں مکالموں کا سہارا لے کر اور کہیں چہرے کے تاثرات سے عیاں کر کے۔ کہیں لہجے اور مخصوص مکالموں کی ادائیگی کے ساتھ ایکشن اور ری ایکشن کا مظاہرہ کر کے Dash یعنی Pause یا مختصر سا وقفہ دے کر Dot یعنی رُک کر؟ یعنی سوال پر خود کا کیا ہوا سوال یعنی چہرے کے تاثرات کا اظہار !Exclamation پر خود کا Reaction جو جسمانی حرکات یعنی Body Language سے اظہار۔ میں ان اشاروں کو Dramatic Punctuations کہتا ہوں اور میں نے 'انسان' مجموعے میں ریڈیو کے لیے لکھے ڈرامے، اسٹیج کے لیے لکھے ڈرامے (جو ٹی وی پر بھی دِکھائے جا سکتے ہیں) فقط قارئین کے لیے لکھے ہیں اس لیے الفاظ کو زبان دینے کے لیے اور مکالموں کا صحیح تاثر دینے کی خاطر ان اشاروں کا استعمال کیا ہے۔

میری تحریریں قارئین کے ذہن میں بولتی، چلتی پھرتی، تصویریں بن کر اُبھرتی ہوئی نظر آ جائیں تو میری کوشش کامیاب ہے۔

—— وریندر پٹواری

102- ڈی لکس اپارٹمنٹس، وسوندھرا انکلیو، دہلی-110096

کچھ اپنے بارے میں

میں ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو سری نگر کشمیر میں پیدا ہوا۔ میرے ابا حضور آنجہانی پنڈت پریم ناتھ پٹواری مسرُور کشمیری ایک اسکول ماسٹر تھے۔ وہ اُردو اور کشمیری میں شاعری کیا کرتے تھے۔ اُردو ادب سے ان کو جنون کی حد تک لگاؤ تھا، جو مجھے ورثے میں ملا ہے۔ میرے مرحوم ابا سوپور (شمالی کشمیر) کے رہنے والے تھے مگر چونکہ بچپن میں اُن کے سر سے والدین کا سایہ اُٹھ گیا تھا اِس لیے اُن کو سری نگر میں رہنے والی بڑی بہن نے بھائی کی بجائے بیٹے کی طرح پالا پوسا تھا اور یوں ہم سری نگر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ کبھی پھوپھی کے گھر میں رہ کر اور اکثر کرائے پر لیے ہوئے مختلف محلّوں میں طرح طرح کے لوگوں کے مکانوں میں۔ میرے لیے یہ تکلیف دِہ سلسلہ اٹھارہ سال کی عمر تک نہایت مفید ثابت ہوا تھا کیونکہ ہر محلّے میں دو چار محبوبائیں ملا کرتی تھیں، تو میں اپنے والدین کے ذہنی کرب کو محسوس کرنے کی بجائے اپنے آپ ہیرو بن کر اپنی ہیروئنوں کو فلمی گیت یا فلموں کے مکالمے سنایا کرتا تھا ورنہ گھر آ کر اپنے بیمار والدین کی تیمارداری کیا کرتا تھا یعنی خوشیاں کروٹ بدل کر اچانک مایوسیوں کی تاریکیوں میں دھکیل دیا کرتی تھی۔

پھر میں جودھپور پڑھنے کے لیے چلا گیا، جہاں ایک شائستہ مسلم گھرانے سے میری دوستی ہو گئی۔ اُن کی باوقار مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ مجھے 'شاعر'، 'بیسویں صدی' اور 'شمع' جیسے جرائد پڑھنے کو مل جایا کرتے تھے۔ مطالعہ اور فلمیں دیکھنا ہی میرے دو محبوب مشغلے ہوا کرتے تھے۔ چھٹیوں میں گھر (سری نگر) جانا ایک تفریح ہوا کرتی تھی۔ انجینئرنگ کا دوسرا سال مکمل کر کے جب چھٹیاں گزارنے آیا تو پڑوس میں رہنے والی ایک بہت اچھی لڑکی نے مجھے اطلاع دی کہ دس دن بعد میری شادی ہو رہی ہے، اور ساڑھے اٹھارہ سال کی عمر میں میری للیتا سے شادی ہو گئی۔ میں ایک انجینئرنگ گریجویٹ ہوں اور بحیثیت ایک Executive Engineer سرکاری نوکری سے سبکدوش ہوا۔ پیشے کے اعتبار سے میں ایک سِول انجینئر ہوں اور دورانِ ملازمت میں اپنے سرکاری کام میں صبح سے شام تک مشغول رہا کرتا تھا اور اپنا کام نہایت خوش اُسلوبی سے کیا کرتا تھا۔ لوگوں کے سکھ دُکھ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور ہمیشہ مقبول افسر رہا۔ میری کہانیاں پڑھ کر یا ڈرامے سن کر، دیکھ کر لوگ حیران ہو جایا کرتے تھے کہ بہت ہی اچھا لباس پہن کر اپنی کار چلانے والا شخص ایک کہانی کار کیسے ہو سکتا ہے۔ دراصل وہ جب بھی کسی نامور فنکار کا انٹرویو سن لیتے تھے یا دیکھ لیا کرتے تب بیشتر فنکار فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ ان کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا اور یوں ایک Wrong Message اُن لوگوں کو جاتا تھا کہ ایک ذہین انسان انجینئر، ڈاکٹر، آئی اے ایس افسر بھی فنکار بن سکتا ہے اگر اُس کا تخلیقی ذہن ہو تو۔ نوکری کی ہی وجہ سے

حالات کا مشاہدہ، واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو جایا کرتی تھی۔ جیسے کیمرے کی آنکھ ہر روشن (Bright) شے کو سلولائڈ پر اُتار دیتی ہے ویسے ہی ایک ذہین افسر اپنی تخلیقی آنکھ سے کرداروں کو، ان کی نفسیات کو اور اُن سے وابستہ واقعات کو اپنے ذہن میں درج کرتا ہے!!

میری نظر میں قلم کار وہ ہے جو چاہے غریب ہو یا امیر ہو، کلرک ہو یا ڈپٹی کمشنر، جس کی تخلیق سامنے آئے۔ اچھی یا بُری! کہا جاتا ہے کہ ایک تخلیق کار یا فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں کو فنکاری پہلے ورثے میں ملتی ہے۔ پھر صحبت تخلیقی ذہن کی نشو و نما کرتی ہے۔ تربیت صلاحیتوں کو سنوارتی ہے اور پھر فنکار اپنا تصوّر اُس کو اپنے نقطۂ نگاہ سے ظاہر کرنے کا طریقہ یا سلیقہ سکھا دیتا ہے۔

میرے مرحوم والد شاعر تھے، اس لیے Inheritance یعنی بطور وراثت میرے گھر میں ادبی ماحول تھا۔ بڑے بھائی (پھوپھی زاد بھائی جو میرے محسن بھی ہیں) اخبار، جرائد اور بے شمار کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ اس لیے گھر کے ماحول میں ضرورت سے زیادہ ثمر آفریں Environment یعنی ادبی صحبت ملا کرتی تھی۔ حوالہ صاحب کو شاعری پڑھنے اور اشعار سلیقے سے سنانے کا فن آتا ہے۔ وہ اکثر جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، غالب و اقبال کا کلام گنگنایا کرتے تھے۔ مرحوم فیض احمد فیض کا کلام اتنے جاندار انداز میں گنگنایا کرتے تھے کہ مجھے دسویں جماعت میں بھی ان کی شاعری سمجھ میں آجاتی تھی۔ ان کی دہلی میں اپنی لائبریری ہے اس لیے میں جب بھی دہلی جایا کرتا تھا ان کے گنجینۂ ادب سے کچھ نہ کچھ پالیا کرتا تھا۔ کہانیاں لکھنے سے پہلے میں 'شاعر'، 'بیسویں صدی' اور 'شمع' میں مرحوم مشاہیر کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، پُشکر ناتھ اور جناب نور شاہ کی کہانیاں شوق سے پڑھا کرتا تھا، پھر مرحوم پرکاش پنڈت کی اسٹار پبلی کیشنز کی پاکٹ سائز کتابوں کی بدولت اُردو ادب کا مطالعہ نصیب ہوا، پھر مشاہدے نے قلم اٹھانے کے لیے اُکسایا اور میں ۱۹۶۵ء سے لکھنے لگا۔

میری پہلی مطبوعہ کہانی بعنوان 'سسکیاں' ممبئی کے رسالے 'صبحِ اُمید' (جو اب بند ہو چکا ہے) میں شائع ہوئی، وہ بھی اس لیے کہ ۱۹۶۴ء میں جب میرا چھوٹا بھائی راجندر پٹواری سر جے جے اسکول آف آرٹس ممبئی میں فائن آرٹ کی تربیت لے رہا تھا، وہ آنجہانی علی سردار جعفری کو ذاتی طور پر جانتے تھے اس لیے میری کہانی اُن کو پڑھنے کو دی تھی۔ مرحوم نے کچھ کاٹ چھانٹ کر کے 'صبحِ اُمید' کے مدیر کو دی تھی۔

یہ میرے حوصلے کی افزائی تھی۔ اس کے بعد میں نے کئی کہانیاں لکھیں، جو مرحوم موہن یاور صاحب کے ہفتہ وار اخبار 'رفتار'، سری نگر سے شائع ہونے والے ماہنامے 'نگینہ' جالندھر کے روزنامہ 'ہند سماچار'، پٹنہ کے اخبار 'مورچہ' وغیرہ میں شائع تو ہوتی رہیں مگر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء کے دوران میری کہانیاں 'روبی' (دہلی) 'فلمی ستارے' (دہلی) 'بیسویں صدی' (دہلی) میں شائع ہوئیں اور مقبول ہوتی رہیں۔ پھر خدا نے میرا مسیحا بھیجا، وہ تھا مرحوم اعجاز صدیقی کا بیٹا مرحوم تاجدار احتشام صدیقی مدیر ماہنامہ 'شاعر' (ممبئی)۔ انھوں نے میری کہانیاں 'ہوک' اور 'طوطا' اپنے جریدے میں شائع کر کے مجھے شناخت دِلائی۔ پھر میں لکھتا چلا گیا۔ مرحوم تاجدار صدیقی کی بے وقت موت کے بعد 'شاعر' کے مدیر جناب افتخار امام صدیقی بھی میری دل کھول کر حوصلہ

افزائی کرتے رہے ہیں۔ آج تک میری ۲۰۰ سے زیادہ کہانیاں ملک کے کونے کونے سے شائع ہونے والے جرائد میں شائع ہوئیں، جن میں ایک درجن سے زیادہ ایسے جرائد ہیں جو دنیا کے ان کونوں میں جاتے ہیں جہاں اُردو ادب کے قدردان ہیں۔ حال ہی میں 'شاعر' کا فروری کا شمارہ پڑھنے والوں کے جرمنی اور پاکستان سے خطوط ملے ہیں۔ اب تک میری کہانیوں کے جو مجموعے شائع ہو چکے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) فرشتے خاموش ہیں (۲) دوسری کرن
(۳) بے چین لمحوں کا تنہا سفر (۴) آواز سرگوشیوں کی
(۵) ایک ادھوری کہانی (۶) اُفق
(۷) دیونا گری لپی میں ایک نظمیہ ناولٹ (۸) آخری دن (جو ڈراموں کا مجموعہ ہے)

خدا نے چاہا تو 'الم' کے عنوان سے کشمیری کہانیوں کا مجموعہ اور دوسری اُردو کہانیوں کے مجموعے جلد شائع ہوں گے۔ بہار اُردو اکادمی نے میری دو کتابوں یعنی 'دوسری کرن' اور 'آواز سرگوشیوں کی' پر انعام سے نوازا ہے۔ انعام اگر ایک روپے کا ہو تو بھی قابلِ قدر ہے، قابلِ احترام ہے اور لینے والے کے لیے قابلِ فخر ہے۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ جس Catagory میں ڈاکٹر کیول دھیر، محترمہ آمنہ ابوالحسن، ڈاکٹر بشیر بدر اور ڈاکٹر شہریار ہیں۔ ایچ آر ڈی منسٹری نے ان کشمیری ادبا اور شعرا کو ایک لاکھ روپے کے انعام دیے جو ہندی میں کتابیں لکھتے ہیں۔ ایک ایسے شخص کو میں جانتا ہوں جس نے صدرِ جمہوریۂ ہند سے انعام تو لیا ہے مگر اس کے بعد وہ کسی سے ملتا ہی نہیں ہے، اس لیے نہیں کہ اس کو غرور ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خود خوفزدہ ہو رہا ہے۔ خیر یہ اُردو زبان کو فروغ دینے والی باتیں جتنی کم کی جائیں اچھا ہے۔ جب مجھے ملک کے کسی قاری کا خط ملتا ہے تو سمجھتا ہوں کہ یہ خط نہیں سند ہے، انعام ہے۔ میں جناب نور شاہ صاحب کا مدّاح ہوں اور جب وہ میری مطبوعہ کہانی کا تراشہ بھیجتے ہیں تو اُس پر ایک کونے میں لکھ دیتے ہیں: ''ایک بہت اچھی کہانی ہے۔'' میرے لیے یہ ایک سطر ایک انمول انعام ہے بلکہ ایک اعزاز بھی۔ مرحوم آل احمد سرور نے میری چند کہانیاں پڑھ کر مجھے یہ سنایا تھا کہ وریندر پٹواری کی کہانیوں میں ڈرامائیت ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے ذہن میں جب کوئی کہانی جنم لیتی ہے تو میرے تصوّر میں تصویریں اُبھرتی ہیں ماحول کی، کرداروں کی، ان کی گفتگو کی، ایکشنز اور ری ایکشنز (Actions And Reactions) کی۔ تصویریں جب ایک کولاج بن جاتی ہیں تب میں ان تصویروں کو تحریروں میں پیش کرتا ہوں اور ہر ایک کہانی لکھ کر میں سوچتا رہتا ہوں کہ اگر میری دیکھی ہوئی تصویریں قارئین کے لیے ہوسکتی ہیں تو ایک Additional Dimension سے میری کہانیاں سامعین اور ناظرین کے لیے بھی ہوسکتی ہیں یعنی ریڈیو ڈرامہ، اسٹیج ڈرامہ، ٹی وی ڈرامہ یا ایک فلم کی شکل میں آسکتی ہیں۔

میرا پہلا ریڈیو ڈرامہ 'گھر' تھا جو ماہنامہ 'شاعر' ممبئی میں شائع ہو کر ریڈیو جموں کشمیر کے لیے شری وِشنو بھاردواج نے پروڈیوس کیا تھا اور بہت ہی مقبول ہو کر ملک کے بیشتر ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی کئی بار نشر ہوا تھا۔ 'گھر' کے بعد میں کبھی قارئین کی پسندیدہ کہانیوں کو ڈراموں کا رُوپ دے کر سامعین کی داد حاصل کرتا رہا اور کبھی سامعین کے پسند کیے گئے ڈراموں کو کہانیوں کا رُوپ دے کر قارئین کو مایوس نہ کرنے کی کوشش کرتا

رہا اور ریڈیو کشمیر جموں کے علاوہ اے آئی آر دہلی کے لیے لکھتا رہا۔ جب تک میری انگلیاں قلم کو پکڑ سکتی ہیں لکھتا رہوں گا۔ (خدا کرے کہ جب میں آخری سانس لوں تب میرا قلم میرے ہاتھ میں ہو) اس خواہش کے پس پردہ میری دردناک جسمانی حالت ہے۔ ہوا یوں کہ میں اپنی کار میں دفتر جا رہا تھا کہ کار ایک ٹرک سے ٹکرا کر مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔ میرا زندہ رہنا ایک معجزہ ہے۔ جس نے کار کی حالت دیکھی اُس نے کہا کہ میں نے اپنے پچھلے جنم میں کوئی ثواب کا کام کیا ہوگا۔

رفتہ رفتہ میری Back Bone میں حادثے کے وقت لگے دباؤ (Stress) نے اپنا اثر دِکھانا شروع کیا اور میں پچھلے کئی برسوں سے نہ ڈھنگ سے بول سکتا ہوں اور نہ وہیل چیئر (Wheel Chair) کے بغیر چل سکتا ہوں۔ نظریں اٹھا کر آسمان کی بجائے اپنے کمرے کی چھت دیکھ سکتا ہوں۔ سامنے رکھا ٹی وی دیکھ سکتا ہوں اور نظریں جھکا کر اخبار، خط، جریدہ یا کتاب پڑھ سکتا ہوں یا پھر قلم اُٹھا کر لکھتا رہتا ہوں۔ قارئین کے لیے، سامعین اور ناظرین کے لیے!

'ماں' میرا پہلا ٹی وی ڈرامہ ہے، جو شری جے کشن زتشی نے پروڈیوس کیا تھا اور بے حد مقبول ہوا تھا۔ نتیجتاً ملک کے تمام ٹی وی اسٹیشنوں سے ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔ عزّت مآب مظہر امام ایک بین الاقوامی شہرت کے شاعر ہیں اس لیے جب تک وہ دوردرشن سری نگر کے ڈائریکٹر تھے میں نے عام روش سے ہٹ کر کئی ڈرامے لکھے بلکہ 'دوسرا کنارہ' جیسی ٹیلی فلم بھی۔ پھر کشمیر میں جب سیاست پر دہشت گردی حاوی ہوگئی تب چند مطلب پرستوں نے حالات کا فائدہ اُٹھا کر ٹیلی ویژن کا چہرہ ہی بدل دیا جو مجھ جیسے قلم کاروں کے لیے شناسا نہ تھا۔ مگر جناب اشوک جیلخانی اور جناب فاروق نازکی جیسے فنونِ لطیفہ کے قدر دانوں کی وجہ سے چند سیریل کشمیری زبان اور چند سیریل اُردو زبان میں لکھنے کو ملے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے ان لوگوں کو ان کے اصرار کے باوجود سیریل نہیں دے سکتا جن کو سیریلز بنانے کے دوران ڈرامہ نگار کی موجودگی کی اشد ضرورت ہوتی ہے پھر بھی ان کو ٹال نہیں سکتا جو نہایت پیار واحترام سے ایک اپاہج کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔

حال ہی میں جب میرے دو عدد ڈرامے قارئین نے پڑھ کر مجھے یقین دلایا کہ سامعین کے لیے لکھے گئے ڈرامے یا ناظرین کے لیے لکھے گئے ڈراموں کی مکمل اسکرپٹیں پڑھتے وقت الفاظ ڈرامائی انداز میں بولتے ہیں اور مناظر اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ میں اپنی کہانیوں کے نئے مجموعے کو شائع کرنے پر غور کر رہا تھا مگر عزّت مآب جناب نور شاہ کے مشورے پر قارئین کے لیے، سامعین اور ناظرین کے لیے یہ ڈراموں کا مجموعہ بعنوان 'انسان' شائع کر رہا ہوں۔ اگر قارئین نے پسند فرمایا تو اپنے چند غیر نشر شدہ سیریلز کو بھی کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق علم اور فنون لطیفہ کی دیوی ماتا سرسوتی شاردا کشمیر میں رہتی ہے۔ ان ہی کی کرپا کی وجہ سے دوسری صدی عیسوی میں (غالباً) رشی بھرت مُنی نے 'ناٹیہ شاستر' کے عنوان سے ڈراموں پر پہلی کتاب لکھی تھی۔ گویا ڈرامہ نگاری ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ڈراموں کا آغاز ہماری چند لوک کتھاؤں پر مبنی ہوا کرتا تھا مثلاً 'اکہ ننذن' یا 'ہی مال ناگ راج' جیسے

ڈرامے مقبولِ عام ہوا کرتے تھے۔ آج کا ڈرامہ اُن ڈراموں سے مختلف ہے لیکن ورثے میں ملی ڈرامہ نگاری کا معیار اور ان کی انفرادیت کو کسوٹی مان کر اُردو میں لکھے گئے بہت کم ڈرامے کتابی شکل میں دستیاب ہیں۔ ڈراموں کے خالق کہتے رہتے ہیں کہ اُردو کے ڈرامہ نگار کچھ لکھتے نہیں جبکہ ڈرامہ نگاروں کو یہ شکایت ہے کہ ان کو ڈرامہ کھیلنے والے نہیں ملتے! میں نے کتاب میں شامل تمام ڈرامے آج کے موضوعات پر لکھے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ قارئین ہی فیصلہ کرسکیں کہ کون سچ بول رہا ہے، اُردو ڈراموں کی کون حوصلہ افزائی کررہا ہے اور کون ہیں وہ لوگ جو اُردو ڈراموں کی حوصلہ شکنی کررہے ہیں!

اُمید کہ قارئین میرے حوصلوں کو پست نہیں کریں گے، بلکہ سامعین اور ناظرین تک میرے ڈراموں کو پہنچانے میں میری مدد کریں گے۔ ایک کاشتکار کی طرح میں نے بیج بو تو ڈالا ہے۔ ڈرتا ہوں اُن پرندوں سے جو چونچ مار کر بیج کو کھا جاتے ہیں جبکہ کاشتکار فصل کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

—— وریندر پٹواری

انسان

اہم کردار

- ایس ایس پی • جیلر • سوامی • دھیرو • سنجے (صحافی)
- ارجن • سپاہی-۱ • سپاہی-۲ • ڈاکٹر • تحصیلدار

سین-۱

(شروعات کی موسیقی کے ساتھ بہت تیز بارش اور بادلوں کے گرجنے کے ساؤنڈ اِفکٹ)

سنجے: (خود کلامی) ہے بھگوان۔ یہ بارش ہے یا قہرِ خدا! سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ پولیس یہاں کیسے کام کر پا رہی ہے۔

(جیپ کے ہارن کی آواز)

سنجے: لگتا ہے پولیس کی جیپ ہے...... ہاں، ہاں پولیس کی ہی جیپ ہے۔

(جیپ کے رُک جانے کی آواز کے ساتھ ہی ایس ایس پی کی آواز)

ایس ایس پی: ارے آپ؟

سنجے: نمسکار ایس ایس پی صاحب۔

ایس ایس پی: واہ کیا بات ہے؟ آپ کے حوصلے کی داد دینی چاہیے۔

سنجے: وہ کیوں؟

ایس ایس پی: بیٹھیے تو سہی، بتاتے ہیں۔

سنجے: شکریہ۔

ایس ایس پی: اِس بارش میں آپ Rain coat یا چھاتا لیے بغیر چل رہے ہیں، یہ یقیناً آپ کے نیک ارادوں کی ترجمانی ہے۔

سنجے: (قہقہہ) چھاتا تھا۔ (قہقہہ) مگر ہَوا سے اُڑ گیا۔ اور میں کالے چھاتے کی بجائے کالے بادل دیکھتا رہ گیا (قہقہہ)۔

ایس ایس پی: (قہقہہ) ایک تو ہر طرف پانی اور پھر قدم قدم پر پھسلن ہی پھسلن۔ آپ نے یہ دُشوار سفر کیسے Manage کرلیا؟

سنجے: کرنا ہی پڑتا ہے جناب۔ ہم اخبار والوں کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ایس ایس پی: You are great Mr. Sanjay

سنجے: شکر ہے بھگوان کا۔ کوئی تو اخبار والوں کو Great سمجھتا ہے۔

ایس ایس پی: میں نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا۔

سنجے: (قہقہہ) دراصل جو خود Sincere ہو اس کو سب Sincere نظر آتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اخبار والے صرف اسکینڈلوں کی ہی کھوج میں رہتے ہیں۔

ایس ایس پی: لوگ نہیں، کچھ لوگ۔ صحافی ہو یا سپاہی، صحیح آدمی صحیح کام کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صحافت ایک آئینہ ہے جس میں ہمارا معاشرہ اپنے عکس دیکھتا ہے۔ (قہقہہ) مگر آئینہ صاف ہونا چاہیے (قہقہہ)۔

سنجے: صحیح Reporting کے لیے ہی تو میں یہاں آیا ہوں ایس ایس پی صاحب۔

(جیپ رُکنے کی آواز)

سنجے: کیا ہوا؟

ایس ایس پی: جیپ یہاں تک ہی جائے گا۔ آگے نہیں۔

سنجے: (ہنسی) اور یوں آپ نے پھر مجھے یاد دلا دیا۔

ایس ایس پی: کیا؟

سنجے: میرا چھاتا۔

ایس ایس پی: (قہقہہ) گھبرائیے نہیں، ہم آپ کو Rain Coat دیں گے۔

سنجے: شکریہ۔

ایس ایس پی: تو پھر چلیں۔

سنجے: جی ہاں، دیر کس بات کی؟

ایس ایس پی: (ہنسی) تقریباً تین کلومیٹر چلنا ہوگا۔

سنجے: تیس کلومیٹر کا فاصلہ بھی ہوتا تب بھی میں چل پڑتا۔

ایس ایس پی: اتنا جوش، اتنا ولولہ، ایسی لگن۔

سنجے: صرف ایک Curiosity، ایک تجسس۔

ایس ایس پی: تجسس؟

سنجے: جی ہاں، سیلاب، فسادات یا طرح طرح کے حادثات کے بعد ہم نے فوجیوں کو کام کرتے

ہوئے دیکھا ہے بلکہ سنا بھی ہے۔قیدی Relief کا کام کر رہے ہیں یہ پہلی بار سنا ہے۔ظاہر ہے یہ سب میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

ایس ایس پی: (قہقہہ) گویا اپنے آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں آپ!

سنجے: شک ہے،اس لیے نہیں۔بھروسہ ہے اس لیے۔(قہقہہ) It is a Story and you are the hero۔

ایس ایس پی: نہیں نہیں۔ہم Hero نہیں ہیں بلکہ ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم نے قیدیوں کو لاشیں نکالنے پر لگا کر کوئی غلطی تو نہیں کی۔After all a criminal is a criminal۔

سنجے: پھر یہ خیال کیسے آیا؟

ایس ایس پی: یہ خیال نہ میرا ہے اور نہ جیلر صاحب کا۔

سنجے: پھر؟

ایس ایس پی: سینٹرل جیل میں ایک قیدی ہے،نام کچھ اور ہے لیکن پچھلے سات سال سے سب اس کو سوامی کے نام سے جانتے ہیں۔

سنجے: سوامی؟

ایس ایس پی: ہاں،عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔

سنجے: یعنی قاتل ہے۔

ایس ایس پی: ہاں،انشورنس کی رقم حاصل کرنے کی خاطر اپنی بیوی کا قتل کر چکا ہے۔

سنجے: Very Interesting۔

ایس ایس پی: سنا ہے پچھتاوے کی آگ میں جل کر کندن بن گیا ہے۔

سنجے: گویا اِس دور کا انگلی مال۔

ایس ایس پی: انگلی مال؟

سنجے: ہاں انگلی مال۔وہ ایک وحشی درندہ تھا۔قتل کر کے مقتول کی انگلیاں کاٹ کر ایک مالا بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا کرتا تھا۔لیکن بعد میں یہی راکھشس ایک بھکشو بن گیا تھا۔

ایس ایس پی: ہاں کچھ ایسا ہی سوامی کے ساتھ بھی ہوا ہے۔اُس نے قیدیوں کو آمادہ کر کے یہاں لانے کی تجویز رکھی تو ہمارے جیلر صاحب کچھ زیادہ ہی Enthusiastic بن گئے۔

سنجے: گویا لاشیں نکالنے کا کام وہ کر رہے ہیں۔

ایس ایس پی: ہاں،بہت ہی کٹھن کام ہے۔پہلے لاش کو تلاش کرو پھر سڑی لاش کو پانی یا کیچڑ سے باہر نکالو۔ چاروں طرف بدبو ہی بدبو۔

سنجے: اور چاروں طرف پانی ہی پانی۔یہ علاقہ ہرا بھرا ہوا کرتا تھا۔دُور دُور تک پھیلے کھیت،آس پاس

چھوٹے چھوٹے مگر خوبصورت گھر۔ اُف، سیلاب نے سب کچھ اُجاڑ دیا۔

ایس ایس پی: صرف ایک مکان بچ گیا ہے۔ پکّا تھا اس لیے۔ یہاں سے نظر نہیں آتا۔ مگر سنا ہے کسی بھیشم سنگھ کا مکان ہے۔

سنجے: یہ وہ ٹھاکر بھیشم سنگھ تو نہیں جس کو اس کے پوتے نے قتل کر دیا تھا؟

ایس ایس پی: I Dont know۔ دوسری ریاستوں سے آئے ہوئے آئی پی ایس افسروں کو Flash Back دکھانا پڑتا ہے۔ ان کو معلوم نہیں ہوتا۔ ہے نا؟ (قہقہہ)۔

سنجے: ہمیں سوامی سے مِلا دیجیے۔ ہم آپ کو مکمل کہانی سنا دیں گے۔

ایس ایس پی: (قہقہہ)

سنجے: یہاں ایک پل تھا۔

ایس ایس پی: ہاں، بہہ چکا ہے۔ اسی لیے تو سارا علاقہ Cut Off ہو چکا ہے۔ Air Lifting ممکن نہیں تھی۔ اسی لیے بہت لوگ مر گئے۔ What a tragedy۔

سین۔۲

(دور سے بھجن کی آواز)

سنجے: . یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟

سپاہی۔۱: سوامی بھجن کر رہا ہے۔ بارش کی وجہ سے کام رُک گیا ہے نا۔ اس لیے۔

ایس ایس پی: کام ٹھیک چل رہا ہے۔

سپاہی۔۱: جی ہاں۔ صاحب جی لگتا ہے تین چار سو سے اوپر لوگ مر گئے ہیں۔

سنجے: تین چار سو؟ بھئی یہاں اتنی آبادی تھی کیا؟

سپاہی۔۱: دس گاؤں ڈوب گئے ہیں صاحب جی! ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ سیلاب آتے تھے، راستے کٹ جاتے تھے۔ لیکن دُھوپ نکلتے ہی سب جڑ جاتے تھے۔ اس بار قہر ٹوٹ پڑا ہے۔

(بھجن کی آواز ساتھ ساتھ سنائی دے گی)

ایس ایس پی: مسٹر سنجے، آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

سنجے: (چسکی لے کر) تیز ہوائیں آپ کے Tent کو بھی خوف زدہ کر رہی ہیں (ہنسی)۔

ایس ایس پی: اور ہم پھر بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔

سنجے: واقعی قابلِ تعریف کام ہو رہا ہے۔

ایس ایس پی: لو، جیلر صاحب بھی آ گئے۔

جیلر: Hello Sir۔

ایس ایس پی: شرما صاحب مسٹر سنجے خاص طور پر آپ کی کارکردگی کا جائزہ لینے آئے ہیں۔

جیلر: Welcome, Welcome۔

سنجے: Thank you۔

ایس ایس پی: سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نا؟

جیلر: جی ہاں۔ ویسے ہی ہو رہا ہے جیسے میں نے سوچا تھا۔

ایس ایس پی: کوئیProblem؟

جیلر: No Problem۔ اور سوامی کے ہوتے ہوئے کوئیProblem ہو بھی نہیں سکتی۔

سنجے: اچھا؟ سوامی کیا جادوگر ہے؟

جیلر: جادوگر تو نہیں ہے مگر اس شخص کی دو باتیں سن کر بات بات پر لڑنے جھگڑنے والے قیدی یوں خاموش ہو جاتے ہیں گویا سپیرے نے سانپوں کو پٹارے میں ڈال دیا ہو۔

سنجے: میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں۔

جیلر: آیئے۔

ایس ایس پی: بارش تھم جائے تو جایئے۔

جیلر: (ہنسی) تب سوامی کہاں نظر آئے گا۔

سنجے: مطلب؟

جیلر: یہ شخص فقط کام کرنا چاہتا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ اوروں سے بھی کام کرواتا ہے۔ پل دو پل کے لیے بھی آرام نہیں کرتا۔ میں حیران ہوں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ایس ایس پی: اس شخص کی کیفیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے سر سے گناہوں کا بوجھ اُتارنا چاہتا ہے۔ مسٹر سنجے آپ کیا سوچ رہے ہیں؟

سنجے: سوچ رہا ہوں کہ عمر قید کاٹنے والے قیدی بغیر پہرہ کام کیسے کر رہے ہوں گے۔ وہ بھاگ بھی تو سکتے ہیں۔ اور بھاگنا بھی آسان۔ دریا پار کرو تو دوسرا ملک۔

ایس ایس پی: Yes, that was my apprehension —— لیکن لگتا ہے میرے خدشات غلط تھے۔ By the way۔ جیلر صاحب اس کا کیا حال ہے؟

جیلر: کس کا؟

ایس ایس پی: دھیرو یا دُریودھن کچھ ایسا ہی نام بتایا تھا۔

جیلر: دھیرو۔

سنجے: دھیرو کون؟

جیلر: ہے ایک انسان کے لبادے میں حیوان۔ یہاں آنے سے پہلے ایس ایس پی سے اُلجھ پڑا تھا۔

(Flash Back)

سین۔ ۳

دھیرو: (چلاّ کر) دھیرو۔ دھیرو ہے میرا نام۔

سوامی: دھیرو۔ بچّے آہستہ بولو۔ یہ بڑے مہربان افسر ہیں، ایس ایس پی صاحب ہیں۔

دھیرو: چور ہے۔ یہ سب افسر چور ہیں۔ کام نہیں کرتے اس لیے سیلاب آیا۔ میں سب کا خون پی جاؤں گا۔

جیلر: دھیرو۔

دھیرو: چلاّؤ مت جیلر۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد میں سب سے پہلے تمھارا قتل کروں گا۔

جیلر: Shut up۔

دھیرو: اوئے ایس پی، کا انگریزی بولتا ہے۔ زبان کو لگام دے ورنہ کھینچ لوں گا۔

سوامی: دھیرو۔ دھیرو۔ یہ کیا کر رہا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے تمھیں۔ تھوڑی دیر پہلے ٹھیک ٹھاک تھا۔ چل معافی مانگ صاحب سے۔

دھیرو: معافی؟ اور اِن سے۔ ارے میں ان کو ویسے ہی نہ کاٹ ڈالوں جیسے میں نے دادا کو کاٹ ڈالا تھا۔ چاچا کو کاٹ ڈالا تھا۔ چاچی کو کاٹ ڈالا تھا۔ اور ارجن کو کاٹ ڈالا تھا۔ بچ گیا تو کیا اب کاٹ دوں گا ہاں، ہاں۔

جیلر: لے جاؤ اس حیوان کو۔ سوامی یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا۔ تم سمجھتے ہو کہ سب قیدی تمھاری طرح سادھو سنت بن گئے ہیں۔ یہ جانور ہے۔ وحشی، خونخوار درندہ۔

ایس ایس پی: جیلر صاحب آپ اپنا پلان Drop کر دیجیے۔ You are working on theories and not on practical aspect۔ آپ رہنے دیں، میں سپاہیوں کو Depute کروں گا۔ And that is a genuine step۔

سوامی: نہیں، نہیں۔ ایسا مت کہیں۔ یہ لڑکا کبھی کبھی بہک جاتا ہے۔ ناسمجھ ہے۔ میں سمجھا دوں گا۔ سمجھ جائے گا۔ ہمیں یہ نیک کام کرنے دیں۔ یہ ہمارے لیے ایک تیرتھ یاترا ہوگی۔ (روتا ہے) صاحب جی جو مر گئے سب ہمارے اپنے تھے۔ ہمیں اُن کا انتم سنسکار کرنے دیں۔

Flash Back Ends

جیلر: میں شرمندہ تھا۔ پریشان تھا۔ مگر جانے سوامی نے دھیرو کے کان میں کیا کہا۔ وہ تھوڑی دیر بعد روتا بلکتا ہمارے پاس آیا۔ گڑگڑایا اور معافی مانگ کر ہمارے ساتھ آ گیا۔ (ہنسی) اور اب چپ چاپ کام کر رہا ہے۔

سنجے: گویا دھیرو نے چار قتل کیے ہیں۔

جیلر: تین قتل۔ چوتھا بچ گیا تھا۔ کم عمر ہے اس لیے عمر قید مل گئی ورنہ یقیناً پھانسی کی سزا ہوئی ہوتی۔
سنجے: کہیں دھیرو مرحوم ٹھاکر بھیشم سنگھ کا پوتا تو نہیں؟
جیلر: Yes, Same person چلیے، چلتے ہیں۔

سین۔ ۴

(بھجن کی آواز نمایاں طور پر سنائی دے گی اور گفتگو شروع ہوتے ہی یہ آواز بند ہوگی)

جیلر: سوامی۔
سوامی: حکم صاحب جی۔
جیلر: یہ سنجے صاحب ہیں، صحافی ہیں۔ اخباروں میں خبریں دیتے ہیں۔ آپ سے ملنے آئے ہیں۔
سوامی: ہمارے دھن بھاگیہ۔
سنجے: ارے یہ کیا کر رہے ہو؟
سوامی: آپ کے پاؤں چھولوں تو آنند ملے گا۔
سنجے: آپ بزرگ ہیں۔ رہنے دیں۔
سوامی: سفید بالوں سے کوئی بزرگ نہیں بن جاتا۔ آپ گیانی ہیں اور میں مورکھ پرانی۔
سنجے: ایسا کچھ نہیں ہے سوامی جی۔
سوامی: آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جیلر صاحب نے یہ کیا کیا ہے۔ سانپ کو بازار میں کھلا چھوڑ دیا تو وہ کسی کو کاٹے گا یا بھاگے گا۔ ہے نا؟
سنجے: (جھجک کے ساتھ) نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔
سوامی: بات ہے۔ اور جو آپ سوچ رہے ہو وہ بھی ٹھیک ہے۔
سنجے: مطلب؟
سوامی: ہاں، سانپ آخر سانپ ہے۔ مگر جو کاٹتا ہے وہ بھی سانپ ہے۔ جو دیوؤں کے دیو، مہادیو کے گلے میں لٹکتا ہے وہ بھی سانپ ہے۔
جیلر: واہ۔ واہ۔ کیا بات کہی سوامی جی۔
سوامی: ایک ہی چیز ہے۔ مگر رنگ دو ہیں۔ یہ دھرتی ہے۔ اس کے بھی دو رنگ ہیں۔ ایک انسان موجوں سے ٹکراتا ہوا، پانی کی سطح سے اوپر نیچے جاتا ہوا، زندہ رہنے کی کشمکش میں ہاتھ پاؤں مار کر جب کنارے کے قریب پہنچ جاتا ہے تب یہ دھرتی گویا اس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے نکال دیتی ہے۔ ہے نا؟
سنجے: ہاں۔

سوامی: مگر یہی دھرتی کبھی دلدل بن کر انسان کو نگل جاتی ہے۔ ہے نا؟

سنجے: جی ہاں، بالکل صحیح فرمایا۔

سوامی: بارش کا پانی کھیتوں میں جمع ہوتا ہے تو کھیت لہلہاتے ہیں اور کبھی کبھی وہی پانی لہلہاتے کھیتوں کو اُکھاڑ کر چلا جاتا ہے۔

سنجے: آپ کی باتوں میں گہرائی ہے۔

سوامی: گہرائی سوچ میں ہوتی ہے۔ باتوں میں نہیں۔ سمجھ بلندی پر ہو تو سوچ میں گہرائی ہوتی ہے۔ ہے نا صاحب جی؟ (چونک کر) بارش تھم گئی ہے۔ میں نے کام پر جانا ہے۔

جیلر: سوامی، آپ سنجے صاحب سے باتیں کرو۔ آپ بعد میں آ جانا۔

سوامی: جیسے آپ کا حکم۔

جیلر: کیوں بار بار شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں چلتا ہوں۔

سین - ۵

سنجے: سوامی جی آپ اپنے بارے میں کچھ اور بتائیں۔

سوامی: اسی علاقے کا رہنے والا ہوں۔ میرے رشتے دار بھی اسی علاقے میں ڈوب گئے ہیں۔

سنجے: یہ کیسے پتا چلا۔

سوامی: (آہ بھر کر) اس بربادی کو دیکھ کر یہی محسوس کر رہا ہوں۔ اور دل بھی یہی کہتا ہے۔ جب بھی کوئی لاش دیکھتا ہوں تو دل کہتا ہے۔ کہیں یہ تمہارا بھائی تو نہیں۔ بہن تو نہیں۔

سنجے: آپ اتنے اچھے ہو پھر۔

سوامی: قتل کیوں کیا۔ یہی پوچھنا چاہتے ہو نا؟

سنجے: ہاں، آپ بُرا تو نہیں مان گئے؟

سوامی: ارے نہیں۔ سچّی بات چھپانے سے تھوڑے ہی چھپ جاتی ہے۔ میں نے اپنی بیوی کا قتل کیا۔ اس کو دوائی کی بجائے زہر پلا دیا۔ (بہت زیادہ Emotional ہو کر) وہ بہت اچھی عورت تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی مجھے بچانے کی کوشش کی تھی، جھوٹ بولی تھی کہ زہر اُس نے خود پی لیا تھا۔ مگر اوپر والا سب دیکھ رہا تھا۔ اصلیت سامنے آ گئی اور مجھے سزا ہو گئی۔ خوش تھی کہ میری باہوں میں دم توڑ رہی ہے۔ اور اپنی مانگ میں سندور بھر کر دم توڑ رہی تھی۔ میرے اندر چھپا شیطان باہر آ چکا تھا۔ اور پھر میں نے اس کو اندر آنے نہیں دیا۔

جیلر: (گھبرایا ہوا) سوامی۔ سوامی۔

سوامی: کیا ہوا صاحب۔

جیلر: دھیرو کہیں نہیں مل رہا۔

سوامی: کیا؟

جیلر: ہاں۔ لگتا ہے وہ بھاگ گیا ہے۔

سنجے: What?، آپ کہاں جا رہے ہیں۔

جیلر: میں دھیرو کو پکڑ کر لاؤں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ میں آپ۔ آپ۔ ایس ایس پی صاحب کو Inform کردیں۔ شاید، شاید۔ مجھے Police Force کی ضرورت پڑے۔

سوامی: دھیرو۔ یہ تم نے کیا کیا۔ (روتا ہے) دھیرو۔ یہ تم نے کیا کیا!

سین-٦

ایس ایس پی: Oh my God گویا وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔

سنجے: جی ہاں۔

ایس ایس پی: میں نے جیلر صاحب کو بہت سمجھایا تھا مگر......

سنجے: کس نے سمجھایا۔ کون نہیں سمجھ سکا۔ یہ کاغذی باتیں ہیں۔

ایس ایس پی: یہ آپ کہہ رہے ہو؟

سنجے: جی ہاں۔ آج میں کہہ رہا ہوں، کل سب یہی کہیں گے۔

ایس ایس پی: دیکھیے یہ ایک تجربہ تھا۔

سنجے: (بات کاٹ کر) ایسے تجربے بہت مہنگے ہوتے ہیں ایس ایس پی صاحب! واہ یہ بھی کیا بات ہوئی۔ قیدیوں سے وہ کام کرواؤ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔

ایس ایس پی: وہ بات نہیں ہے۔ اس علاقے کو چھوڑ کر باقی سارے علاقے میں ہماری Police Force کام کر رہی ہے۔ ان کی Sincerity کو آپ نظر انداز نہیں کر سکتے۔

سنجے: دیکھیے میں یہاں کسی Commision کا ممبر بن کر نہیں آیا ہوں۔ ایک اخبار نویس بن کر آیا ہوں۔ حقیقت جاننے کی خاطر اور وہ جان گیا ہوں۔

ایس ایس پی: مسٹر سنجے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ Just a while back you were so nice -

سنجے: اب بھی Nice ہوں۔ کسی کو کاٹتا تو نہیں ہوں۔

ایس ایس پی: OK، آپ ناراض ہو رہے ہیں تو کوئی اور بات کریں۔

سنجے: دھیرو کی بات کیوں نہیں۔ ایک قاتل کی بات کیوں نہیں۔ ایک مجرم کی بات کیوں نہیں جو سنٹرل جیل میں رہ کر بھی شیر کی طرح گرجتا رہتا تھا۔ جیلر، جج، وکیل، اُدھر وہ افسروں کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔ اُس خطرناک مجرم کی بات کیوں نہ کریں جو اپنے

کزن کو جان سے مار ڈالنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔

ایس ایس پی: مسٹر سنجے آپ کا غصہ جائز ہے۔ میں آپ کی پریشانی سمجھتا ہوں۔ دراصل ہمیں ایسے تجربے کرنے نہیں چاہئیں۔ پھر بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیلر صاحب خود مشن کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ مجرم پکڑا جائے گا۔ وہ بچ کر جائے گا بھی کہاں۔ آس پاس پانی ہے۔ سڑکیں کٹ چکی ہیں۔

سنجے: ہونہہ۔ میری مانیے تو فوراً باقی قیدیوں کو واپس سنٹرل جیل بھجوا دیں۔ بہت ڈرامہ ہو چکا ہے۔ بس کیجیے، بس کیجیے۔

(وائرلیس سگنل)

ایس ایس پی: Hallo-Hallo۔ Yes Chaki کیا؟ سن رہا ہوں۔ ہاں، ہاں۔ I must get latest report۔ میں نے انسپکٹر گپتا کو Message بھیج دیا ہے۔ دس اور سپاہی بھیج رہا ہوں۔

سنجے: کچھ پتا چلا۔

ایس ایس پی: Relex Mr. Sanjay ۔ مانا کہ ہمارا تجربہ ناکامیاب ہوا۔ اب اتنا Panic بھی مت Create کریں۔

سنجے: میں نے سوال پوچھا ہے۔ جواب دیجیے۔

ایس ایس پی: جیلر صاحب نے دھیرو کو کہیں Spot تو کیا ہے مگر ابھی تک گرفتار نہیں کیا ہے۔

سنجے: ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں۔ اس سے اچھا تھا کہ میں آس پاس کے گاؤں میں Relief کی Story لکھ ڈالتا۔ آپ کو مجرموں نے بے وقوف بنایا اور آپ نے دنیا کو بے وقوف بنا دیا۔ ہونہہ۔

سپاہی-۱: صاحب موقعۂ واردات سے ایک قیدی آیا ہے۔

ایس ایس پی: قیدی۔ اور یہاں۔ اندر لے آؤ۔

سنجے: اوہ۔ سوامی جی۔

سوامی: صاحب سارا قصور میرا ہے۔ مجھے سزا دو۔

ایس ایس پی: سزا تو آپ نے ہمیں دی ہے۔ معلوم نہیں میں بھی کیسے تم لوگوں کی باتوں میں آ گیا۔ سپاہی۔ انسپکٹر گپتا کو کہو تمام قیدیوں کو اپنے کیمپ میں لے جائے۔

سنجے: ہاں۔ اس سے پہلے کہ باقی لوگ بھی بھاگ جائیں۔ Action لو۔

سوامی: میں نے بھاگ جانا ہوتا تو یہاں کیوں آتا۔

ایس ایس پی: تمھاری بات کون کرتا ہے۔ کاش باقی لوگ بھی تمھارے جیسے ہوتے۔ شاید ایسی مشکل پیش نہیں آتی۔ (بڑبڑا کر) جیلر نے ڈبو دیا ہم سب کو۔

سنجے: سستی شہرت حاصل کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

سوامی: جیلر صاحب دیوتا ہیں۔ بھگوان کرشن کا اوتار ہیں۔ وہ راکھشس کو پکڑ لیں گے۔ ضرور پکڑ لیں گے۔ یہ میرا دل کہتا ہے۔ ہاں۔ یہ میرا دل کہتا ہے۔ سچ کی جیت ہوگی۔ جھوٹ کا منہ کالا ہوگا۔ (زور زور سے چلّاتا ہے) دھیرو تیرا منہ بھی کالا ہوگا۔ تو چنڈال ہے! تو وشواس گھاتی ہے!! دھیرو!!!

سین۔۷

سپاہی-۱: سوامی جی۔ آپ اس علاقے کے رہنے والو ہو۔ بتا سکتے ہو کہ دھیرو بھاگنے میں کامیاب ہوگا؟

سوامی: جھوٹ اندھیرا ہے جو سچّائی کے پرکاش سے ختم ہوجاتا ہے۔

سپاہی-۲: مطلب۔

سوامی: دھیرو اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ پکڑا جائے گا۔ ارے ہاں آپ لوگ مجھے ہتھکڑی کیوں نہیں پہنا دیتے۔

سپاہی-۱: ضرورت نہیں۔ کیا دھیرو دریا پار کر سکے گا۔

سوامی: پاپی کا وزن بہت بھاری ہوتا ہے۔ نہ وہ تیر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کو تار سکتا ہے۔ وہ پتھر کی طرح ڈوب جاتا ہے۔ پانی کی ہر تہہ کاٹ کاٹ کر، اپنے گناہوں کا حساب دے دے کر۔

سپاہی-۲: میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ ایس ایس پی صاحب جیلر کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ بہت سخت افسر ہیں۔

سپاہی-۱: اور مجھے لگتا ہے وہ اخبار والا ایس ایس پی کو نہیں چھوڑنے والا۔

سوامی: آؤ بھجن کریں۔ پربھو سے پرارتھنا کریں۔

سپاہی-۲: یہ بھجن کرنے کا وقت نہیں ہے۔ مجرم کا فرار ہونا ایک سنگین جرم ہے۔ جیلر کو سزا ہو سکتی ہے۔

سوامی: ایسا مت کہو۔

سپاہی-۱: ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔ خبر ملی ہے کہ اب نہ دھیرو مل رہا ہے اور نہ جیلر صاحب۔ (طنزاً) کہیں یہ ملی بھگت تو نہیں ہے (قہقہہ)۔

سوامی: ایسا مت کہو۔ بھگوان جانے جیلر صاحب کہاں ہوں گے اور کس حال میں ہوں گے۔

سین۔۸

جیلر: (آوازیں دے رہا ہے) دھیرو۔ دھیرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم آس پاس کہیں چھپے بیٹھے ہو۔ سامنے آؤ ورنہ میں تمھیں دیکھتے ہی گولی مار دوں گا۔ (غصّے سے چلّا کر) دھیرو۔!۔ دھیرو!! (خود کلامی) کہاں غائب ہوگیا کم بخت۔ آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ (آوازیں)

دھیرو۔ دھیرو۔ دھیرو تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ کیوں اپنی جان کے دشمن بن گئے ہو! جہاں بھی ہو سامنے آؤ۔ دھیرو۔ (خود کلامی) اُف لگتا ہے ہم بہت دُور نکل آئے ہیں۔ وہ — وہ مکان — ہاں — یہی بھیشم سنگھ کا مکان ہے — مجھے وہاں جانا چاہیے — لیکن کیسے جاؤں — کہیں دلدل میں پھنس گیا تو — کچھ بھی ہو — مجھے وہاں جانا ہوگا۔ شاید دھیرو وہاں چھپا بیٹھا ہوگا۔ (چند میوزیکل اِفیکٹس جس سے Suspense کا تاثّر پیدا ہو)۔

سین-۹

دھیرو: (قہقہہ) وہی گھر — وہی سامان — مگر یہاں کوئی بھی انسان نہیں۔ (قہقہہ) کون ہوگا —؟ — کوئی نہیں — ! (قہقہہ) ہاں۔ یہی وہ الماری ہے جس میں دادا جی نے وصیت کے کاغذات رکھے تھے۔ (کچھ توڑ پھوڑ کی آواز) ہاں یہ رہے وہ کاغذات — ہونہہ — دادا جی نے ساری جائداد ارجن کے نام کر دی — (قہقہہ) لو۔ مل گئی اس کو جائداد۔ (قہقہہ) کاغذ کے ٹکڑے بن کر (قہقہہ)۔ یہ کیا۔ دادا جی کی تصویر — لگتا ہے پچھلے دو سال میں کچھ بھی نہیں بدلا۔ اب یہ حویلی میری ہے۔ یہ زمین جائداد میری ہے لیکن — لیکن ارجن زندہ بچ نکلا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ — (قہقہہ) مر گیا ہو گا۔ اور کیچڑ یا پانی کا کفن اوڑھ کر دفن ہو چکا ہوگا۔ (قہقہہ)

جیلر: (سرگوشیانہ لہجے میں) او۔ تو دھیرو یہاں ہے۔ مجھے اس کو للکارنا چاہیے۔ نہیں اگر وہ پھر بھاگ نکلا تو — کیوں نہ اس کی ٹانگ پر فائر کروں۔ نہیں، نہیں۔ اس کے ہاتھ میں کلہاڑی ہے۔ کہیں واپس حملہ کر دیا تو۔ میرے خیال میں مجھے نہایت پھرتی اور چالاکی سے کام لینا چاہیے۔ ہاں اُس کو یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔

دھیرو: (قہقہہ) تو یہ رہا ارجن کا کمرہ۔ دادا جی کا لاڈلا پوتا ارجن۔ (قہقہہ) وہ مجھے دریودھن سمجھتا رہا۔ مجھ سے نفرت کرتا رہا۔ (قہقہہ) آج یہاں ہوتا تو۔

ارجن: پانی، پانی۔!

دھیرو: کون، کون ہے۔

ارجن: میں ہوں، ارجن۔

دھیرو: ارجن تم۔

ارجن: ہاں بھیا۔ اچھا کیا جو تم یہاں آ گئے۔ اب میں تمھاری گود میں سر رکھ کر مر جاؤں گا۔

دھیرو: (طنز اُغصّے سے) ہاں۔ میں بھی کچھ ایسے ہی سوچ رہا ہوں۔

ارجن: گلا خشک ہو رہا ہے۔ پانی پلا دو۔

دھیرو: تم بھاگے نہیں۔

ارجن: بھاگنا تو چاہتا تھا، مگر۔

دھیرو: ہاں۔ کیسے بھاگ جاتے۔ تمھاری ٹانگیں میں نے کاٹ دی تھیں۔

ارجن: بھول جاؤ اس کہانی کو۔

دھیرو: کیسے بھول جاؤں کہ میں نے کلہاڑا تمھارے سر پر مارا تھا۔ مجھے کیا معلوم وہاں تمھاری ٹانگیں ہیں۔

ارجن: دھیرو میری زبان پھٹ رہی ہے۔ دو گھونٹ پانی پلا دو۔ بعد میں چاہو تو مار ڈالو۔

دھیرو: چل تو بھی کیا یاد کرے گا۔ لے پی لے پانی۔ ارے۔ یہ کیا تمھارا جسم بخار سے جھلس رہا ہے۔

ارجن: جب سیلاب آیا میں تب بھی بیمار تھا۔

دھیرو: اور کوئی نہیں تھا گھر میں۔

ارجن: کون ہو سکتا تھا۔ نوکر تھا وہ اپنے بیوی بچّے لے کر بھاگ گیا۔

دھیرو: ٹھیک کیا انھوں نے۔ اب تیرا کیا ہوگا؟

ارجن: جو بھگوان کی مرضی۔ اب تو آیا ہے۔ میں شانتی سے مر سکوں گا۔

دھیرو: شانتی سے مرنا چاہتے ہو۔

ارجن: ہاں۔

دھیرو: (قہقہہ) تو مجھے دیکھ کر ڈر گیا ہے۔ اس لیے ایسی باتیں کر رہا ہے۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ تمھیں جان بہت پیاری ہے۔

ارجن: یہ بھی کیا جینا ہے۔ دھیرو میرے بھائی۔ میں تمھاری گود میں سر رکھ کر سونا چاہتا ہوں۔ واہ، واہ، لگتا ہے آج میری ماں میرے سامنے ہے، اور کہہ رہی ہے اے ارجن۔ دیکھ تیرا بھائی آیا ہے۔ تمھیں کاندھا دینے کے لیے۔ اور میرے پاس لانے کے لیے۔ تم۔ تم مجھے کیوں اٹھا رہے ہو۔ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟

جیلر: دھیرو۔ رُک جاؤ۔ کہاں جا رہے ہو؟ اس معذور کو کندھے پر اُٹھا کر کہاں جا رہے ہو۔ دھیرو۔ دھیرو۔ دھیرو رُک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ (خود کلامی) نہیں نہیں۔ گولی ماردی تو ارجن بھی زخمی ہو سکتا ہے۔ اب کیا کروں۔ (آوازیں) دھیرو، دھیرو۔ رُک جاؤ، رُک جاؤ۔

سین۔ ۱۰

سنجے: کوشش جاری ہے۔ چاروں طرف ناکہ بندی کی گئی ہے اور دھیرو پکڑا جائے گا۔ (ہنسی) اس کے علاوہ کچھ اور کہنا چاہیں گے آپ؟

ایس ایس پی: مسٹر سنجے۔ آپ کچھ زیادہ ہی Critical نہیں ہیں؟

سنجے: میں اپنی آنکھیں بند بھی تو نہیں کرسکتا۔ جو Criminal پکڑا نہیں جاتا وہ Terrorist بن جاتا ہے اور مجھے اُسی بات کا ڈر ہے۔

ایس ایس پی: ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

سنجے: (قہقہہ) یہ آپ کا سرکاری Approach ہے اور سرکاری باتیں، یہ ہوگا، وہ نہیں ہوگا، لیجیے ہم آپ کو بتادیں کہ کیا کچھ ہو چکا ہے۔

ایس ایس پی: مطلب۔

سنجے: ہماری اطلاع کے مطابق جیلر صاحب نے دھیرو کو تلاش کرلیا ہے۔

ایس ایس پی: That is fine, a very good news۔

سنجے: یہ آدھی خبر ہے۔

ایس ایس پی: پوری خبر کیا ہے۔

سنجے: دھیرو ارجن کو اٹھالے گیا ہے۔

ایس ایس پی: ارجن کون۔

سنجے: یہ سب جیلر صاحب کے سامنے ہوا اور جیلر صاحب نے اس کو نہ روکا نہ ٹوکا اور نہ بھاگتے ہوئے مجرم پر گولی ہی چلائی۔

ایس ایس پی: یہ اطلاع کس نے دی؟

سنجے: آپ کے پولیس والوں نے۔

ایس ایس پی: کیا؟

سنجے: جی، ہاں۔

سین - ۱۱

سپاہی - ۱: میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا جناب۔

ایس ایس پی: کیا۔

سپاہی - ۱: دھیرو ایک پاگل ہاتھی کی طرح بھاگ رہا تھا اور جیلر صاحب اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

ایس ایس پی: یہ کیسے جان گئے آپ کہ جیلر صاحب اس کو روکنا نہیں چاہتے تھے۔

سپاہی - ۲: جناب وہ چاہتے تو روک سکتے تھے۔ فائر کرسکتے تھے۔ دونوں بہت Close Range میں تھے۔

ایس ایس پی: تم لوگ دھیرو کے بارے میں کچھ اور جانتے ہو۔

سپاہی-۱: بہت زیادہ نہیں صاحب۔

ایس ایس پی: کچھ کہہ بھی چکو۔

سپاہی-۲: صاحب دھیرو ٹھاکر بھیشم سنگھ کے بڑے بیٹے کا اکلوتا بیٹا ہے۔

سپاہی-۱: اس کے ماں باپ دس سال پہلے ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکے ہیں۔

سپاہی-۲: والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو دھیرو بُری صحبت میں پڑ گیا۔

سپاہی-۱: روز لڑائی جھگڑے۔ کورٹ کچہری۔ ٹھاکر صاحب تنگ آ چکے تھے۔ سو جائیداد سے بے دخل کر دیا تھا۔

سپاہی-۲: اور پھر دھیرو نے ایک رات کلہاڑے سے سب کو مار ڈالا۔

ایس ایس پی: یہ سب میں جانتا ہوں۔ یہ بتاؤ کیا دھیرو کے کچھ Links تھے۔

سپاہی-۱: ان لوگوں کے Links بن جاتے ہیں صاحب۔ بچ نکلا تو اور جائے گا کہاں۔ ان لوگوں کے سوا اور کون Shelter دے گا۔ (جیپ کی آواز)

ایس ایس پی: دیکھو تو کون ہے۔

سپاہی-۱: تحصیلدار صاحب کی جیپ ہے۔ پاس والے Camp میں Relief دینے جا رہے ہیں۔

ایس ایس پی: ٹھیک ہے۔

سپاہی-۲: چائے لے آؤں۔

ایس ایس پی: (غصے سے) جی نہیں۔ وائرلیس سیٹ لے آیئے۔

سین-۱۲

(شور وغل کی آوازیں)

سنجے: ڈاکٹر صاحب یہ شور کیسا ہے۔

ڈاکٹر: Flood Sufferers کو Relief مل رہی ہے نا، اسی لیے۔

سنجے: نہیں، کوئی اور بات ہے۔ دیکھیں تو ذرا۔ ارے یہ کیا؟

ڈاکٹر: کیا ہوا۔

سنجے: کوئی کسی کو کندھے پر اُٹھا کر یہاں لا رہا ہے اور پولیس والے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔

(گولی چلنے کی آواز)

ڈاکٹر: کسی نے گولی چلا دی ہے۔

سنجے: کسی اور نے نہیں۔ ایس ایس پی صاحب نے گولی چلائی ہے۔

ڈاکٹر: لگتا ہے یہ شخص دھیرو ہوگا۔

سنجے: ہاں مجھے بھی ویسا ہی نظر آ رہا ہے۔ ہاں ہاں وہی ہوگا۔ وہ دیکھو جیلر صاحب بھی ہانپتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

ڈاکٹر: لیکن دھیرو ہماری طرف ہی آ رہا ہے۔

سنجے: اب ڈر کیوں رہے ہو؟

ڈاکٹر: ان مجرموں کا کیا بھروسہ۔

دھیرو: (آوازیں دے کر) ڈاکٹر کہاں ہے؟ ارے میں پوچھ رہا ہوں ڈاکٹر کہاں ہے؟ سب بہرے ہو کیا؟

ایس ایس پی: گولی لگ گئی ہے اس لیے تلملا رہا ہے۔ اب تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔

دھیرو: صاحب میں بچ کر نکلنا بھی نہیں چاہتا۔

ایس ایس پی: ارجن کو آزاد کر دو ورنہ اس بار گولی پاؤں پر نہیں بلکہ سینے پر داغ دوں گا۔

دھیرو: (نہایت جذباتی لہجے میں) ارجن بے ہوش ہے صاحب۔ ارجن بیمار ہے صاحب۔ بخار سے جھلس رہا ہے صاحب، اس کو بچا لو صاحب۔ یہ میرا بھائی ہے، یہ مر گیا تو ہمارا ونش ختم ہو جائے گا صاحب۔

ڈاکٹر: یہاں لٹا دو۔ ارے ہاں۔ یہ بہت بیمار ہے۔

دھیرو: اس کو ٹھیک کر دو صاحب (رو پڑتا ہے)۔

ڈاکٹر: دھیرو تمھارے پاؤں سے خون بہہ رہا ہے۔ بیٹھ جاؤ میں دیکھ لوں گا۔

دھیرو: میری فکر مت کرو ڈاکٹر صاحب۔ میں مر جاؤں تو اچھا ہے۔ میرے جیسے لوگ اس دھرتی پر بوجھ ہیں۔ ارجن کو ٹھیک کرو صاحب۔

ایس ایس پی: مسٹر سنجے ہم نے دھیرو کو پکڑ لیا (ہنسی)

سنجے: I am glad۔ ویسے آج کل کے مجرم اداکاری کرنے میں ماہر ہیں۔ ہے نا؟

ایس ایس پی: لیکن ہم بھی تو اپنے کام میں ماہر ہیں (طنزاً) آیئے، آیئے جیلر صاحب!

سنجے: Congratulation جیلر صاحب۔

جیلر: کس بات کے لیے۔

سنجے: ارے ایک مفرور مجرم کو پکڑنے کے لیے۔

ایس ایس پی: اور وہ بھی اس ڈرامائی انداز میں۔ آیئے ایک ایک کپ چائے پی لیں۔

جیلر: نہیں، میں دھیرو کو دیکھ آؤں۔

ایس ایس پی: کیوں، اب وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ بہت ہو چکا ہے۔ ان قیدیوں کو واپس لے جانے کا انتظام کریں۔

جیلر: ہاں، اب ایسا ہی ہوگا۔

سنجے: (قہقہہ) ہاں ورنہ لوگ کہیں گے جیلر صاحب کوئی نیا ڈراما لکھنے والے ہیں۔

جیلر: اگر میں لیکھک ہوتا تو ضرور لکھتا۔

ایس ایس پی: اپنی آپ بیتی۔ (قہقہہ) جیلر صاحب شکر کرو، ہم سب کی عزّت بچ گئی۔ اگر دھیرو بھاگ جانے میں کامیاب ہوجاتا تو۔

جیلر: وہ بھاگنا چاہتا تو بھاگ گیا ہوتا۔

سنجے: کیا مطلب؟

جیلر: ہاں، وہ بھاگنا چاہتا تو ہم سب کو چکمہ دے کر یہاں اس Relief Camp میں آنے کی بجائے اس طرف چلا جاتا۔

ایس ایس پی: یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

جیلر: جی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ دھیرو ارجن کو مارنا نہیں چاہتا ہے۔

سنجے: یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ طنزاً) جناب جیلر صاحب۔

جیلر: دھیرو ارجن کے خون کا پیاسا تھا مگر مارنا چاہتا تو اس کو کہیں پھینک کر آسانی سے بھاگ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے دھیرو پر گولی نہیں چلائی۔

سنجے: گویا وہ سب ڈراما نہیں تھا۔ دھیرو واقعی ارجن کا علاج کروانا چاہتا ہے۔

ایس ایس پی: Yes I also have the same feelings now۔

سنجے: گویا اب آپ لوگوں کے پاس ایک اور سوامی آ گیا ہے۔

جیلر: یہ انسان بھی کیا چیز ہے۔ کبھی راکھشس اور کبھی دیوتا۔

ایس ایس پی: کبھی لٹیرا والمیکی اور کبھی سنت والمیکی۔

ڈاکٹر: ارجن کی حالت خراب ہے۔ اس کو شہر پہنچانا ہوگا۔

جیلر: What about Dheeru?

ڈاکٹر: گولی چھو کر نکلی ہے۔ آپ کی مرضی ہے۔ چاہے یہاں رکھیں یا شہر لے جائیں۔ ارے ہاں دھیرو نے یہ ایک نوٹ لکھ کر دیا ہے۔

جیلر: کیا ہے۔

(شور کی آواز)

ایس ایس پی: یہ شور کیسا ہے؟

سنجے: دھیرو پھر تو نہیں بھاگ گیا؟

سپاہی: سر یہ لوگ Relief کے لیے لڑ رہے ہیں۔

ایس ایس پی: بار بار ایسا ہوتا رہا تو Law and order کی Problem ہو سکتی ہے۔

سپاہی: سر، Problem ہو رہی ہے۔

سنجے: دراصل سرکار نے سیلاب میں فوت ہونے والوں کے نزدیک ترین رشتہ داروں کو پچیس پچیس ہزار روپے دینے کا اعلان کیا ہے اسی لیے ہنگامے ہو رہے ہیں۔

ایس ایس پی: گویا یہ Tragedy بھی Commercial ہو گئی۔

سنجے: یہ دھیرو کو معلوم نہیں ہے ورنہ شاید ارجن کو مار کر اس کا Compensation مانگ لیتا۔ میرا مطلب ہے یہ بھی ہو سکتا ہے۔

جیلر: نہیں، وہ بات نہیں ہے۔ یہ دیکھیے۔ اس نے اس نوٹ میں یہ لکھا ہے کہ اس کی جائداد کا وارث ارجن ہو گا۔ لگتا ہے دھیرو کے اندر بیٹھا جانور مر چکا ہے۔

(شور وغل کی نمایاں آواز)

ایس ایس پی: میرے خیال میں دیکھ ہی آئیں۔

سین ۔ ۱۳

(شور وغل کی آوازیں)

تحصیلدار: آپ بیٹھ جائیے۔ مجھے جانچ پڑتال کرنے دیجیے۔ اگر کوئی رہ گیا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی۔

سوامی: کیا وجہ ہو گی۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ ہمیں تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو ہم سب پر قہرِ خدا ٹوٹ پڑا ہے۔ کیا اب ہم کو قہرِ آدم کا شکار بھی ہونا پڑے گا۔

سنجے: ارے یہ سوامی کیوں لڑ رہا ہے۔

جیلر: سوامی، کیا بات ہے۔ پہلی بار آپ کو غصّے میں دیکھ رہا ہوں۔

سوامی: چندن کو آہستہ آہستہ پتھر پر رگڑو تو ماتھے پر لگایا جاتا ہے مگر جب چندن کو کسی سخت چیز سے ٹکراؤ تو چنگاریاں نکلتی ہیں۔

سنجے: واہ۔ کیا Symbolic بات کی ہے لیکن اصلی بات کیا ہے؟

تحصیلدار: میں بتاتا ہوں۔ اس شخص کے کچھ رشتے دار اس علاقے میں رہتے تھے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ بھی سیلاب کی زد میں آ کر مر چکے ہیں۔ لیکن ان کا نام یہاں درج نہیں۔ اور نہ ان کی لاشیں ہی ملی ہیں۔

ایس ایس پی: یہ جاننے کے لیے آپ سے کیوں اُلجھ رہا ہے۔

تحصیلدار: کیونکہ ہر مرنے والے کا پچیس ہزار روپے Compensation ملتا ہے اور یہ اپنے دس رشتے داروں کے Compensation کا Claim مانگ رہے ہیں۔

جیلر: What?

تحصیلدار: میرا Staff یہاں نہ ہوتا تو شاید یہ شخص مجھے جان سے مار ڈالتا۔

سنجے: کیا؟

سوامی: اپنا حق مانگنا کیا کوئی جرم ہے۔

ایس ایس پی: سوامی۔ تمھارا اصلی نام کیا ہے؟

سوامی: سوامی۔

جیلر: بس کرو سوامی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ پچھتاوے کی آگ نے تمھارے اندر چھپے شیطان کو راکھ کر دیا ہے۔ لیکن نہیں، اس راکھ کے نیچے شعلے ہیں۔

تحصیلدار: انسان گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے، خصلت نہیں۔ یہ شخص جن کا Compensation مانگ رہا ہے ان میں اس کی مقتولہ بیوی کے باپ کا نام بھی ہے۔

سنجے: واہ بیوی کا انشورنس نہیں مل سکا تو سسر کی لاش کی قیمت ہی سہی۔

جیلر: سوامی تم کیسے انسان ہو؟

OO

زمین جل رہی ہے!
آسمان پگھل رہا ہے!!

اہم کردار

(۱) بوڑھا ایک سفید پوش درویش۔ لمبی داڑھی، لمبے بال۔ (دونوں دائیں طرف کالے رنگ کے بائیں سفید) یہ کردار وقت کی علامت ہے۔

(۲) ایک بوڑھی عورت: (زندگی کی علامت) عمر ۷۰ سال، سفید پیرہن میں مختلف رنگوں کے پیوند لگے ہیں۔

(۳) آشا: عمر ۱۶ یا ۱۷ سال۔ ایک اندھی لڑکی جو تذبذب اور تجسس کی شکار ہے، اور یہ کردار وقتِ رواں اور مستقبل کی علامت ہے۔

(۴) اور (۵) یہ دو کردار مختلف منظروں میں مختلف گیٹ اپ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر مختلف صدیوں کے واقعات بیان کرتے رہیں گے یعنی کبھی بادشاہ، کبھی جنگ جو، کبھی سفیر وغیرہ۔

الف: ان کرداروں کے علاوہ جب بھی بوڑھا داستان سناتا رہے گا چند مرد عورتیں بچے اس کے اِرد گرد دُبک کر بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے۔ سبھی خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے سے چپک جاتے اور ان کے تاثرات کا گاہے بگاہے تب مظاہرہ ہوگا جب وہ ڈراؤنے دھماکوں کی آوازیں سنتے رہیں گے اور اسٹیج پر لال رنگ چھا جائے گا۔ پھر یہ ضروری ہے کہ وہ کچھ گورے کچھ کالے ہوں، خدوخال مشرقی بھی ہوں اور مغربی بھی ہوں۔ کچھ آرین، کچھ منگولی، کچھ افریقی۔ یعنی دنیا کے انسانوں کی علامتی شناخت۔ مکالموں کی بجائے ان کی Action Reaction کے ساتھ ایک موسیقی اُبھر کر پھر Fade Out ہوتی جائے گی۔

ب: ان کرداروں کے علاوہ گاہے بگاہے چند بچے مختلف جانوروں کے Mask پہن کر دبے پاؤں آتے جاتے رہیں گے اور پھر رفتہ رفتہ بوڑھے کے اِرد گرد بیٹھ جائیں گے۔ شیر کا نقاب پہنے ہوئے بچہ بکری کا نقاب پہنے ہوئے بچّہ ایک دوسرے کے ساتھ چپک کر بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے۔

ضروری نوٹ: یہ ڈرامہ اگر ٹیلی ویژن پر پیش کیا جائے تو لڑائیوں کے و دیگر اہم مناظر دکھائے جا سکتے ہیں جبکہ اسٹیج پر ایسے مناظر Light and Sound یا کسی جدید تھیٹریکل شکل میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

آغاز

ایک گھپ اندھیرے کمرے کے ایک کونے میں بوڑھا عبادت کر رہا ہے۔ پس منظر میں پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں۔ بچوں کے کھیلنے کودنے کی آواز۔ اور ہنسنے کی نمایاں آوازیں۔ اور اِن پر اور لیپ کرتی ہوئی وینا کی نمایاں آواز۔ اس آواز کی Multiple گونج۔ آشا وینا بجا رہی ہے۔ وینا کی آواز کے ساتھ بوڑھا منتر پڑھ کر ایک گول شکل کے گملے میں اُگے ایک پودے کو پانی دے رہا ہے۔

سین-۱

آشا: وینا کے ساتھ یہ جل ترنگ کون بجا رہا ہے؟ بارش ہو رہی ہے کیا؟

بوڑھی عورت: نہیں تو! (بے ساختہ ہنسی) تمھارے بابا ایک نئے پودے کو پانی دے رہے ہیں۔

آشا: پودوں کو بھی پیاس لگ جاتی ہے کیا؟

بوڑھی عورت: (ہنسی) بچّے دودھ پی لیتے ہیں۔ پودے پانی پی لیتے ہیں اور پھر جب درخت بن جاتے ہیں تب خود زمین کی نچلی تہوں سے اپنی جڑوں کے ذریعے پانی چوس چوس کر نشوونما حاصل کر لیتے ہیں۔

آشا: (معصوم انداز میں) اگر پاتال میں رہنے والا کوئی راکھشس سارا پانی چوس گیا تو؟ دیکھ سکوں گا۔ پھول دیکھ سکوں گا۔ گلستاں دیکھ سکوں گا۔

بابا: یہ سب تم میری آنکھوں سے دیکھو نا بیٹی۔ (بوڑھا کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ یوں دیکھنے لگتا ہے جیسے کھڑکی سے جھانک کر کچھ دیکھ کر اندھی لڑکی کو آنکھوں دیکھا حال سُنا رہا ہو۔ بوڑھیا بھی بوڑھے کے قریب آ جاتی ہے)

بابا: ہمارے گھر کے سامنے جو جھیل ہے وہاں ایک ناگ رہتا ہے۔

عورت: اُس ناگ کا نام کالی ناگ ہے۔ اس کے کئی سر ہیں۔ کالی ناگ کی گود میں لکشمی نرائن کا سنگھاسن ہے۔ نرائن کے پیٹ سے ایک پھول نکلا ہے۔

بابا: کمل کا پھول، اور جانتی ہو اس کمل کے پھول میں کون بیٹھا ہے؟

لڑکی: مجھے کیا معلوم۔ میں تو دیکھ ہی نہیں سکتی۔ تم بتاؤ نا؟

بابا: برہما۔

لڑکی: وہ کون ہے؟

بابا: بھگوان پرم ایشور ہے۔ اور اس کے تین رُوپ ہیں۔ برہما، وشنو اور مہیش۔

عورت: مہیش یعنی بھگوان شنکر۔

لڑکی: کیسے لگتے ہیں یہ تینوں؟

بابا: بہت سندر۔

عورت: اتنے ہی سندر جتنے میرے باغ کے پھول ہیں۔

(اچانک ایک دھماکہ ہوتا ہے۔لگتا ہے جیسے کوئی بھونچال آ گیا ہو۔عورت اندھی لڑکی کو سنبھال کر خود ڈگمگانے لگتی ہے۔ بوڑھا بھی حیران پریشان ہے اور ڈگمگا رہا ہے۔اچانک اسٹیج پر لال رنگ کی روشنی پھیل جاتی ہے اور تینوں اسٹیج پر یوں اُچھلتے ہیں گویا اِرد گرد پھیلی آگ سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اندھی لڑکی آوازیں دیتے جارہی ہے۔ بابا! بابا!۔ ماں، ماں! اسٹیج پر پھیلی لال روشنی اور بھی Prominent ہو جاتی ہے اور اس روشنی میں تینوں کے دہشت زدہ چہرے نظر آرہے ہیں۔ اچانک ان کے سامنے لال کپڑے پہنے ہوئے بھیانک شکل کا ایک راکھشس نمودار ہوتا ہے۔اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے ہاتھ ہیں انسان کی کھوپڑی۔ وہ اسٹیج پر ناچ رہا ہے۔ گویا قتلِ عام کر رہا ہو۔اس کے چہرے پر دہشت کے تاثرات ہیں اور اسٹیج پر موجود عورت، اندھی لڑکی اور بوڑھے دہشت زدہ ہیں۔ بیک گراؤنڈ ایک ایسی موسیقی جس سے تباہی و بربادی، چیخ و پکار، آگ، جنگ وغیرہ کی عکاسی ہو سکے۔ یہ راکھشس بار بار تینوں پر وار کرنے کی کوشش کرتا رہے گا جبکہ تینوں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور آخر وہ گر پڑیں گے۔مگر وہ اُٹھ کر بھاگ جائیں گے۔ راکھشس ان کا پیچھا کرے گا۔اچانک آندھی اور طوفان کے ساتھ ساتھ اسٹیج پر لال روشنی کی بجائے نیلے رنگ کی روشنی پھیل جائے گی۔ بجلیاں کڑکنے کی آواز اور عورت، بوڑھا اور اندھی لڑکی اسٹیج پر یوں دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے گویا کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہو۔ وہ بار بار گر رہے ہیں اور بار بار اُٹھ کر پھر دوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہانپتے ہوئے وہ تینوں اسٹیج کے ایک کونے میں یوں بیٹھ جاتے ہیں گویا وہ کہیں چھپ کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔مگر تینوں گھبرائے ہوئے ہیں۔ وحشت زدہ ہیں۔

لڑکی: بابا، ہم کہاں ہیں؟

بابا: نیچے دھرتی ہے اور اوپر آکاش۔

عورت: ہم گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں بیٹی۔لگتا ہے پھر سے پتّھروں کے گھروں میں رہنا پڑے گا۔

لڑکی: بابا زمین اتنی گرم کیوں ہے؟ ہواؤں میں اتنی تپش کیوں ہے؟

بابا: آسمان سے انگارے برس رہے ہیں۔

عورت: اور دھرتی پر آگ کا دریا بہہ رہا ہے۔

بابا: چلو سب چل کر پرارتھنا کریں۔

عورت: نہیں پوجا کریں گے۔

بابا: کہاں سے لائیں گے پوجا کے پھول؟ جھیل تو سوکھ گئی ہے۔ وہاں نہ کمل کے پھول ہیں اور نہ برہما کا آسن۔

لڑکی: اور لکشمی نارائن کا سنگھاسن؟

بابا: وہ بھی نہیں۔ لگتا ہے راکھشسوں نے دیوتاؤں کو ہرادیا ہے۔

(اچانک بوڑھیا چیخ پڑتی ہے۔ بوڑھا پلٹ کر دیکھتا ہے اور اندھی لڑکی کو سینے سے لگا کر کانپنے لگتا ہے)

لڑکی: کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ تم چپ کیوں ہو؟

بابا: وہ زمین سے اُڑ کر آسمان کی طرف گیا ہے۔ شاید ہمیں تلاش کر رہا ہے۔

لڑکی: لیکن کیوں۔؟ ہم نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟

بابا: ہاں۔ ہم نے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑا ہے۔ مگر کیا کریں۔

عورت: (بوکھلا کر) ارے اس کو انسانی خون پینے کی لت پڑ گئی ہے۔

لڑکی: تو کیا وہ ہمیں کھا جائے گا۔

بابا: ہے بھگوان! کیا مجھے پھر ایک بار وہی سب دیکھنا پڑے گا۔

لڑکی: وہ سب! وہ کیا بابا۔؟

بابا: ہرنا کشیپ کا ظلم اور پر ہلاد کی پریکشا! لیکن اس بار کہیں بھی کوئی پر ہلاد نظر نہیں آ رہا ہے۔ کہیں یہ پرلے تو نہیں؟ قیامت تو نہیں؟ اُف، کیا سرشٹی ختم ہو جائے گی۔؟ کیا بھگوان شنکر بھی ہمیں نہیں بچائیں گے۔ ہے شنکر بھگوان! پاپی ہم تین۔ وہ راکھشس ہیں جو تمھاری پوتر دھرتی پر خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔ پاپیوں کا وِناش کرو بھگوان۔ اور اپنے معصوم بھگتوں کو بچالو بھگوان!

(بوڑھے کی فریاد کے ساتھ ہی اچانک تینوں کے اوپر ایک ترشول کا سایہ نمودار ہوگا۔ اس سائے کی چند Movement کے ساتھ موسیقی شروع ہوگی۔ ایک جُگل بندی کی شکل میں Musical Effect کے ذریعے ہم...... Com کو ظاہر کریں گے جبکہ بوڑھے کے چہرے کے تاثرات سے ہم کبھی اس کا تذبذب اور کبھی Relif دکھادیں گے۔ چند ہی لمحات کے بعد بارش کا Sound Effect۔ تینوں نمسکار کر کے کھڑے ہو جائیں گے)۔

لڑکی: بابا! میرے پاؤں جھیل میں ہیں یا سمندر میں؟

عورت: نہیں، بارش ہو رہی ہے۔ اِرد گرد پانی ہی پانی ہے۔

لڑکی: جبھی تو دھرتی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔

عورت: اور سوکھی شاخوں سے کونپلیں پھوٹنے لگی ہیں۔

بابا: چلو۔ پھر سے اپنا گھر سنسار بسائیں۔

(تینوں خوشی خوشی چل پڑتے ہیں اور پردہ گر جاتا ہے)

سین -۲

بوڑھے بابا کے اِردگرد بچے ہی بچے ہیں۔ ایک بچہ بندر کا نقاب پہن کر، خوب اُچھلتا ہے اور اس کو دیکھ کر باقی بچے ہنس پڑتے ہیں۔

بابا: (مسکرا کر) اُچھلنے دو۔ خوش ہو رہا ہوگا اپنے پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں کو دیکھ کر۔

آشا: وہ بھی یہاں آئے ہیں؟ جنگلوں کو چھوڑ کر۔

بابا: (آہ بھر کر) نہیں۔ نہیں!! سب گھر بلکہ گاؤں اور شہروں کو چھوڑ کر تمھاری ماں کے ساتھ یہاں آئے ہیں جنگلوں میں۔ اپنی جان بچانے کی خاطر۔ (مسکرا کر) انسان پہلے بندر ہی تو تھا۔

آشا: اچھا، اب سمجھ گئی۔ بابا! کاش میں دیکھ سکتی کہ انسان جب بندر تھا تو کیسا تھا۔ (آہ بھر کر) کیا تھا اور کیا ہو گیا ہے۔

(بوڑھی عورت کی Entry۔ وہ آشا کو ایک پھول دیتی ہے۔ آشا سونگھ کر خوش ہو جاتی ہے)

آشا: یہ پھول ہے نا؟

عورت: ہاں۔

آشا: یہ پھول بھی کیا پہلے بندر تھا؟

عورت: (بے ساختہ ہنسی) نہیں۔ یہ پہلے بیج تھا۔

آشا: بیج کیا ہوتا ہے؟

عورت: (بیج دے کر) ایسا ہوتا ہے۔ آؤ، میرے ساتھ۔

آشا: کہاں؟

عورت: میں نے زمین کھود لی ہے۔ تم یہ بیج اُس میں بوڑالو۔

آشا: بوڑالوں؟ مطلب؟

عورت: یہ دانے زمین میں ڈال دو۔

آشا: یہ مر نہیں جائیں گے کیا؟

عورت: نہیں۔ اری پگلی زمین ہماری ماں ہے۔ ہم سب کی، پودوں کی بھی۔ یہ دانے زمین کی کوکھ میں پودے بن جائیں گے اور پھر ایک درخت۔ پھل دار درخت۔ پھل دار درخت، سایہ دار درخت، ایک ایسا درخت جس کے نیچے بیٹھ کر صوفی سنت عبادت کریں گے۔

آشا: (خوش ہو کر) تب تو میں چلی۔ لیکن؟ اکیلی نہیں۔ (آواز دے کر) چلو بچو۔ بیج بولیں۔

(بچے آشا کے پیچھے پیچھے ہنستے ہوئے جاتے ہیں۔ اسٹیج پر بوڑھا اور بوڑھی عورت ہیں۔ بڑھیا وینا کے تار چھیڑتی ہے اور بوڑھا وینا کی آواز سن کر خوش ہو رہا ہے)

عورت: (بوڑھیا) کیا یہ بھی......تھی؟

بوڑھابابا: ہاں، یہ قیامت تھی۔

عورت: پھر بھگوان نے شیطان کو ننگا کیوں نہیں کیا؟ گنہگاروں کے چہروں سے گوشت کیوں نہیں اٹھایا؟

بوڑھابابا: میں نے شیطان کو ننگا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

عورت: شیطان کی شکل کیا ڈراونی تھی؟

بوڑھابابا: اس کا عمل بہت ڈراونا تھا۔ اس کے کرتب بہت بھیانک تھے، اور اس کے ارادے بہت ہی تباہ کن تھے۔ جو کچھ میں نے دیکھا بھگوان پھر کبھی وہ نہ دکھائے۔

عورت: کیا دیکھا، یہ تو بتاؤ۔ پھر میں بھی بتاؤں گی کہ میں نے کیا دیکھا۔

بوڑھابابا: خوف زدہ تو نہیں ہو جاؤ گی؟

عورت: نہیں۔

بابا: تو سنو۔ میں نے انسان کو راکھ کا کفن اوڑھ کر شعلوں میں دفن ہوتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سمندر میں گرتی ہوئی خون کی ندّیاں دیکھیں۔ سمندر کے پانی کو خون کے پھواروں کی طرف اُچھلتے ہوئے دیکھا۔ میں نے تپتے ہوئے صحرا میں تڑپتی ہوئی مچھلیاں دیکھیں۔ کھیتوں کو لاشوں کے نیچے سڑتے ہوئے دیکھا۔ یوں لگا جیسے راکھشس جاتی نے دیوتاؤں کو ختم کر دیا ہو۔ پھر امرت منتھن ہوا۔ ایک طرف دیوتا اور دوسری طرف راکھشس۔ زہر کا پیالہ بھگوان شنکر نے پی لیا اور دیوتاؤں کی جیت ہوگئی۔

عورت: مجھ سے نہیں پوچھو گے کہ میں نے کیا دیکھا؟

بابا: کیا دیکھا؟

عورت: میں نے نیلا آکاش دیکھا اور آکاش میں اُڑتا ہوئی ایک سفید رنگ کا کبوتر دیکھا۔ ایک باز اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کو دبوچ لیتا کسی دیوتا کے چلائے گئے تیر سے باز کے دونوں پَر کٹ گئے اور کبوتر میرے گھر میں آ گیا۔

بابا: (قہقہہ لگاتے ہوئے) تم اب کی بات کر رہی ہو اور میں ہزاروں سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔

عورت: بات تو ایک ہی ہے۔ صرف راکھشس اپنی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ ہے نا؟

بابا: ہاں، کبھی راون اور کبھی کنس۔

(ایک الاپ سنائی دیتا ہے۔ اندھی لڑکی دوڑ کر اسٹیج پر آتی ہے)

لڑکی: بابا! یہ کون گا رہا ہے۔ ماں تم گا رہی تھیں کیا؟

عورت: نہیں۔

(بوڑھا کھڑا ہو کر آس پاس دیکھتا ہے اور پھر رُک کر یوں بولتا ہے جیسے منظر دیکھ کر آنکھوں دیکھا حال سنا رہا ہو)

بوڑھا: ایک راج نرتکی شاہی دربار میں گا رہی ہے۔ راجا اپنی سالگرہ کا جشن منا رہا ہے اور دوسرا راجا اس کا مہمان ہے۔

لڑکی: چلو بابا ہم بھی ان کی خوشیوں میں شریک ہو جائیں۔

عورت: تو جاؤ میں کھیتوں میں پانی لگا لوں۔

(تینوں اسٹیج کے باہر چلے جاتے ہیں اور پردہ گر جاتا ہے)

سین-۳

(راجا کے دربار کا سیٹ۔ دو راجے شطرنج کھیل رہے ہیں اور بار بار سامنے یوں دیکھ رہے ہیں گویا سامنے رقص چل رہا ہے اور کوئی گا رہا ہے۔ وہ قہقہہ لگا رہے ہیں۔ گھنگھرو کی آواز اور گانا نمایاں طور پر سنائی دے رہا ہے۔ اسٹیج کے ایک کونے سے بوڑھا اور اندھی لڑکی نمودار ہوتے ہیں۔ وہ دونوں راجاؤں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں)

ایک راجا: رقاصہ خوب صورت ہے۔

دوسرا راجا: جبھی تو جیت کر لایا ہوں۔

پہلا راجا: میں کسی کو پسند کر لوں تو اُٹھا کر لے جاتا ہوں۔ ورنہ اس کا وستر ہرن کرتا ہوں۔ ضرورت پڑے تو جنگ بھی۔

دوسرا راجا: اس وقت ضرورت ہے وزیر کو بچانے کی۔ بچاؤ اپنا وزیر۔

پہلا راجا: لو بچ گیا، ویسے مجھے کسی کو بچانے کی بجائے مارنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ خون بہتا ہے تو میں بہت خوش ہوتا ہوں۔

دوسرا راجا: جن کو میں پسند نہیں کرتا ان کو میں کچل دیتا ہوں۔ اور جو پسند ہوں ان کو قتل نہیں کرتا۔ آپ کا گھوڑا پسند آیا ہے اس لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ مگر یہ گیا آپ کا وزیر۔ پھر!! کمزور ہے آپ کا وزیر۔ اور بادشاہ بے چارہ تو وزیر کے سہارے جی رہا ہے۔ ہے نا؟ (قہقہہ)

پہلا راجا: راجا نے وزیر کو بچا لیا۔ اب کچھ اندازہ ہوا اس کی طاقت کا؟

دوسرا راجا: راجا راجے نے پیادے کو قربان کر دیا۔

پہلا راجا: یہ کوئی معمولی پیادہ نہیں تھا۔ راج کا پیک تھا۔ راج نرتکی کا پتا۔ (طنزاً) بے چارہ۔ (قہقہہ) میں ایک تیر سے دو شکار کرتا ہوں، اور کرتا رہوں گے۔

دوسرا راجا : یہ بہادروں کا شیوانہیں۔ٹکر مقابلے کی ہونی چاہیے۔جیسے ارجن کے مقابلے میں کرن۔

پہلا راجا: مقابلہ ہوگا۔ضرور ہوگا۔اور اسی کے ساتھ یہ گیا آپ کا تاج۔میرا مطلب ہے آپ کا راج۔ نہیں، نہیں۔میرا مطلب ہے آپ کا راجا۔(قہقہہ)

دوسرا راجا: (بساط اُلٹ کر) شطرنج کی ایک بازی جیت کر اتنے مغرور ہوگئے۔توڑ دوں گا تمھاری انا کی اونچی اونچی دیواروں کو۔

پہلا راجا: میرے قلعے کی دیواریں ریت کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔مت دیکھو ان دیواروں کو۔سر پر رکھا تاج گر جائے گا۔(قہقہہ) جیسے، جیسے۔رام چندر کے تیر سے راون کا سر۔

دوسرا راجا: نظر جھکا کر بات کرو ورنہ ایسے گردن توڑ دوں گا جیسے بھیم سین نے کیچک کی کمر توڑی تھی۔

پہلا راجا: زبان کو لگام دو۔

دوسرا راجا: (قہقہہ) تمھاری آواز میں گھبراہٹ کی چاشنی ہے۔(قہقہہ)

پہلا راجا: دانت دکھانے کی بجائے اپنی طاقت آزماؤ (قہقہہ)۔تمھاری جوانی پر ترس آرہا ہے ورنہ......

دوسرا راجا: ورنہ کیا؟

پہلا راجا: تمھاری پشتوں کو ان دیواروں کے نیچے دفن کردوں گا۔

دوسرا راجا: اب تمھارے سفید بالوں پر ترس کھانا سانپ کو دودھ پلانا ہے۔سنبھالو اپنی تلوار۔

پہلا راجا: تم اپنا کُل ناش ہی چاہتے ہو تو لو۔

(دونوں کی تلواریں ٹکراتی ہیں اور وہ دونوں لڑ پڑتے ہیں)

(اسٹیج پر لال روشنی پھیل جاتی ہے اور بوڑھا اندھی لڑکی سے باتیں کرتا ہوا تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑتا بھاگتا ہوا نظر آتا ہے گویا تلواروں کے وار سے بچنا چاہتا ہو۔بیک گراؤنڈ میں وحشت ناک موسیقی)

لڑکی بابا! یہ کیا ہو رہا ہے؟

بابا: گھمسان کی لڑائی۔

لڑکی: اب کیا ہوگا؟

بابا: پھر خون کی ندّیاں بہیں گی۔بچّے اناتھ ہوں گے۔عورتوں کا سہاگ اُجڑے گا۔لہلہاتی دھرتی سنگلاخ بنے گی۔

لڑکی: ماں کہاں ہے۔میرے بھائی بہن کہاں ہیں۔وہ میرے سب پرندے چرندے۔وہ کہاں ہیں؟

بابا: معلوم نہیں۔اس یدھ میں کون اپنا دامن بچا کر چل سکتا ہے۔ہر طرف تیروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی ہے۔جانے وہ سب کس حال میں ہوں گے۔

لڑکی: باب! سمندر میں پانی ہے یا وہ بھی سوکھ گیا ہے۔

بابا: سمندر میں پانی ہے۔

لڑکی: پھر کوئی بات نہیں۔

بابا: وہ کیسے؟

لڑکی: بابا! ماں نے مجھے بتایا ہے کہ جب پَرلے ہوگی تب وہ بچّوں کو لے کر سمندر کنارے کھڑی اپنے دیوتا کی کشتی میں سوار ہو کر بہت دُور چلی جائے گی۔ چلو ہم بھی وہیں چلیں۔ چلو، چلو بابا۔

(پردہ گرجاتا ہے)

سین ۔۴

(اسٹیج پر دھندلی روشنی۔ یوں لگ رہا ہے جیسے ایک غار نما کمرہ ہے یا کوئی تہہ خانہ ہے۔ بُڑھیا اور لڑکی ایک کونے میں بیٹھے ہیں۔ ان کے اِرد گرد چند بچّے ہیں۔ چند بچّوں کے چہروں پر چند جانوروں کے نقاب ہیں۔ سب ڈرے ڈرے، سہمے سہمے ہوئے ہیں۔ بوڑھا Entry کرتا ہے اور دبے دبے الفاظ میں یوں بولتا رہتا ہے جیسے ہر بات گرید گرید کر اس کے حلق کو تکلیف پہنچا رہی ہے)

بوڑھا: ہر طرف چیلیں ہی چیلیں ہیں۔

عورت: لاشوں کے ڈھیر لگے ہوں تو اور کیا ہوگا۔

بوڑھا: میں نے اس سے بھی زیادہ عبرت ناک منظر دیکھا ہے۔

عورت: کیا؟

بوڑھا: باپ کے ہاتھوں بیٹے کا قتل۔ رستم نے سہراب کو مار ڈالا۔

لڑکی: کیوں؟

بوڑھا: دو شہنشاہوں کی جنگ میں ایک بھائی کا قاتل ہوتا ہے۔ ایک شہید، دوسرا غدّار ہوتا ہے۔

عورت: مجھے پھر شیطان کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ چلو، چلو۔ سب چلو۔

بوڑھا: کہاں؟

عورت: سمندر کنارے۔ وہ اس بار پھر آئے گا۔

بوڑھا: وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ زمین کانپ رہی ہے۔ آسمان تھرتھرا رہا ہے۔ یہ آوازیں سن رہی ہو۔ (بیک گراؤنڈ میں گھوڑوں کے قدموں کی چاپ۔ اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں۔ تلوار بازی کی آوازیں۔ بم اور گولوں کی آوازیں)

بوڑھا: جانے یہ جنگ کہاں ہو رہی ہے؟ جانے کورو پانڈو لڑ رہے ہیں یا سکندر پورس سے لڑ رہا ہے، کالنگا

میں یا پانی پت کے میدان میں، واٹرلو میں یا صحرائے اعظم میں۔

عورت: جنگ کہیں بھی ہو رہی ہو، کوئی بھی لڑ رہا ہو، مشرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں، مجھے ان بچّوں کو بچانے کی خاطر یہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے جانے دو، مجھے جانے دو۔
(پردہ گر جاتا ہے۔)

سین - ۵

(اسٹیج پر بچّے اور بچّوں کے درمیان بیٹھی ہوئی اندھی لڑکی۔ بچّے باتیں کر رہے ہیں اور اندھی لڑکی غور سے سن رہی ہے۔ بوڑھا خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا ہے)

ایک بچّہ: بابا کہہ رہے تھے کہ یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوگی۔

دوسرا بچّہ: کیوں؟

اندھی لڑکی: کیسے ختم ہوگی۔ دونوں طاقتور ہوں تو جنگ تب تک جاری رہتی ہے جب تک ایک ختم نہیں ہوتا۔

تیسرا بچّہ: ماں ہمیں اکیلا چھوڑ کہاں گئی؟

چوتھا بچّہ: سمندر کنارے۔

پہلا بچّہ: کیا وہ لوٹ کر نہیں آئے گی؟

لڑکی: کیوں نہیں۔ ضرور آئے گی۔

دوسرا بچّہ: دیدی دیدی! سمندر کنارے کون رہتا ہے۔

لڑکی: کیا معلوم۔ بابا کہتے ہیں کوئی فرشتہ ہے۔ امن کا فرشتہ۔

چوتھا بچّہ: دیدی دیدی! فرشتہ کیا ہوتا ہے۔

لڑکی: جو پاپیوں کو مارتا ہے۔

پہلا بچّہ: پاپی کون ہوتا ہے۔

لڑکی: جو اپنے مطلب کے لیے بے قصور اور معصوم انسانوں کا خون بہاتا ہے۔ اپنی جیت کے لیے جنگ لڑتا ہے۔ راجا سے مہاراجا بن جانے کے لیے دھرتی ماں کا سینہ چھلنی کر دیتا ہے۔

پہلا بچّہ: اگر وہ راجا ہمیں مارنے کے لیے آجائے تو ہم کیا کریں گے۔

دوسرا بچّہ: ہم کھڑکیاں دروازے بند کر کے بابا کی گود میں ایسے چھپ جائیں گے جیسے سپاہی قلعوں میں چھپ جاتے ہیں۔

تیسرا بچّہ: نہیں۔ ہم بھی سمندر کنارے جا کر فرشتے کی گود میں بیٹھے رہیں گے۔

چوتھا بچّہ: اگر وہ وہاں نہ ہو تو۔

دوسرا بچّہ: ہم سمندر میں چھپ جائیں گے، مچھلیوں کی طرح۔

پہلا بچّہ: میں بتاؤں۔ ہم سفید کبوتر کی طرح بادلوں کے پیچھے چھپ جائیں گے۔

وہ بچّہ جس کے منہ پر بندر کا نقاب ہے: کیوں نا ہم ہنومان جی کو یاد کریں۔ وہ سب کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر کہیں دُور لے جائیں گے۔

لڑکی: مگر کہاں۔ دھرتی کے ہر کونے پر جنگ چل رہی ہے۔

(بوڑھا اچانک اُچھل پڑتا ہے۔ سب چونک پڑتے ہیں)

بوڑھا: رُک گئی۔ رُک گئی۔

لڑکی: کیا ہوا بابا۔

بوڑھا: جنگ رُک گئی۔

لڑکی: سچ مچ۔

بوڑھا: ہاں، ہاں۔ جنگ رُک گئی ہے۔ Cease Fire۔

(پردہ گرجاتا ہے)

سین-۶

(بوڑھا آسن لگائے بیٹھا کچھ منتر پڑھ رہا ہے۔ لڑکی منتر سن رہی ہے اور اپنی وینا کے تار جوڑنے کی کوشش کر رہی ہے)۔

بوڑھا: اوم، اوم۔

اوم۔ استو ماست گمیہ۔

تمسو ماجیوتر گمیہ

مرتیوما امرتم گمیہ

اوم شانتی شانتی شانتی

لڑکی: اس کا مطلب کیا ہے بابا۔

بوڑھا: جھوٹے راستے کو چھوڑ کر ہم سچائی کے راستے پر چلیں، اندھیرے سے نکل کر اُجالے کی طرف جائیں۔

(بوڑھیا Entry کرتی ہے تو بوڑھا رُک جاتا ہے۔ بوڑھیا رو رہی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں راکھ ہے اور وہ دونوں مٹھیاں کھول کر راکھ فرش پر، گرا دیتی ہے اور خود بھی گویا ٹوٹ کر گر جاتی ہے)

بوڑھا: کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟

عورت: سوگ منا رہی ہوں۔

بوڑھا سوگ کیوں! جنگ ختم ہوئی ہے ہمیں جشن منانا چاہیے۔

عورت: جو جنگ میں مر گئے ہیں ان کا سوگ منا رہی ہوں۔ یہ ہیروشما اور ناگاساکی کی راکھ ہے۔

لڑکی: وہاں بھی میرے بھائی بہن رہتے تھے نا۔

عورت: ہاں، ان کا سوگ منا رہی ہوں۔

لڑکی: لوگ جنگ کیوں کرتے ہیں؟

بوڑھا: تواریخ میں اپنا نام لکھوانے کی خاطر۔

میں شہنشاہوں کا شہنشاہ تھا، خاقان تھا، بہادر تھا، اور یہ تواریخ میں ہی تو سناتا ہوں۔

عورت: اپنی کتاب کے پنّوں میں یہ راکھ رکھ دو۔ شاید تمھارے پاس اتنی جگہ نہیں ہوگی کہ مرنے والوں کے نام لکھ سکو یا ان کی داستان لکھ سکو۔

بوڑھا: میں سب کچھ دیکھ لیتا ہوں مگر خود کچھ بھی نہیں کرتا۔ نہ تلوار چلاتا ہوں اور نہ جنگی جہاز۔ نہ بم بناتا ہوں اور نہ ہی میں یہ پھینکتا ہوں۔ پھر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟

عورت: تم شہزادہ سلیم کے عاشق کی کہانی سناتے ہو مگر ان لوگوں کے بارے میں خاموش رہتے ہو جو سلیم کے عشق کی خاطر کٹ مرے۔

بوڑھا: میں بھی خاموش نہیں رہتا ہوں۔ دیکھو، گھڑی اس وقت بھی ٹِک ٹِک کر رہی ہے۔ اب کوئی میری بات سن کر بھی نا لکھے تو میں کیا کروں۔ خیر مجھے ہیروشما اور ناگاساکی کے انجام سے زبردست رنج ہوا ہے، صدمہ ہوا ہے۔

لڑکی: بابا! کیا جنگ واقعی رُک گئی ہے۔

بوڑھا: ہاں۔

بوڑھیا: کوئی میرے ہرے زخموں کو اندر ہی اندر کُریدرہا ہے۔ لگتا ہے جنگ ختم نہیں ہوئی ہے۔ ٹھنڈی راکھ کے نیچے رکھے انگارے سلگ رہے ہیں۔ لگتا ہے ہم سب ایک بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں۔

بوڑھا: نہیں نہیں۔ ایسا مت کہو۔ جنگ بند ہو چکی ہے۔ اب ہر طرف شانتی ہی شانتی ہے۔ آ ؤ میرے ساتھ ساتھ پڑھو:

اوم شانتی شانتی شانتی

سروے بھونتو سکھنا

سروے سنتو نرامیا

لڑکی: سب کا بھلا کرو بھگوان۔ سب پر کرپا کرو بھگوان۔ سارے وِشو کا کردو کلیان۔

بوڑھیا: یہ خاموشی سمندر کی خاموشی ہے۔ کسی آنے والے طوفان کی اطلاع دے رہی ہے۔ میرے زخموں کو کوئی کرید رہا ہے۔ اندر ہی اندر۔ اندر ہی اندر۔ تم باہر جا کر دیکھو تو۔

(پردہ گِر جاتا ہے)

سین -۷

(اسٹیج پر نہایت ہی فیشن ایبل لباس پہنے ہوئے دو آدمی وہسکی کی چسکیاں لے کر باتیں کر رہے ہیں۔ دونوں گفتگو کے درمیان ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ لمبے لمبے Pauses دے کر باتیں کرتے ہیں اور اپنے Soft لہجے میں طنز کی چاشنی بھی رکھ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو جام پلاتے ہوئے، یا سگریٹ پلاتے ہوئے وہ بہت ہی اپنائیت کا احساس دلاتے ہیں۔ مگر دونوں کی باتوں میں دھمکیاں ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو اکسا بھی رہے ہیں۔ بوڑھا ایک کونے میں کھڑا دونوں کی باتیں سن رہا ہے)

ایک: خون خرابہ ٹالنے کی کوشش کیجیے جناب۔ یہ سمجھ کر کہ آپ بکری ہیں اور میں ایک شیر۔ شیر ببر۔

دوسرا: تواریخ کے آئینے میں جھانک کر دیکھ لیجیے گا حضور تو یہ دیکھ پایئے گا کہ آپ شیر نہیں ہیں۔ ہاں ملتی جلتی شکل کی بلّی ہیں۔ (ہنسی) پالتو بلّی سہی (قہقہہ)۔

پہلا: (طنزاً) بازاری کتّا تو نہیں ہوں نا۔

دوسرا: شکاری کتّا۔ اپنے شکار کو سونگھ سونگھ کر ڈھونڈ نکالتا ہوں۔

پہلا: اور کھاتے کیا ہو۔ بڑے ملک کے پھینکے ہوئے ہڈّی کے ٹکڑے، یا جنگی سامان۔ گولی بارود یا بم۔ (قہقہہ)۔

دوسرا: میرے پاس راڈار ہیں۔ جاسوسی جہاز ہیں۔

پہلا: کہہ چکا ہوں نا کہ کتّے کو ہڈّیاں چبانے کی عادت پڑ گئی ہے۔

دوسرا: سگریٹ؟ اب سمجھا کہ آپ مونچھوں پر کیوں تاؤ دیے جا رہے ہیں۔

پہلا: جو خود ہی بم بناتا ہو وہ مونچھوں پر تاؤ نہ دے تو اور کیا کرے۔ آپ کی طرح ہتھیاروں کی بھیک مانگتا رہے۔

دوسرا: (قہقہہ) یہ تو سوچیے کہ چوہوں کی بھی مونچھیں ہوتی ہیں۔

پہلا: چوہے بڑے بڑے پھاٹکوں کو کُتر کُتر کر کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ اپنے پھاٹک کھلا رکھیں اور سرحد پر رکھی توپیں ہٹا دیں۔

دوسرا: ہم جانتے تھے کہ آپ کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں، اسی لیے تو ہم نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔

پہلا: کون سا کام؟

دوسرا: آپ کے وجود کو کھوکھلا بنانے کا کام۔

پہلا یہ کام اگر چوہے کرتے ہوں تو سمجھ لیجیے ہم کر چکے ہیں۔

دوسرا چوہے کو نگلنے کے لیے ہمارے پاس سانپ ہیں۔

پہلا: تمھارے سانپ کو میرا نیولا کھا چکا ہے۔
دوسرا: پھر کیا ہوا۔ میرا ہاتھی نیولے کو کچل ڈالے گا۔
پہلا: ہاتھی زندہ ہو تب نا۔؟ میری چیونٹی نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ چیونٹی! سمجھ گئے نا آپ۔ جی ہاں وہی طاقت جس کے بارے میں آپ کو خدشہ تھا۔ ہے نا۔ ہے میرے پاس۔ وہ طاقت ہے۔
دوسرا: میرے پاس ہائڈروجن اور کوبالٹ بم کے علاوہ Chemical بم بھی ہیں۔ تمھارے لوگ سانس تک نہیں لے سکیں گے۔ پھر جنگ کیسے لڑ سکیں گے؟
پہلا: اگر میں بھی کچھ بتا دوں کہ میرے پاس کیا ہے تو آپ کی سانسیں رُک جائیں گی۔ ایک اور ڈرنک بناؤں؟
دوسرا: M M Thanks۔
پہلا: میرے خیال میں ہماری یہ ملاقات کافی کامیاب رہی۔
دوسرا: ہاں۔ ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے۔ اور کیا چاہیے تھا۔
پہلا: ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا تو جنگ ٹل سکتی ہے۔
دوسرا: یقیناً، یقیناً۔
پہلا: Oh, Than let us meet again very soon۔
دوسرا: Yes yes, very soon۔

(دونوں اسٹیج کے باہر چلے جاتے ہیں اور بوڑھا اسٹیج کے سامنے آ کر دونوں کرسیوں کے درمیان کھڑا ہو کر ہکا بکا سا رہ کر ایک گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ پھر اسٹیج کے بیچ میں بیٹھ کر اپنے سر کو گھٹنوں میں چھپا لیتا ہے)۔

(بیک گراؤنڈ میں ایک Suspensee End موسیقی کا ٹکڑا۔ پردہ گر جاتا ہے)

سین - ۸

(اسٹیج پر مدھم مدھم روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ بوڑھا درمیان میں چپ چاپ بیٹھا ہے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر تذبذب اور پریشانی کے تاثرات ہیں۔ ایک Spot Light اس کی Management کو Cover کر رہی ہے)

بوڑھا: (خود کلامی) یہ دوست تھے یا دشمن۔ اگر دوست تھے تو وہ پیار و محبت کی باتیں کیوں نہیں کر رہے تھے۔ اگر دشمن تھے تو ہتھیار پہن کر کیوں نہیں آئے تھے۔

(بُڑھیا Entry کرتی ہے)

عورت: (بوڑھیا) تم سب دیکھ سکتے ہو۔ کچھ سمجھ نہیں سکتے۔

بوڑھا: کیوں۔

عورت: تم جن چہروں کو دیکھ رہے ہو وہ اصلی چہرے نہیں ہیں۔

بوڑھا: پھر؟

عورت: چہروں پر چڑھائے ہوئے چہرے ہیں۔ یہ سجاوٹ دراصل جھوٹ، فریب، مکاّری کی بناوٹ ہے۔ مذہب، رنگ و نسل اور گروپ بندی کی دکھاوٹ کے پیچھے یہ چہرے صرف شیطانوں کے چہرے ہیں۔

بوڑھا: تم نے ان شیطانی چہروں کو دیکھا ہے کیا؟

عورت: جلاّد کے وار سے اس کی صورت کا انداز ہو سکتا ہے۔ میں روز مرتی ہوں اور روز زندہ ہوتی ہوں۔ مارنے والے بھی یہی لوگ ہیں اور مار کر زندہ کرنے والے بھی یہی لوگ ہیں۔

بوڑھا: کیا مطلب؟

عورت: یہ لوگ نہ جینے دیتے ہیں اور نہ مرنے دیتے ہیں۔ اُن کے ارادے زہریلے ہتھیاروں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ سرد جنگ ہے۔ لیکن برف کی تہہ کے نیچے لاوا اُبل رہا ہے۔

(اچانک ایک جنگی طیارے کی آواز دونوں کو چونکا دیتی ہے۔ وہ دونوں خوف زدہ ہو کر خلاؤں میں گھورنے لگتے ہیں۔ بچےؔ اور اندھی لڑکی بھی ان کے اِردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور سبھی خوف زدہ ہیں)

بوڑھا: لگتا ہے خاموشی ٹوٹ گئی۔

عورت: مجھے تباہی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ پرندوں اور چرندوں کی خاموشی بھی یہی بتلا رہی ہے۔

لڑکی: کیا ہم پھر بے گھر ہو جائیں گے؟

عورت: کیا معلوم گھر اُجڑ جائے گا یا گلشن۔ گاؤں اُکھڑ جائے گا یا ہمارا وطن۔

بوڑھا: تم بچّوں کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔

عورت: کہاں۔

بوڑھا: سمندر کے کنارے۔

عورت: راستوں میں بم ہیں۔ Mines ہیں۔

بوڑھا: پھر؟

عورت: پرارتھنا کریں گے۔ شاید بچانے والا اس بار کوئی نیا اوتار بن کر آ جائے۔

بچے: ماں، ماں۔ وہ دیکھو۔ وہ دیکھو۔ بہت سارے کبوتر۔

لڑکی: کیا سب ہمارے گھر آ رہے۔

عورت: معلوم نہیں۔ کہاں سے آئے ہیں۔ کہاں جارے ہیں۔ اُڑتے رہیں گے یا مار گرائے جائیں گے۔

(سبھی آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور پردہ گر جاتا ہے)

سین-۹

(بوڑھیا کے اِرد گرد بچے بیٹھے ہیں۔ اندھی لڑکی ایک کونے میں بیٹھی ہے۔ سبھی کے چہروں پر تذبذب اور گھبراہٹ کے تاثرات۔ عورت بہت زیادہ ڈری ہوئی ہے۔ اور بچوّں کو کہانی سُناتے سُناتے وہ بار بار چونک پڑتی ہے۔ یعنی ذراسی آواز سُن کر وہ خوف زدہ ہوجاتی ہے اور بچوّں کو اپنے سینے سے لگاتی رہتی ہے)

عورت: دھرتی پر انسان کا خون بہتا رہا۔ راکھشس لوگ خوشیاں مناتے رہے۔ اور بھگوان شنکر کرودھ میں آکر خود ہی سرشٹی کا سروناش کرنے کے لیے ہاتھ میں اپنا ترشول لیے پربتوں کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ ماتا پاروتی نے شیو شنکر بھولا ناتھ کا غصہ ختم کرنے کے لیے ایک دریا میں چھلانگ لگادی۔ بھگوان نے ترشول پھینک کر جب اپنی بانہوں میں ماتا پاروتی کو اُٹھایا تب ان کو وینا کی مدھر آواز سنائی دی۔ یہ آواز شانتی کا سندیش تھا۔ لیکن بھگوان نے سوچا کہ آخر اس شانتی کو کون بھنگ کر رہا ہے۔

لڑکی: میں بتاؤں۔

عورت: بتاؤ۔

لڑکی: راکھشس! کیا راکھشس لوگ بم اور بارود سے بھی نہیں مرتے؟

عورت: بھگوان کے ترشول سے مرجاتے ہیں۔ اس وقت بھی بھگوان نے اپنے ترشول سے راکھشسوں کو مارا۔

لڑکی: اور لوگوں کو بھی۔

عورت: نہیں، وہ سب ایک فرشتے کی ناؤ میں بیٹھ کر چلے گئے۔

لڑکی: کہاں؟

عورت: ایک نیا سنسار بسانے۔ ایک ایسا سنسار جہاں انسان، حیوان، چرندے پرندے، کیڑے مکوڑے، شیر اور بکری سب ایک ہی ندی کا پانی پیتے رہے۔

لڑکی: وہاں بھی راجے تھے؟

عورت: نہیں وہاں فرشتے تھے۔

(اچانک ایک خاموش Lightening سب کو چونکا دیتی ہے۔ بوڑھا دوڑا دوڑا اسٹیج پر آجاتا

ہے)

عورت: کیا ہوا؟

بوڑھا: پھر جنگ شروع ہوگئی۔

لڑکی: لیکن ہم نے گولا بارود پھٹنے کی آواز نہیں سنی۔

بوڑھا: یہ خاموش جنگ ہے۔ سات سمندر پار بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے لڑی جا رہی ہے۔

عورت: ہے بھگوان! میرے بچّوں کو بچالو!

بوڑھا: تم لوگ یہاں سے بھاگ نکلنے کی تیاّری کرو۔ میں نے ایک زمین دوز راستہ دیکھ لیا ہے۔

ایک لڑکا: ہم پاتال میں رہیں گے؟

(اچانک چند عجیب آوازیں، گویا Wireless پر آرہی آوازیں ہوں، بوڑھے کو چونکا دیتی ہیں اور وہ گھبرا جاتا ہے)

بوڑھا: کچھ ہو رہا ہے۔

عورت: کچھ کیا؟

بوڑھا: کچھ تباہ کن، میں دیکھ کر آتا ہوں۔

(بوڑھا تیزی سے نکل جاتا ہے۔ پردہ گرجاتا ہے)

سین -۱۰

(اسٹیج کے ایک طرف دو آدمی آمنے سامنے باتیں کررہے ہیں۔ اسٹیج کی دوسری طرف دو اور آدمی بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے بھی ایک آدمی ہے۔ درمیان میں بوڑھا کھڑا ہے۔ وہ دونوں کی باتیں سن رہا ہے اور کانپ رہا ہے)

پہلا آدمی: سر! دُشمن کا ٹھکانہ مل گیا۔ یہ ہے وہ جزیرہ جہاں اس کا فوجی سامان ہے۔

دوسرا آدمی: (قہقہہ) کب تک چھپا رہتا۔ تو یہ ہے دشمن کا ملٹری Base۔

پہلا آدمی: بٹن دبا کر اُڑا دوں۔

دوسرا آدمی: نہیں، دشمن کو تڑپا تڑپا کر ختم کرنا ہوگا۔ جزیرے کے اِردگرد کا پانی چوس لو۔ ہوا کو زہریلا بنادو۔

پہلا آدمی: O.K Sir!

(وحشت ناک موسیقی کا ٹکڑا)

دوسرا آدمی: That is it (قہقہہ) اب بھی دشمن کو میری طاقت کا اندازہ نہ ہوا تو میں کیا کروں۔

تیسرا آدمی: ہونہہ، میرے جزیرے کا پانی چوس لیا؟ تب کیا ہوا۔ (قہقہہ) مینڈک کو پانی پی کر اُچھلنے دو۔ خود بخود گرجائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر۔

چوتھا آدمی: وہاں مچھلیاں بھی نہیں ہیں۔کون کھائے گا ان ٹکڑوں کو۔(قہقہہ)۔

تیسرا آدمی: لیکن ٹھہرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

چوتھا آدمی: پھر کیا کیا جائے۔

تیسرا آدمی: آندھی طوفان پیدا کر کے بتیاں اُجاڑ دو۔

(وحشت ناک موسیقی)

پہلا آدمی: گاؤں تو گاؤں اب وہ ہمارے شہروں کو بھی اُکھاڑ رہے ہیں۔

دوسرا آدمی: آگ برساؤ تا کہ جھولتے ہوئے لوگ مرنے سے پہلے یہ جان جائیں کہ زیادہ طاقتور کون تھا۔

(وحشت ناک موسیقی)

تیسرا آدمی: ہمارے تیل کے کنویں جل گئے تو کیا ہوا۔ہم ان کے لہلہاتے کھیتوں کو صحرا میں تبدیل کر دیں گے۔

چوتھا آدمی: شاباش۔

تیسرا آدمی: لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔سارے برِّ اعظم کو اُڑا دوں تا کہ صرف ہم اس دھرتی کے مالک ہوں۔

چوتھا آدمی: O.K Press the buttan۔

(ایک زبردست دھماکہ۔اور اسٹیج پر مکمل اندھیرا اور مکمل خاموشی)

سین-II

(چند لمحوں کے بعد ایک مدّھم روشنی بوڑھے کو Cover کر لے گی۔بوڑھا اُٹھنے کی کوشش کرے گا۔مشکل کھڑا ہو کر وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانے کی کوشش کرے گا۔یوں محسوس ہوگا جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں پھنس گیا ہے۔وہ تڑپ تڑپ کر آوازیں دیتا رہے گا اور بڑبڑاتا رہے گا)۔

بوڑھا: (خود کلامی) یہ کون سی جگہ ہے۔یہ کون سا مقام ہے۔اس وقت دن ہے یا رات ہے؟ یہاں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں؟ کوئی تو جواب دے؟

Pause

بوڑھا: ہر طرف پتھر ہی پتھر ہیں۔لگتا ہے اِرد گرد کھنڈر ہی کھنڈر ہے۔مگر مجھے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا ہے؟ کیا میں اندھا ہو گیا ہوں؟ نہیں نہیں۔پھر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں کیسے دکھائی دیتے ہیں۔

Pause

بوڑھا: لگتا ہے سمندر بھی خشک ہو چکا ہے۔پہاڑ پگھل کر ریت میں جذب ہو گئے ہیں۔لیکن رات تو کب کی گزر گئی ہے۔دن کیوں نہیں چڑھ رہا ہے۔

Pause

بوڑھا: کیا سورج کو بھی کسی راکھشس نے چھپا دیا ہے۔ کیا معلوم نگل ہی گیا ہو۔ ورنہ کیا اب تک سحر نہیں ہوئی ہوتی ؟ کیا معلوم میں ہی اندھا ہو گیا ہوں۔

Pause

بوڑھا: کیا میں بہرہ بھی ہو گیا ہوں؟ کوئی میری آواز کا جواب تو دے رہا ہوگا۔ انسان نہیں تو کوئی دیوتا میری آواز سن کر کچھ تو کہہ رہا ہوگا۔

Pause

بوڑھا: کیا میں دھرتی پر ہوں، یا آسمان میں لٹک رہا ہوں۔ کوئی تو بتا دے۔

Pause

بوڑھا: اگر یہ قیامت تھی تو آج روزِ محشر ہوگا۔ پھر مجھے آگے پیچھے کوئی نظر کیوں نہیں آ رہا ہے۔ نہ بھگوان نظر آ رہا ہے اور نہ شیطان نظر آ رہا ہے۔

Pause

بوڑھا: جانے بچّے کہاں ہیں؟ ان کی ماں کہاں ہے؟ (روتا ہے) کون مسل گیا زندگی کو۔ کون روند گیا کائنات کو۔ لیکن یہ تپش کیسی؟ ہر طرف آگ ہی آگ کیوں۔ کیا زمین پھر سے سورج کا حصّہ بن گئی، ہے یا پھر زمین جل رہی ہے۔ اور آسمان پگھل رہا ہے۔

(یہ کہہ کر بوڑھا بلک بلک کر رو پڑے گا اور وہ چند لمحوں کے لیے اسٹیج پر یوں گرتا سنبھلتا ہوا دکھائی دے گا گویا وہ انگاروں پر چل رہا ہے۔ اسٹیج پر آہستہ آہستہ لال روشنی پھیلتی جائے گی۔ اور جب اسٹیج پر مکمل طور پر لال روشنی ہو گی بوڑھا دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے گا۔ گویا فریاد کر رہا ہو کہ کوئی مجھے آگ کے دریا سے باہر نکال دو۔ اور اُسی کے ساتھ پردہ گر جاتا ہے)

OO

شکاری

اہم کردار

- آدم
- شکاری
- راکھشس
- چوکیدار
- چھوٹو
- ارجن
- آدم کی ماں
- آدم کا باپ
- جنگی قیدی
- رِشی

سین-۱

(شروعات کی موسیقی کے ساتھ سوں سوں کی نمایاں آواز سنائی دیتی ہے۔ایک برفیلے طوفان کی عکاسی۔ چوکیدار اور آدم باتیں کر رہے ہیں)

آدم: چوکیدار! آتش دان میں اور لکڑیاں ڈال دو، بہت سردی ہے۔

چوکیدار: صاحب جی، لگتا ہے آپ پہلی بار ہمارے علاقے میں آئے ہیں۔

آدم: ہاں، مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟

چوکیدار: بس، یوں ہی پوچھ بیٹھا۔

آدم: ایک گرم گرم چائے کا کپ مل جائے تو کیا بات ہے۔

چوکیدار: ابھی بنا دیتا ہوں۔

آدم: یہ Hut ٹوٹی پھوٹی کیوں ہے؟

چوکیدار: صاحب جی، وقت وقت کی بات ہے۔کبھی یہ مہاراجا کی شکار گاہ ہوا کرتی تھی۔ پھر کبھی کبھار سیاح آتے جاتے رہتے تھے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو برفیلی چوٹیوں پر جھنڈے لہرانے آیا کرتے تھے۔لیکن اب کوئی نہیں آتا ہے— کوئی آئے گا بھی تو کیسے۔گاؤں میں گڑبڑ، شہر میں گڑبڑ اور سارے ملک میں گڑبڑ، خون خرابے، آتش زنی، دہشت گردی۔

آدم: بس، بس۔تقریر نہیں— چوکیدار، تمھاری بات مان کر اگر راستے میں رُک گئے ہوتے تو شام سے پہلے یہاں ہرگز نہ پہنچتے۔

چوکیدار: ہاں وہ تو ہے صاحب جی! مگر پھر کیا ہوا۔رات کی تاریکیوں کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔

آدم: (بھڑک کر) تم بات بات پر مجھے ڈرا کیوں رہے ہو؟

چوکیدار: ڈرا نہیں رہا ہوں، بتا رہا ہوں۔

آدم: مگر کیا؟

چوکیدار: صاحب جی، ان برفیلے علاقوں میں راتیں بڑی سنگین ہوتی ہیں۔ بہت ڈراونی۔

آدم: کیوں؟ جنگلی جانوروں کا ڈر۔

چوکیدار: نہیں۔

آدم: پھر ڈائنوں یا وَن مانُش کا ڈر؟

چوکیدار: نہیں، نہیں۔ وہ سب آگ دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

آدم: پھر؟

چوکیدار: ایک راکھشس ہے جو ہر وقت تاک میں بیٹھا رہتا ہے۔ دن کو کچھ بھی نہیں کر سکتا، مگر رات کو؟

آدم: (قہقہہ) کیا بے ہودہ باتیں کر رہے ہو۔

چوکیدار: صاحب جی، یہ ہنسنے کی باتیں نہیں ہیں، بہت سنجیدہ باتیں ہیں۔ اس علاقے میں سچ مچ ایک راکھشس رہتا ہے اور وہ روشنی دیکھ کر دوڑا چلا آتا ہے۔ کبھی جانور بن کر، کبھی عورت بن کر، کبھی کچھ، کبھی کچھ بن کر۔

آدم: وہ دیکھو، کھڑکی اُدھ کھلی ہے اسی لیے سرد ہوائیں آ رہی ہیں۔

چوکیدار: ہوا سے کھل گئی ہوگی۔ ویسے رات کے اندھیرے میں اگر کھڑکی کھل جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ راکھشس جھانک کر دیکھ رہا ہے۔

آدم: (قہقہہ) یہ پوچھنے کہ بڑے میاں تم کو کھا جاؤں؟ (قہقہہ)۔

چوکیدار: اس سے بات کرو تو شاید یہی پوچھ بیٹھے۔ مگر اُس سے بات کرنی ہی نہیں۔ جب تک بات نہ کرو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یقین نہیں آ رہا ہے۔

آدم: کس بات کا؟ جب بات ہی کا نہ سر ہو اور نہ پیر۔

چوکیدار: صاحب جی، بات بہت پرانی ہے۔ ہزاروں سال بیت چکے ہیں۔

آدم: (بات کاٹ کر) ایک اور کپ چائے دو۔ اور خود بھی چائے پی لو۔ اتنی باتیں کرتے کرتے تمھارے سر میں درد نہیں ہوتا۔

چوکیدار: نہیں تو۔ ہم لوگ بھی جگ بیتی اور کبھی آپ بیتی سنا کر ہی دن کاٹ لیتے ہیں، راتیں گزارتے ہیں۔ ہاں تو میں راکھشس کی بات کر رہا تھا۔ وہ آدم خور ہے۔ انسان کا خون اُس کا پسندیدہ جام ہے۔ جب یہ حسین وادیاں پانی میں ڈوبی ہوتی تھیں تب وہ پانی میں ہی رہتا تھا۔ جھیل کا نام

ستی سر تھا اور راکھشس کا نام ہرناکش۔ پھر ایک رشی نے جھیل کا پانی سمندر میں ڈال دیا اور راکھشس کو پاتال میں بھیج دیا۔ جانتے ہو وہ رشی کون تھا؟

آدم: کون تھا؟

چوکیدار: کشیپ رشی۔ بس تب سے رشی ہم سب کی حفاظت کرتا ہے اور وہاں اُس گپھا میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔

آدم: (قہقہہ) اچھا۔ (قہقہہ) پھر وہ راکھشس باہر کیسے آتا ہے؟

چوکیدار: صرف رات کو باہر آتا ہے۔ شیطان کی طرح۔ لو صاحب جی، کھانا بھی تیار ہو گیا۔

(سوں سوں کی تیز آواز، طوفان کی عکاسی)

چوکیدار: لگتا ہے برفیلا طوفان آ رہا ہے۔ صبح تک برف گرتی رہی تو راستے پَٹ جائیں گے۔

آدم: پھر......

چوکیدار: پریشانی ہوگی۔ راشن تھوڑا ہے۔ جلانے والی لکڑیاں تھوڑی ہیں۔

آدم: تو۔

چوکیدار: کچھ نہ کچھ انتظام تو کرنا ہوگا۔ گانو جانا پڑے گا۔

آدم: نہیں، تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ لگتا ہے تم اُتنے معصوم نہیں ہو، جتنے شکل سے دکھائی دے رہے ہو۔

چوکیدار: کیسی باتیں کر رہے ہو صاحب جی — صاحب جی۔ آپ کو مجھ پر شک کیوں ہونے لگا ہے۔

آدم: کب سے تمھاری بک بک سن رہا ہوں۔ کبھی پیروں فقیروں کی باتیں، کبھی دہشت گردوں کی باتیں، کبھی رشی کی باتیں اور کبھی راکھشس کی باتیں۔ سچ سچ بتاؤ، کون ہو تم۔ جاسوس یا مخبر؟

چوکیدار: وہ کیا ہوتا ہے صاحب جی۔

آدم: اتنے معصوم نہ بنو۔ چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ اور ہاں تم میری اجازت کے بغیر اس کمرے کے باہر بھی نہیں جا سکتے۔ (غصّے سے) یہ بات شاید تمھاری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ شک تو مجھے پہلے ہی تھا۔ اب یقین ہو گیا۔ بیٹھ جاؤ۔ چپ چاپ۔ یہ سبزی میں کیا ڈالا؟ (غصّے سے) بے ہوشی کی دوائی۔

چوکیدار: کیسی باتیں کر رہے ہو صاحب جی۔

آدم: پھینک دو یہ کھانا۔

چوکیدار: صاحب جی یہ گناہ ہے۔

آدم: اور جو چالاکی تم کر رہے ہو وہ ہماری نظر میں جرم ہے۔ سمجھے۔ خبردار جو ہلنے کی کوشش کی، ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔

چوکیدار: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا کر رہے ہیں۔ مالک! تیرا ہی آسرا ہے۔

(سوں سوں کی ڈراؤنی آواز)

سین -۲

(ڈراؤنی موسیقی۔ ایک گونجتی ہوئی آواز موسیقی کے ساتھ ساتھ اُبھرتی ہے)

آواز: آدم، آدم — وہاں نہیں۔ میں یہاں ہوں۔ کھڑکی کے پاس — میرے پاس آؤ۔ میرا ہاتھ تھام لو۔ مجھ سے ڈرومت۔ میں تمھارا مددگار ہوں۔ میں ہرناکشیپ ہوں — جانتے ہو۔ کبھی ان وادیوں پر میرا راج تھا۔ تم چاہو تو صدیوں بعد پھر میں راج کرسکتا ہوں۔ تاج تمھارے سر پر رکھ کر — پھر شعلوں کی بارش ہوگی۔ خون کی ندّیاں بہتی رہیں گی۔ خوف سے لرزتا ہوا انسان رشی کے قدموں میں گڑگڑاتا نظر آئے گا اور رشی کی گردن میرے پاؤں کے نیچے ہوگی — تم کیوں خوف زدہ ہو رہے ہو؟ آگ کو آگ سے کیسا ڈر — اچھا، اچھا۔ میرے لمبے دانت۔ لال آنکھیں اور سر پر سینگ دیکھ کر۔

آدم: قریب مت آؤ۔ مجھ سے دُور رہو۔ تمھارے جسم سے ادھ جلے گوشت اور بارود کی بُو آ رہی ہے۔ دُور رہو۔ دُور رہو۔

(خواب دیکھتے دیکھتے آدم بڑبڑاتا ہے)

آدم: دُور، دُور۔ دُور رہو۔ (چونک کر) کتنا ڈراؤنا خواب تھا۔ (چلّاتا ہے) چوکیدار۔ چوکیدار۔ چوکیدار۔ کہاں ہو تم۔ چوکیدار۔ (بوکھلا کر) ذلیل کمینے۔ چکمہ دے کر بھاگ گیا۔

آدم: (خود کلامی) اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا — اُف، یہ رات اتنی لمبی کیوں ہوگئی ہے — اُف، کب ہوگا سویرا۔ مجھے سحر ہوتے ہی یہاں سے بھاگ جانا ہوگا، ورنہ چوکیدار فوجیوں کو لے کر آئے گا۔ میں پکڑا گیا تو کوئی بات نہیں۔ سر پر کفن جو باندھ لیا ہے۔ مگر اُس مشن کا کیا ہوگا جس کی خاطر میں یہاں آیا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی کا کیا ہوگا — اُف، یہ کیا ہوگیا۔ اُس نے شاید چائے میں بھی بے ہوشی کی دوا ملادی تھی۔ اب کیا کروں — کچھ بھی ہو، میں چوکیدار کی جان لوں گا۔ (غصے سے) چھوڑوں گا نہیں۔

(پس منظر میں زبردست طوفان کی عکاّسی)

سین -۳

(دروازے پر دستک کی آواز)

آدم: شاید آ گیا۔ یہ کیا۔ اکیلا ہے۔ مگر یہ چوکیدار نہیں ہے۔ کوئی اور ہے۔ (خود کلامی جاری) کون ہوسکتا ہے۔ فوجی اکیلے میں آتا۔ پھر شاید کوئی راہ گیر ہے۔ دروازہ کھول دوں یا حملہ کردوں۔ نہیں۔ شاید میرا ساتھی ہو۔ لیکن میں اپنے ساتھی کو پہچان بھی نہیں سکوں گا۔ پھر کیا کروں۔

(سوں سوں کا اِفیکٹ اور دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

آدم: کون ہوتم۔ ہاتھ اوپر اٹھا کر سامنے آؤ، ورنہ گولی ماردوں گا۔

شکاری: گولی میں بھی چلا سکتا ہوں، مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔

آدم: کیوں؟

شکاری: کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ اور یہاں کیا کرنے آئے ہو۔

آدم: (چونک کر) تم مجھے جانتے ہو۔

شکاری: بے شک۔ (قہقہہ) چونک پڑے؟ کیوں آدم؟

آدم: تم میرا نام کیسے جانتے ہو۔ کون ہوتم؟

شکاری: شکاری۔

آدم: اپنی بندوق زمین پر رکھ دو۔

شکاری: لو، رکھ دی۔ (قہقہہ)

آدم: اس تھیلے میں کیا ہے۔

شکاری: چند مرغابیاں ہیں۔ بھوک لگی ہے۔ دور سے دُھواں دیکھا تو سمجھا آگ جل رہی ہوگی۔ آؤ بھوُن کر کھائیں۔ یہ مرغابیاں روس سے آتی ہیں۔

آدم: لگتا ہے تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

شکاری: (قہقہہ) ہوسکتا ہے۔ مگر کہاں؟

آدم: یاد نہیں آرہا ہے۔ شاید خواب میں۔

شکاری: (قہقہہ) خواب میں۔ (قہقہہ) یہ کیا بندوق تمھارے ہاتھ میں ہے اور ڈر بھی تم ہی رہے ہو؟

آدم: نہیں، میں کسی سے نہیں ڈرتا ہوں۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔

شکاری: یہ زمین میری۔ یہ آسمان میرا۔ یوں سمجھ لو سارا جہان میرا۔

آدم: پھر بھی، کوئی مقام۔

شکاری: جہاں شکار مل جائے وہ میرا گام ہے۔ جہاں شکار بک جائے وہ میری منزل ہے۔

آدم: تو تم ایک تاجر بھی ہو۔

شکاری: ہاں، کچھ لیتا ہوں اور کچھ دیتا ہوں۔ جانوروں کی کھالوں کے بدلے نوٹ۔ نوٹوں کے بدلے سونا۔ اور سونے کے بدلے گولہ بارود۔

آدم: اوہ، سمجھا۔

شکاری: (قہقہہ) تمھارا ساتھی اب تک آیا نہیں؟

آدم: تمھیں کیسے معلوم؟

شکاری: تمھاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سب کچھ جان گیا ہوں۔ دل کی بات زبان پر نہ لاؤ تب

بھی جان جاؤں گا کہ تمھارے دل میں کیا ہے؟

آدم: مگر اس وقت میں چوکیدار کا انتظار کر رہا ہوں۔

شکاری: کیا؟ اس کو میں نے بھگا دیا تھا۔ وہ پھر آ گیا ہے!

آدم: تم اچانک گھبرا کیوں گئے۔

شکاری: بات ہی ایسی ہے۔ چوکیدار ایک خطرناک دُشمن ہے۔ تمھارا بھی اور میرا بھی۔

آدم: کہاں جا رہے ہو؟

شکاری: چوکیدار کی تلاش میں۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

آدم: لگتا ہے آ گیا۔ تم دیکھ لو۔

شکاری: نہیں، تم دیکھ لو۔ ہمیں اس کو دھوکے سے مارنا ہوگا۔ میں یہاں چھپ جاتا ہوں۔

آدم: دیکھو چالاکی نہیں کرنا۔

شکاری: میں تمھارا دوست ہوں دُشمن نہیں۔ ہمارا راستہ ایک۔ منزل ایک۔

(دروازہ کھلنے کی آواز)

آدم: کون۔ کون ہو تم۔ شکاری۔ گولی مت چلا۔ یہ شخص زخمی ہے۔ لہولہان ہے اور ادھ مرا ہے۔ کون ہو تم۔ اجنبی کون ہو تم؟ جواب دو۔ اجنبی۔

شکاری: یہ اجنبی نہیں۔ قید سے بھاگا ہوا جنگی قیدی ہے۔

سپاہی: میں، میں ایک سپاہی ہوں۔ وطنِ عزیز کے محاذ پر لڑ رہا تھا۔ قیدی ہو گیا۔ بیس سال بعد بھاگ کر آیا ہوں۔ مجھے بچالو۔ ان کے کتّے میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ مجھے پکڑ کر لے جائیں گے۔ میری مدد کرو۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ میرے پانو سڑ گئے ہیں۔ مشکل سے چل پا رہا ہوں۔ میری مدد کرو۔ میری ماں میرا انتظار کر رہی ہے۔ میری بیوی میرا انتظار کر رہی ہے۔ میری بیٹی میرا انتظار کر رہی ہے۔

آدم: تمھارا گھر کہاں ہے۔

سپاہی: گاؤں میں۔

آدم: گاؤں کہاں ہے۔ اِس پار یا اُس پار۔

سپاہی: معلوم نہیں، کچھ بھی یاد نہیں۔

آدم: یاد کرنے کی کوشش کرو۔

سپاہی: ہاں، یاد آ رہا ہے —— دریا کا کنارہ ہے۔ آس پاس درخت ہیں۔ کھیت ہیں اور میرے گھر کا آنگن ہے۔ وہاں میری بیٹی میرا انتظار کر رہی ہے۔ دریا میں کاغذ کی ناؤ ڈال کر مجھے خط بھیج رہی

ہے۔ وہ رو رہی ہے۔ پاپا جلدی گھر آنا۔

آدم: رُک کیوں گئے! رُک کیوں گئے۔ شکاری! یہ شخص دم توڑ چکا ہے۔

شکاری: جا چکا ہے تو جانے دو۔ اپنی فکر کرو۔ اُس کا غم نہ کرو۔ ویسے یہ سودا بھی بُرا نہیں ہے۔ زندہ رہتا تب بھی میں فوجیوں کے حوالے کرتا۔ اور اب بھی وہی کروں گا۔

آدم: کیا؟

شکاری: ہاں۔ شکار کی قیمت وصول کرنا میرا دھندہ ہے۔ آؤ، لاش کو ایک کونے میں رکھ دیں۔ تمھارے لیے مرغابی رکھ دی ہے۔ کھالینا۔ میں چوکیدار کی تلاش کروں گا۔ زندہ یا مردہ اس کو تمھارے پاس لے آؤں گا۔

آدم: شکاری، شکاری! شکاری!! دیکھتے ہی دیکھتے کہاں غائب ہو گیا۔ یہ شکاری بھی ایک پُراسرار شخص ہے۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں دیکھ کر ڈر لگ رہا تھا۔ کہیں وہ! نہیں، نہیں۔ جاسوس ہوتا تو مجھے پکڑ لیتا۔ مجھ پر حملہ کرتا۔ نہیں، نہیں۔ یہ شخص اگر دوست نہیں تو دشمن بھی نہیں ہے۔

سین -۴

(سوں سوں کی آواز اور ڈراؤنی موسیقی)

آدم: (خود کلامی) دن بیت گیا۔ شام ہوگئی۔ مگر نہ چوکیدار آیا اور نہ شکاری۔ اور تو اور میرا دوسرا ساتھی بھی نہیں آیا۔ اُف، ہر کام بگڑتا جا رہا ہے۔ اور بہت سے کام باقی پڑے ہیں۔

شکاری: آدم، آدم۔

آدم: بہت دیر لگادی۔ چوکیدار ملا۔

شکاری: نہیں، لگتا ہے وہ بہت دُور چلا گیا ہے۔

آدم: تمھارے ساتھ کون ہے۔

شکاری: تمھارا ساتھی۔ راستے میں ملا۔ راستہ کھو گیا تھا اور واپس گاؤں جا رہا تھا۔ (آواز دے کر) نوجوان دوست سامنے آؤ۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ساتھی: کوڈ اپنا شکاری۔ مشن شکار۔ مشن پر حاضر ہوں کرنل۔

آدم: آواز جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ کون ہو تم۔ نقاب ہٹادو۔

ساتھی: (خوشی سے چونک کر) بھیا، آپ؟ What a Pleasant surprise۔

آدم: (مایوسی سے چونک کر) چھوٹو تم؟ یہاں۔ مشن پر؟

ساتھی: O. Yes! بھیا، آپ نے مجھے گلے سے نہیں لگایا۔ میں ڈر رہا تھا۔ پتہ نہیں کرنل کون ہوگا۔ کیسا ہوگا۔

شکاری: (قہقہہ) تو تم دونوں بھائی ہو۔ بہت اچھے، بہت اچھے۔ جی چاہتا ہے کہ جشن منالوں۔
ساتھی: کیوں۔
شکاری: اس لیے کہ اب تمھاری منزل تمھارے بہت قریب ہے۔ آدم، آپ کچھ کہتے ہیں۔
آدم: جانے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ منہ میں زبان نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے۔
شکاری: تعجب ہے۔
ساتھی: بھیّا بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کے لیے دو۔
شکاری: میں دے دیتا ہوں۔ لو، اس تھیلے میں تمھارے مطلب کی ہر چیز ہے۔
ساتھی: کیا ہے۔ دیکھ تو لوں۔
آدم: (گرج کر) چھوٹے!
شکاری: دیکھ لینے دو۔ یہ دیکھو، اس میں حفاظت کے لیے گولے ہیں۔ بارود ہے۔ بیچنے کے لیے بسکٹ ہیں اور یہ دیکھو کھانے کے لیے بھی بہت کچھ ہے۔ تم لوگ کچھ کھا پی لو۔ رات ہو چکی ہے۔ میں باہر پہرہ دوں گا۔ کیا معلوم چوکیدار کب آئے گا۔ اور اپنے ساتھ کس کو لائے گا۔
ساتھی: چوکیدار کون؟
آدم: ہے کوئی، تم گیلے کپڑے اُتار دو۔ اور یہاں آتش دان کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں تمھارے لیے چائے بنا دیتا ہوں۔
ساتھی: O.K بھیّا! بھیّا، آج میں بہت خوش ہوں۔ آپ دو سال بعد ملے ہو۔ ہے نا؟
آدم: دو سال تین مہینے اور دس دن۔
ساتھی: آج خوب باتیں کریں گے۔
آدم: ہاں۔ ماں کیسی ہے؟
ساتھی: ٹھیک ہے۔ (بات کا رُخ بدل کر) بھیّا یہ شکاری کیا ہمارا آدمی ہے؟
آدم: معلوم نہیں۔ پاپا کیسے ہیں؟
ساتھی: As Usual وہی قومی یکجہتی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی بھاشن اور کبھی ایکشن۔ جبھی تو پریشان رہتے ہیں۔ خود بھی، اور ماں بھی۔
آدم: کیوں کیا بات ہے۔
ساتھی: ہم لوگ بازار بند کروا دیتے ہیں تو وہ اپنی کلینک کھلی رکھ دیتے ہیں۔ اور تو اور خواہ مخواہ کی پریشانیاں مول لیتے ہیں۔ کراس فائرنگ میں کوئی زخمی ہو گیا تو اس کو کندھے پر اُٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ ہسپتال میں بھاشن دینے لگے۔ وہاں میرا دوست موجود تھا ورنہ — جانے کیا ہوا ہوتا۔
آدم: کیا ہوا ہوتا؟

ساتھی: پاپا مارے جاتے۔ اور کیا۔ سمجھایا بھی، مانتے ہی نہیں۔ وہی کبیر کی باتیں۔ نانک دیو کی باتیں۔ رام رحیم کی باتیں۔ کرشن کریم کی باتیں۔ صوفی سنتوں کی باتیں۔

آدم: چوکیدار بھی پاپا کی طرح باتیں کرتا ہے۔

ساتھی: وہ کون۔

آدم: گاؤں سے میرے ساتھ آیا تھا۔ پھر غائب ہو گیا۔

ساتھی: بھیا، آپ سوچ میں ڈوب گئے؟ کوئی پرابلم ہے۔ کوئی خطرہ ہے؟

آدم: چھوٹے، تم کب سے ہم لوگوں کے ساتھ کام کر رہے ہو۔

ساتھی: سال ہوا ہوگا۔

آدم: گویا سال پہلے کا...... چھوڑ دیا ہے۔ (غصّے سے) ہے نا؟

ساتھی: ہاں، مگر آپ ناراض کیوں ہو رہے ہو۔

آدم: ماں کو معلوم ہے؟

ساتھی: (قہقہہ) میں نے بتایا نہیں۔ کل یہ کہہ کر گھر سے نکل پڑا کہ ٹور ہے۔

آدم: جھوٹ بولا۔

ساتھی: سچ بولتا تو وہ میرے صحیح فیصلے کو غلط بتا دیتی۔

آدم: تمھارا فیصلہ غلط ہے۔ بالکل غلط۔

ساتھی: یہ کیا کہہ رہے ہو بھیّا۔ آزما رہے ہو۔ ہے نا بھیّا، آپ ناراض ہو گئے؟

آدم: ہاں!

ساتھی: مگر کیوں؟

آدم: سو جاؤ۔ کل صبح باتیں کریں گے۔

ساتھی: ٹھیک ہے۔ اچھا اتنا تو بتا دو بھیّا کہ بندوقیں لینے کے لیے ہمیں اُس پار جانا ہوگا یا وہ لوگ اِس پار آئیں گے۔

آدم: (غصّے سے) مت پوچھو ایسے سوالات۔ تم کل صبح واپس جا رہے ہو۔ بس۔ اب تم کچھ نہیں کہو گے اور سو جاؤ گے۔ بس۔ گھور گھور کر مت دیکھو۔ سو جاؤ۔

سین - ۵

(ڈراؤنی موسیقی کے ساتھ ساتھ راکھشس کی گونجتی ہوئی آواز نمایاں طور پر سنائی دے گی)

آواز: (سرگوشیانہ انداز میں) آدم۔ آدم۔

آدم: تم پھر آ گئے۔

آواز: میں گیا ہی کب تھا۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ پریشان ہو؟

آدم: ہاں۔

آواز: کیوں؟

آدم: ایک دہکتا ہوا انگارہ میرے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا ہے۔

آواز: پھر؟

آدم: نہ ہاتھ جھٹک سکتا ہوں اور نہ انگارے کو بجھا سکتا ہوں۔

آواز: جذبات کی رو میں بہہ کر ڈوب جاؤ گے۔ اپنا ہاتھ جھٹک کر اپنا کام کرتے رہو۔ انگارہ جلتے جلتے خود بجھ جائے گا، راکھ ہو جائے گا۔

آدم: لیکن چھوٹو کوئی غیر نہیں، میرا بھائی ہے۔ وہ سرحد پار نہیں جائے گا۔ وہ خطروں سے نہیں کھیلے گا۔

آواز: خود غرض انسان۔ مُہرہ اپنا بھائی ہے تو ہاتھ پیچھے کر دیا۔

آدم: ہاں، میرا بھائی سولی پر نہیں چڑھے گا۔

آواز: پھر کس کا بھائی سولی پر چڑھے گا۔

آدم: مجھے نہیں معلوم۔

آواز: تم پر غصہ آ رہا ہے۔ نادان انسان! منزل قریب ہے اور تم ——

آدم: ہاں۔

آواز: چوکیدار نے بہکا دیا ہے۔ اس لیے نا؟

آدم: نہیں۔ تم چلے جاؤ۔ تم راکھشس ہو، اور میں انسان۔ تم میری بات سمجھ نہیں سکتے۔ چلے جاؤ۔

آواز: کیسے چلا جاؤں۔ تم وہی کرو گے جو میں چاہتا ہوں۔ تم نے بھائی کو خالی ہاتھ واپس بھیج دیا تو میں اس کو مار ڈالوں۔

آدم: یہ کیا۔ تم راکھشس تھے۔ شکاری کیسے بن گئے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ شکاری، شکاری۔

ساتھی: بھیا، بھیا۔ کیا بڑبڑا رہے ہو۔ شکاری کب کا چلا گیا ہے۔ وہ باہر بھی نہیں ہے، کیا بات ہے بھیا۔ آپ کا ماتھا پسینے سے شرابور ہو رہا ہے اور وہ بھی اس ٹھٹھرتی رات میں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ میں تمھارا سر دباؤں۔ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں۔ اُف۔ کیا ہوا میرے بھائی کو۔

آدم: چھوٹے۔ تم سو جاؤ۔ میں ٹھیک ہوں۔ صبح ہونے دو۔ تاریکیاں مٹ جائیں گی اور اُجلا سویرا تمھارا ماتھا چوم لے گا۔ تم کو اندھیروں میں بھٹکنے نہیں دوں گا۔ ہاں۔ ہاں۔

سین – ٦

(سوزیدہ موسیقی کا ٹکڑا)

آدم: چھوٹو۔ نیند نہیں آ رہی ہے۔

ساتھی: نہیں۔(چونک کر) بھیّا۔ وہ دیکھو، وہ دیکھو۔ کون ہے وہ، کون ہے وہ۔ کھڑکی سے کیوں جھانک رہے ہو۔ وہ دیکھو اس کونے میں رکھے گھاس کے نیچے۔

آدم: وہ! لاش ہے۔

ساتھی: کس کی۔

آدم: ایک سپاہی کی۔ ہانپتا کانپتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اور اب نہ کانپ رہا ہے اور نہ ہانپ رہا ہے۔ گویا سب کچھ منجمد ہو گیا ہے۔ اُس کے احساسات، جذبات، خواہشات، سوالات، جوابات۔

ساتھی: بھیّا آپ کی آنکھوں میں آنسو۔ کیوں۔

آدم: سرحدوں کی حفاظت کرنے والے کا انجام دیکھ کر۔ یہ جنگ بھی قہرِ آدم ہے۔

ساتھی: یہ کیا بھیّا۔ آپ بھی پاپا کی طرح۔

آدم: یہ تم نہیں سمجھ سکو گے۔

ساتھی: Why Not میں بچّہ نہیں ہوں۔ ۱۸ سال کا جوان ہوں۔ میرا عزم بلند ہے۔ حوصلے بلند ہیں۔ بہت کچھ کرنے کا ارادہ ہے۔ مجھے Under Estimate نہ کریں مجھ سے Frankly بات کریں۔

آدم: سو جاؤ۔ And dont over play۔ سردی بہت ہے۔ لو میرا شال بھی اوڑھ لو۔

ساتھی: No, Never میں Rough & Tough ہوں۔ مجھے لاڈلا بنا کر کمزور مت بنا ڈالو۔

آدم: (بوکھلا کر) جانے کیوں تمھاری ہر بات سن کر میرا خون اُبلنے لگتا ہے۔ مت کرو ایسی باتیں جو میرے زخموں پر نمک چھڑکتی ہوں۔ ورنہ میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاؤں گا۔

ساتھی: بھیّا! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کچھ بدلے بدلے سے نظر آرہے ہیں آپ؟

آدم: کہاں جا رہے ہو؟

ساتھی: غصہ آرہا ہے آپ پر، اپنے آپ پر بھی۔ مجھے غصّے کو پی لینے دو، ورنہ، ورنہ غضب ہو جائے گا!

آدم: کیا کہا؟

(بادلوں کی گرج کے نمایاں اِفیکٹ)

سین - ۷

(فون کی گھنٹی)

پاپا: ہیلو۔ جی، جی۔ کہاں۔ لیکن شہر میں کرفیو ہے۔ ٹھیک ہے کوشش کروں گا۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔

ماں: کیا بات ہے۔ کس کا فون تھا۔

پاپا: کسی انجانے آدمی کا فون تھا۔

ماں: کیا کہہ رہا تھا۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ جلدی بتاؤ۔

پاپا: پاس ہی نکڑ پر ایک زخمی عورت موت سے لڑ رہی ہے اور اس پر طرّہ کہ عورت کی کوکھ میں ایک بچّہ

ہے۔

ماں: پھر۔

پاپا: ماں کو نہ سہی۔ بچّے کو بچانے کی کوشش کروں گا۔

ماں: اتنے بڑے شہر میں کیا تم ہی ایک ڈاکٹر ہو۔

پاپا: (بات کاٹ کر) مشکل یہ ہے کہ گھر میں نہ آدم ہے اور نہ چھوٹو۔

ماں: (بوکھلا کر) تمھیں صرف اس وقت اپنے بچوں کی یاد آتی ہے جب ان کی ضرورت ہو۔

پاپا: (ہنسی) مجھے بھی لوگ تب بلاتے ہیں جب ضرورت ہو۔

ماں: کہاں جا رہے ہو؟

پاپا: مریضہ کو دیکھنے۔

ماں: رات کے تیسرے پہر!

پاپا: جانا ہی پڑے گا۔

ماں: اکیلے جاؤ گے؟

پاپا: اور کیا، جانا ہی پڑے گا۔

ماں: آدم کے پاپا۔ سوچ لو، یہ لڑائی تم اکیلے نہیں لڑ سکتے۔ پھر کیوں جا رہے ہو؟

پاپا: ڈاکٹر ہوں۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔

ماں: جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ کاش میرے بیٹے یہاں ہوتے — یا تمھیں روک لیتے یا تمھارے ساتھ چلتے۔ آج ان کی یاد آ رہی ہے۔ بہت، بہت۔ جانے کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں۔

سین-۸

(سوں سوں کی آواز)

آدم: چھوٹو، اُٹھو۔ سویرا ہو گیا۔

ساتھی: میں جاگ رہا ہوں بھیّا۔

آدم: یہ لو چائے۔

ساتھی: واہ کیا بات ہے۔

آدم: صبح سویرے ماں چائے دیا کرتی تھی۔ آج ماں کی بہت یاد آ رہی ہے۔ وہ گانا یاد ہے جو وہ بچپن میں ہمیں سنایا کرتی تھیں۔ وہی، جب دُھوپ چمکے گی، تب پربت چمکیں گے۔

ساتھی: (بات کاٹ کر) بھیا، کیا کوئی اور بھی آ رہا ہے۔

آدم: نہیں۔

ساتھی: پھر سفر کی تیاری کریں۔

آدم: کون سے سفر کی تیاری۔
ساتھی: کیا مطلب؟
آدم: چُپ۔ بڑوں کے ساتھ ایسے باتیں کی جاتی ہیں ۔
ساتھی: بھیا، آپ غلط باتیں کریں گے تو میں یقیناً React کروں گا۔ مطلب کی بات کرو۔
آدم: مطلب کی بات؟ چھوٹو، وہ دیکھو۔ صبح کی سفیدیاں برف کی چادر پر چمک رہی ہیں اور وہ دیکھو، دُور، برفیلے پہاڑوں کی گود میں ہماری وادی۔ وہاں ہمارا گھر ہے۔ ہماری ماں ہے۔ ہمارے پاپا ہیں۔ وہ تمھیں بلا رہے ہیں۔ جا، میرے بھائی واپس لوٹ جا۔
ساتھی: بھیا۔ جو کر رہے ہو غلط ہے۔
آدم: کیا بک رہے ہو تم۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں۔ واپس لوٹ جاؤ۔
ساتھی: ہرگز نہیں۔
آدم: میں تمھارا کمانڈر ہوں۔
ساتھی: جو کمانڈر بہک گیا ہو وہ کمانڈر نہیں۔ جو ساتھی بک چکا ہو، وہ دوست نہیں۔
آدم: تمھاری یہ ہمت۔
ساتھی: (غصّے سے) اپنا ہاتھ روک لو، ورنہ میرا ہاتھ اُٹھ جائے گا۔
آدم: You Devil۔
ساتھی: بھیا، میرا ہاتھ اُٹھ جائے گا۔

سین-۹

چوکیدار: ارے یہ کیا کر رہے ہو بچو، لڑ رہے ہو؟
آدم: تو تم آ گئے۔ پہلے تم سے ہی نپٹ لوں۔ کہاں گئے تھے۔ (تھپّڑ مارنے کی آواز)
چوکیداری: گاؤں گیا تھا۔
ساتھی: یہ کون ہے بھیا۔
آدم: چوکیدار۔
ساتھی: تو یہ ہے وہ خطرناک انسان جس کی تلاش میں شکاری نکل پڑا ہے۔
چوکیدار: شکاری! وہ راکھشس! کہاں ہے وہ۔
آدم: چالاکی کرتا ہے۔

(مار پیٹ کے افیکٹ)

ساتھی: اِس تھیلے میں کیا ہے۔ بول، بول۔
آدم: کس کس کو میرے بارے میں اطلاع دی ہے۔ بول، بول۔

چوکیدار: جہاں کے مالک۔ بخش دے اُن کو یہ نہیں جانتے ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ صاحب جی، میں گاؤں سے آپ کے لیے راشن لانے گیا تھا۔ یہ دیکھ لو۔ اُف۔ آپ نے اناج کے دانوں کو بھی میرے خون سے رنگ دیا۔

آدم: تم راشن لینے گئے تھے۔

چوکیدار: اور نہیں تو کیا — میرا خون بہانے سے اگر آپ کو خوشی ملتی ہے تو اور مارو مجھے۔

شکاری: مار ڈالو۔ دیکھ کیا رہے ہو؟

آدم: شکاری تم۔

شکاری: ہاں، یہ بہروپیہ چوکیدار نہیں ہے۔ بلکہ دشمن کا آدمی ہے۔

چوکیدار: راکھشس؟ تو پھر آ گیا۔ صاحب جی۔ یہ وہ ناگ ہے جو دوسروں کے گھروں میں گھس کر گھروں کا مالک بن جاتا ہے یہ سنگچو رہے۔

شکاری: زبان کو لگام دو رشی۔ میں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔

چوکیدار: ہرنا کشیپ! بہت تباہی کر چکے ہو۔ بہت گھروں کو برباد کر چکے ہو۔ تمھارا آخری وقت آ گیا ہے۔

شکاری: آدم دیکھ کیا رہے ہو، گولی سے اُڑا دو۔

ساتھی: بندوق مجھے دو، میں اُڑا دوں گا۔

آدم: نہیں۔ کوئی گولی نہیں چلائے گا۔

شکاری: میں چلاؤں گا گولی۔ مگر ٹھہرو۔ گولی چلے گی تو آواز گونج اُٹھے گی۔ فوجی آواز سن کر یہاں آئیں گے۔ اس شخص کا گلا گھونٹ دو۔

ساتھی: بلکہ مار مار کر اس کی جان نکال دو۔

آدم: نہیں۔ اس کی جان لینے سے کیا فائدہ۔ یہ شخص معصوم ہے۔ ہمدرد ہے۔ ہمارا اپنا ہے۔

سین - ۱۰

آدم: ان پڑھے لکھے لوگوں کا تنظیم میں رہنا بے وقوفی ہے۔ کم بخت ایک پل ہماری زبان بولتے ہیں اور اگلے پل زہر اُگل دیتے ہیں۔ قربانیاں دیے بغیر آزاد ہونا چاہتے ہیں۔

شکاری: تو تم اس کے ساتھی ہو؟ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہو تم؟ کس کو قید کروانے آئے ہو تم؟ مجھے یا اپنے چھوٹے بھائی کو؟ غالباً مجھے؟ کتنے میں بک چکے ہو۔ جواب دو۔ دینا ہی پڑے گا۔

ساتھی: ہاں۔ اب سمجھ گیا ہوں میں بھی بھیا! تم غدار ہو۔ اور مجھے تم پر غصہ آ رہا ہے۔

آدم: نہیں۔ تمھیں مجھ پر پیار آنا چاہیے۔ جس کو تم وفادار سمجھ رہے ہو، وہ مردہ جسموں کا تاجر ہے، اور جذبات کا سوداگر۔

شکاری: (قہقہہ) نوجوان۔ تمھارا بھائی تمھیں گمراہ کر چکا ہے، تم منزل کے قریب ہوا اور وہ تمھیں دھکیل کر

کھائی میں ڈال دینا چاہتا ہے۔

ساتھی: میں بے وقوف نہیں۔شک تو تھا اب یقین ہو گیا۔جبھی تو مجھے واپس جانے کا حکم دے رہا تھا۔

چوکیدار: مجھے مار ڈالو۔مگر بھائی کو بھائی کے خون کا پیاسا مت بناؤ شکاری! ورنہ۔ورنہ شکاری! یہ شکار تمھیں بہت مہنگا پڑے گا۔

شکاری: چپ، ذلیل کتے۔

چوکیدار: صاحب جی کچھ کرو۔اس کو یہاں سے بھگا دو!

ساتھی: بھیا۔ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔That is my order۔تم میرے قیدی ہو۔(غصّے سے) جلدی؟

شکاری: شاباش! دل خوش کر دیا نوجوان! فرض کے سامنے رشتے بے معنی ہیں، تم نے یہ ثابت کر دیا۔ شاباش! شاباش! خوب ترقی کرو گے نوجوان!

چوکیدار: راکھشس۔تمھارا بہت بُرا انجام ہوگا۔

شکاری: اس وقت اپنے انجام کی سوچ لو۔(قہقہہ) نوجوان۔راستے کے پتّھر کو ہٹا دے۔توڑ کر سبھی اور میرے ساتھ چل پڑ آدم نے جو کام ادھورا چھوڑا ہے اس کو پورا کر، دیکھ کیا رہا ہے۔

سین-۱۱

آدم: چھوٹے رُک جاؤ۔چھوٹے یہ کیا کر رہے ہو؟

(مار پیٹ کا اِفیکٹ)

چوکیدار: صاحب جی۔اپنے آپ کو بچائیے۔

آدم: شکاری قریب مت آؤ، ورنہ میں تمھیں بھون ڈالوں گا۔

شکاری: (قہقہہ) اپنی سانسیں گن لو آدم۔یا پھر سانسوں کی بھیک مانگ لو مجھ سے۔

آدم: چھوٹے۔شکاری کو روک لو۔گولی چلاؤ۔گولی چلاؤ۔

شکاری: تمھارا بھائی دوست اور دُشمن کی پہچان کر سکتا ہے۔نیا خون ہے۔نئی سوچ۔نیا عمل اور نئی منزل ہے!

ساتھی: بھیا سامنے سے ہٹ جاؤ۔میرا شکار چوکیدار ہے۔تم کیوں ناحق اپنی زندگی سے کھیل رہے ہو۔

شکاری: میرا شکار آدم ہے۔اُس کو اُڑا دو۔(قہقہہ) جب میں خوش ہوتا ہوں تو کچھ ہوتا ہے۔ہو جاتا ہے۔جی چاہتا ہے کہ تمھارا گوشت پہاڑی کوؤں کو کھلا دوں مگر نہیں۔آدم کو میں یہ رعایت کیوں دوں؟ کیوں دوں؟ — غدّار کی سزا صرف موت نہیں ہوتی۔ بلکہ موت سے پہلے بھی اس کو بہت سی سزائیں بھگتنی ہوں گی تا کہ اوروں کو عبرت ہو! ہم سے دھوکہ! اپنائیت کا لبادہ پہن کر۔ گھس پیٹھ کر کے! نہیں، نہیں۔ایسا نہ ہوا ہے کبھی، نہ ہوگا۔

ساتھی: یہ کیا کر رہے ہو۔شکاری یہ۔یہ کیا کر رہے ہو۔

شکاری: جو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔اچھا ہوا جو میں نے ہتھیار سونپے نہیں تھے۔

ساتھی: تو کیا وہ آپ ہیں جو ہمیں جدید ہتھیار دینے جا رہے ہیں۔

شکاری: ہاں۔اب تم کمانڈر رہو۔اس لیے تمھیں سامان ملے گا۔باندھ لوان مکّاروں کو،اور میرے ساتھ آ ؤ۔

سین-۱۲

آدم: تمھیں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی چھوٹو! میں تمھارا کمانڈر ہوں۔رہبر ہوں۔

ساتھی: تھے۔اب نہیں۔جو رہبر بک چکا ہو وہ کمانڈر نہیں اور جو ساتھی بہک گیا ہو وہ دوست نہیں دشمن ہے۔اور تم۔

آدم: زبان دراز۔تمھاری یہ ہمّت۔

ساتھی: اپنا ہاتھ روک لو۔(غصّے سے) ورنہ میرا ہاتھ اُٹھ جائے گا۔

آدم: کس ہاتھ کی بات کررہے ہو۔وہ جو بغاوت کا پرچم لہرانے کے لیے زمین کی بجائے آسمان کی طرف اُٹھ رہا ہے۔

ساتھی: رہنے دو لکچر بازی۔اب نہ سوالات ہوں گے نہ جوابات ـــــ ایک ہی بات ہوگی، وہ یہ کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے۔

چوکیدار: نوجوان۔یہ تم کیا کررہے ہو۔

آدم: (چونک کر) چوکیدار تم۔(غصّے سے) کہاں گئے تھے۔کیوں گئے تھے۔

(مار پیٹ کے اِفیکٹ)

چوکیدار: میری بات تو سن لیں، صاحب جی۔نوجوان، میری بات سن لیں۔آپ نہیں جانتے ہو کہ آپ کیا کررہے ہو۔میری بات......

شکاری: کوئی سننے والا نہیں ہے یہاں (قہقہہ) چلاّؤ۔چلاّؤ مجھے تمھاری چیخوں کی آواز سن کر مزہ آرہا ہے۔

سین-۱۳

(شکاری کے درمیان ایک Wireless Message جو چوکیدار اور آدم سن رہے ہیں)

شکاری: موقع پر مر گیا۔یا (قہقہہ) ارے دوست۔ایک اچھے ڈاکٹر کا ایک اچھا، کارآمد، وفادار ہونا زیادہ ضروری ہے۔(قہقہہ) منہ سے نکالی بات۔اگر سننا نہیں چاہتے ہیں۔ایسے لوگوں کو تو گولی کی آواز ہی سنائی دیتی ہے۔کیا ضرورت تھی دشمن کے جسم سے گولی نکالنے کے لیے، ڈاکٹر بٹ کو آخری سلام۔

چھوٹو: (چونک کر) ہمارے ابّا حضور بھی ڈاکٹر ہیں۔

شکاری: ارے وہ نہیں کوئی اور۔ڈاکٹر علی محمد بٹ ہے۔ایک سرجن تھا۔خیر۔

چھوٹو: میرے والد محترم کا نام بھی......

شکاری: مان لو۔وہ نہ ہوں۔تو؟ مان لو۔وہ وہی ہوں تو؟؟ پھر کیا ہوا۔قربان ہو گئے ایک مقصد کی خاطر۔ہم کہہ دیں گے۔ایک انکاؤنٹر میں شہید ہو گئے۔یہ ایک اعزاز ہے۔جو سرکاری اعزازات سے

بالاتر ہے۔ ہم لوگ اپنے تمام رشتے ناطے ایک مقصد کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ جنگ پر جانے والا سپاہی پلٹ کر اپنے خاندان والوں کو نہیں دیکھتا ہے۔ پھر تمھاری تڑپ کیا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم نے ایک دشمن کو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پکڑ لیا ہے۔ یہ خوشی ہمارے ذاتی غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ (قہقہہ)

سین -۱۴

(شکاری کے فاتحانہ قہقہے سن کر چوکیدار اور آدم لڑکھڑا اٹھتے ہیں)

چوکیدار: (آہ بھر کر) شکاری کے یہ فاتحانہ قہقہے ہیں، مجھے یوں لگ رہا ہے کہ—

آدم: رُک کیوں گئے؟

چوکیدار: انجام کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں۔ کشیپ رشی نے ایک جھیل کا پانی نکال کر اس حسین وادی کو جنم دیا تھا۔ لگتا ہے یہ وادی پھر ایک جھیل بن جائے گی۔ لیکن اس بار خون کی جھیل ہوگی۔

آدم: بچاؤ کی کوئی صورت؟

چوکیدار: (آہ بھر کر) وہ نوجوان جن کے دماغ و دل پر شیطان حاوی ہو کر خاقان بن جانے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ وہی اس کو مجروح ہاتھیوں کی طرح کچل دیں۔

آدم: میرا بھائی خود اُس کے ساتھ ہے۔ اوروں کے بھائی بھی۔ اور میرے ہاتھ پیر بندھے ہیں۔

چوکیدار: جو گانٹھیں کھولی نہیں جاتی ہیں، ان کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور خدا نے ہمیں دانت دیے ہیں۔ ناخن دیے ہیں۔ اور ہم انسان ہیں۔ دروازے کُترنے والے چوہے نہیں ہیں ہم! بلکہ کھرچ کھرچ کر گھر میں گھسنے والے بھیڑیے بھی نہیں ہیں ہم!

(اچانک بانسری کی آواز کا اور اسیر کو Over lap کر رہی شکاری کے قہقہوں کی آوازیں)

(اچانک شکاری کی دردناک چیخ)

سین -۱۵

(ساتھی کی آواز)

چھوٹو: بڑے بھائی۔ میں نے اس کو مار ڈالا۔

آدم: کس کو مار ڈالا تم نے؟

چھوٹو: اُس وحشی درندے کو، جس نے ہماری ماں کو بیوہ بنا دیا۔ اُس کو، جو ہمیں یتیم بنانے کی خوشی میں جامِ جشن پی رہا تھا۔

چوکیدار: یہ خون۔ اُس شیطان کا ہے؟

آدم: چھوٹو، تو بھاگ جا۔ شکاری کو تم نے نہیں میں نے مار ڈالا ہے۔ تو بھاگ جا، ماں کو سہارا دینے کی

خاطر۔

چھوٹو: (سنجیدگی سے) شکاری ایک بارسوخ آدمی تھا۔اس کی موت، اس کی دی گئی سینکڑوں اموات سہہ لینے والے، کبھی برداشت نہیں کر پائیں گے۔ مصلحتاً۔ مجبوراً۔یا......آپ سب جانتے ہیں۔

آدم: جب سب جانتے ہو۔تب! اب کیوں؟

چھوٹو: جانتا ہوں کہ گرفتار ہو جاؤں گا۔سزائے موت بھی مل سکتی ہے۔مگر یہ رنج وغم کی باتیں میں کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ہاں خوشی کی بات یہ ہے کہ میں ایک شکاری کا شکار کر چکا ہوں۔سفید سفید چار سو پھیلی ہوئی برف کی چادر پر خون کی یہ لکیریں میری کہانی لکھ دیں گی! یہ لکیریں امٹ ہیں، امٹ ہیں۔

(آخری جملے کی Multiple گونج)

OO

ہم دونوں

سین -۱

(ایک پہاڑی علاقہ، زبردست برف باری ایک چوٹی پر ایک کچّا مکان یعنی گوجر کوٹھا دور سے نظر آرہاہے۔ پس منظر میں سوں سوں کی سنسنی خیز آوازیں۔ یہ منظر ہم چھاتہ لیے ایک نوجوان کے Point of View سے دیکھ رہے ہیں۔نوجوان کے چہرے پر سراسیمگی اور جوشیلے پن کے ملے جلے تاثّرات ہیں۔ وہ صدائیں دے کر اپنی ہی آواز کی گونج سن کر پل بھر کے لیے مایوس ہو جاتا ہےلیکن اگلے پل وہ پھر قوتِ ارادی کا مظاہرہ کر کے بڑبڑاتا ہوا چل پڑتا ہے)

نوجوان: (آوازیں دے کر) کوئی ہے؟ کوئی ہے جو میری آواز سن رہاہے؟ (بوکھلا کر) کوئی بھی نہیں ہے؟ اس ویران جگہ اور وہ بھی اس برفیلے طوفان میں کون ہوسکتا ہے۔ (کھوکھلا قہقہہ) کوئی آسیب ہی مل جاتا۔ (آہیں بھر کر) کہاں جارہے ہو...... (بوکھلا کر) خونخوار درندہ ہی نظر آتا۔ (ہنسی) اس کی How do you do? پوچھتا۔

سین -۲

(نوجوان بڑبڑاتا ہوا چل پڑتا ہے)

نوجوان: چل تو رہا ہوں مگر منزل کی طرف یا منزل سے دُور......؟ معلوم نہیں! اگر ایک راستہ برف کے تودوں سے بند ہو چکا ہے تو اس علاقے میں آنے جانے کا کوئی دوسرا راستہ تو ہوگا۔ (یہ بڑبڑاتے ہی وہ ایک آواز سن کر چونک جاتا ہے)

(ایک الاپ کے بعد بہت دور سے سنائی دے رہا فقیر کا گیت نمبر A غور سے سن کر نوجوان چاروں طرف نظریں دوڑا کر پھر کوٹھے کی طرف چل پڑتا ہے)

(چاروں طرف برف ہی برف ہے اور فضا میں فقیر کا درد بھرا گیت گونج رہا ہے مگر یہ کون گا رہا ہے یہ دکھائی نہیں دیتا)

سین -۳

(پس منظر میں گانا نمایاں طور پر سنائی دے رہا ہے اور کوٹھے کے اُدھ کھلے دروازے سے بوڑھا

جھانک رہا ہے اور نوجوان کو کوٹھے کے قریب آتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ گانا رفتہ رفتہ Dissolve ہوتا ہے اور بوڑھا دروازہ بند کر کے Bon Fire میں لکڑیاں ڈالتے ہوئے پراسرار طریقے سے آس پاس کا جائزہ لے رہا ہے)

سین -۴

(کوٹھے کا اندرونی حصّہ۔ ایک بوسیدہ کمرہ، کمرے میں لکڑیاں، چند مٹّی کے برتن اور ایک چراغ جس میں باتی ہے مگر تیل نہیں۔ مگر دیوار پر دھوئیں کے نشان جس سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی تو یہ چراغ جل رہا تھا۔

دروازہ کھلتا ہے اور نوجوان کمرے میں داخل ہو کر جونہی دروازہ بند کر کے پلٹتا ہے، بوڑھے کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے۔ بوڑھا بھی چوکس ہو جاتا ہے۔ چند لمحات کے لیے دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر لاتعلقی کا بے باکی سے اظہار کرتے ہیں۔ پھر اچانک آگ کی آنچ سینکتے ہوئے جب دونوں کی آنکھیں چار ہوتی ہیں تب دونوں سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر ایک دوسرے سے بیک وقت ایک ہی سوال پوچھتے ہیں)

دونوں: تو کیا تم گا رہے تھے......؟

دونوں ایک دوسرے کی کیفیت بھانپ لیتے ہیں اور پھر لاتعلقی کا اظہار کر کے الگ الگ کونوں میں بیٹھ جاتے ہیں مگر دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں)

سین -۵

(کمرے کے اندر ہو رہی کارکردگی کے مناظر مختلف Segments میں دیکھے جاسکتے ہیں) ہر Segment میں دونوں کرداروں کے تجسّس اور تذبذب کے Reflection نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔ دو Segments کے درمیان کے وقفوں میں کبھی بوڑھے اور کبھی نوجوان کے Point of view سے برفیلے طوفان، برف سے جھکے درختوں کی شاخوں یا آس پاس جمع ہو رہی برف کی تہیں دیکھتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ کر کے اپنے ڈگمگا رہے اعتماد کو اعتقاد سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر Segment میں تناؤ یا ٹکراؤ کی صورت اختیار کر کے حالات کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی دشمنی کے ارادے کبھی دوستی کے جذبات اُبھرتے رہتے ہیں۔ دراصل یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کے مقصد سے ایک Mission پر ہیں)

(دونوں ایک دوسرے کو اپنی لاتعلقی کا اظہار کر کے سوچ رہے ہیں اور Thought process میں اپنے سوچ اور خدشات کا اظہار کرتے ہیں)

نوجوان: یہ بوڑھا وہ نہیں ہوسکتا جو گارہا تھا۔اس کی آواز میں دھنک تھی۔(ہنسی) اوراس کی آواز میں پھولتے ہوئے سانسوں کی کھنک۔

بوڑھا: یہ نوجوان اس گھر کا مالک نہیں ہوسکتا ہے۔ ہوتا تو ایک اجنبی کو دیکھ کر چونک پڑتا۔ مجھ سے سوالات کی بوچھار کرتا! میلے میں شریک ہونے آیا ہوگا (چونک کر) کہیں یہ وہ تو نہیں ہے؟ ہوسکتا ہے وہی ہو۔ ورنہ اس برفیلے طوفان میں یہاں کیوں آتا؟ کریدنا ضروری ہے جانکاری حاصل کروں تو اطمینان کی سانس لوں!(یہ جملے وہ Thought Process میں Pause دے کر اور چند الفاظ پر Stress ڈال کر بولے گا اور چہرے پر مصنوعی تاثرات لاکر ایک کونے میں پڑے آلو آگ میں ڈال کر نوجوان سے رسمی انداز میں اپنے خلوص کا مظاہرہ کر کے بات چیت کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔ نوجوان بھی Ouick positive response دے کر بوڑھے کے سامنے بیٹھا کبھی Bon Fire کے دہکتے ہوئے انگاروں کو دیکھتا رہے گا اور کبھی معنی خیز نظروں سے بوڑھے سے بھنے ہوئے آلو لے کر کھاتا رہے گا۔

نوجوان: (ہنسی) کڑاکے کی سردی میں آگ میں حرارت ہے؟

بوڑھا: (ہنسی۔ پھر کھانستے ہوئے) میرے ٹھٹھرتے ہاتھ بھی آلو کو چھیل نہیں سکتے تم بھی کوشش کرو۔

نوجوان: ہاں بھوک تو لگی ہے۔(دونوں آگ سے آلو نکال کر چھیلتے ہیں اور کھاتے کھاتے منہ کے جلنے کے باوجود باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں)

بوڑھا: برف کے تودے سے پُل دب گیا ہے اب نہ گاؤں جاسکتے ہیں اور نہ شہر۔

نوجوان: ہاں میں دیکھ آیا ہوں، تم بھی میلے میں...... (اپنی بات خود ہی کاٹ کر) راستہ تب کھلے گا جب تودہ پگھل جائے گا یا کوئی تودے کو نگل جائے۔

بوڑھا: سردیوں کی دھوپ میں بڑھاپے کی تپش ہوتی ہے نہ جانے راستہ کتنے دنوں بند رہے گا۔

نوجوان: کیا گاؤں والے بھی تب تک شہر سے کٹ کر رہ جائیں گے؟

بوڑھا: گاؤں یہاں سے بہت دُور ہے اور گاؤں والے اپنے گھروں میں۔ تم کیا پہلی بار اس علاقے میں آئے ہو؟

نوجوان: اور تم؟

بوڑھا: (سوچ کر جواب دیتا ہے) گاؤں سورگ جیسا ہے اور یہ میلہ پانچ سال کے بعد آتا ہے، مگر میں آتا جاتا رہتا ہوں (ہنسی) اب پوچھو گے کیوں کس لیے؟ تو جواب ہے یہاں جڑی بوٹیاں لینے آتا ہوں۔

نوجوان: کیا تمھیں دمے کی بیماری ہے؟

بوڑھا: ہاں، (تلخ مسکراہٹ) یہی تو ایک بیماری ہے جو خود اپنے سانسوں کو گنوا دیتی ہے۔ نہ چھپائی جاتی ہے اور نہ دبائی جاتی ہے۔

نوجوان: (بوڑھے کو دیکھتے ہوئے (Thought process) چھپائی جاتی تو میں کیسے جان پاتا کہ تم، تم ہو!

بوڑھا: کیوں دُکھ ہوا جان کر؟

نوجوان: تعجّب ہوتا ہے۔

بوڑھا: کیوں؟ بیماری یہ نہیں سمجھا رہی ہے کہ......

نوجوان: سردیوں میں بیمار کو گھر سے نکلنا ہی نہیں چاہیے۔

بوڑھا: (بات کاٹ کر) عادت سی پڑ گئی ہے عادت ڈال ڈال کر بطخ پر پانی ٹھہرتا نہیں، یہ سوچ کر! ٹھنڈے پانی میں مچھلی مرتی نہیں یہ سمجھ کر!

نوجوان: خود کو داؤ پر لگا چکے ہو بوڑھے!

بوڑھا: (آہ بھر کر) دل بھر آیا ہوگا۔ مگر تم اس دُور دراز علاقے میں کیوں آئے ہو؟

نوجوان: یہ سچ ہے کہ گاؤں کے میلے میں شریک ہے اور جو یہاں رہتا ہے اس نے کھانے پینے کا سامان تو رکھا ہوگا۔

بوڑھا: ہاں! یہاں کوئی رہتا ہے اس میں یہاں، مگر کون؟ جب میں آیا تھا تو آتش دان کی راکھ کے نیچے چند انگارے تھے۔ یہ الاؤ میں نے پیدا کیا۔ یہ سوچ کر کہ دم لے لوں پھر آگے چلوں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہیں تم مجھے؟

نوجوان: نہیں تم گھر کے مالک ہوتے تو مجھے پناہ دینے سے پہلے پوچھ تاچھ کرتے۔ (ہنسی)

بوڑھا: ہاں مالک جنگجو یا انسانی رشتوں کا غلام، پوچھ تاچھ کر لیتا ہے۔ کچھ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ دوسرے کا بچاؤ کرنے کے لیے۔ میں خود۔

نوجوان: (بات کاٹ کر) یہاں آئے نہیں، بھیجے گئے ہو۔ مجبور ہو، بے بس ہو، بیمار ہو، لیکن پھر بھی آئے ہو۔

بوڑھا: مگر کمزور نہیں۔ اس لیے حالات کا مقابلہ کرنے آیا ہوں۔

نوجوان: (قہقہہ) آج کل نہ تو کسی کو دنگل میں حصہ لینا ہوتا ہے اور نہ تلوار بازی میں جیت ہار کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ ایک کمزور بچہ بھی بم سے ٹینک کو اڑا سکتا ہے بٹن دبا کر۔

بوڑھا: (Thought Process میں) یہ لڑکا مجھے للکار رہا ہے غالباً۔ یعنی میرا اندازہ صحیح نکلا یہ وہی ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔

نوجوان: (حیران ہو کر) تم مسلمان ہو؟

بوڑھا: ہاں! مسلمان کے لیے عقیدت ہی دنیا کی واحد حقیقت ہے، کیوں، مسلمان ہونا کوئی جرم ہے؟ اگر ہے تو مجھے اپنے اعتقاد پر مر مٹنے کی خاطر جزا ملے یا سزا۔ میں اس کو مرضیِ خدا سمجھ کر قبول کر لوں گا۔

نوجوان: نہیں نہیں۔ ہمارے خون میں ابھی بہت نمک ہے۔ ہمارا خون سفید نہیں ہے۔ بڑے میاں! تم نماز ادا کرو، و پہرہ میں دوں گا تمھاری عبادت کا پہرہ دار بن کر۔

(بوڑھا نماز پڑھتا ہے جب کہ نوجوان ایک کونے میں کچھ کھانے کا سامان تلاش کرتے ہوئے سوچتا ہے)

نوجوان: (Thought Process) یہ مسلمان ہے مگر جس کی مجھے تلاش ہے وہ ہندو ہے! اچھا ہوا جو میں نے غلط آدمی کو دیکھتے ہی نہیں مارا۔

(نوجوان ایک کونے میں رکھا کھانے پینے کا سامان ڈھونڈ کر Exit ہو جاتا ہے۔)

نوجوان: مل گیا۔

بوڑھا: (چونک کر) کیا؟

نوجوان: قہوے کی پتی۔ کھانڈ اور، اور بھی بہت کچھ۔ (معنی خیز نظروں سے بوڑھے کو دیکھ کر) تم نے نماز ادھوری چھوڑ دی، کیا یہ گناہ نہیں ہے؟

بوڑھا: (آواز میں لرزش) ہاں ہاں ایک گناہ ہے۔ سنگین گناہ۔ لیکن ہندو ہو کر تم یہ کیسے جانتے ہو؟

نوجوان: (مسکرا کر) کیونکہ پوجا ادھوری چھوڑ کر کسی کی باتیں سننا اور پھر باتیں کرنا بھی پاپ ہے۔ کیوں میں نے کوئی غلط بات کی؟ نہیں تو (سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر) کچھ آیا خیالِ شریف میں؟

(طنزیہ قہقہہ)

بوڑھا: ہاں، کچھ سمجھ گیا ہوں۔

نوجوان: (قہقہہ) تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں گرم گرم قہوہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔

(بوڑھا خاموش ہو جاتا ہے جبکہ نوجوان ہونٹ یوں ہلا رہا ہے جیسے منتروں کا جاپ کر رہا ہو۔ قہوہ اُبل رہا ہے اور دونوں آگ پر رکھے برتن کو دیکھ رہے ہیں)

Dissolve

سین - ٦

(بوڑھا کولہو کے بیل کی طرح آگ کے اِرد گرد چکر لگا رہا ہے جس سے اس کے ذہنی تناؤ کی عکاسی ہو جاتی ہے)

بوڑھا: (خود کلامی) میرا شک یقین میں بدلنے سے پہلے اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوا تو؟ ہو سکتا ہے یہ وہ نہ ہو۔ بلکہ جوانی کے جوش میں پہاڑوں کی سیر کرنے نکلا ہو؟ اس بار یہ پہلی برف باری بھی تو تھی قبل از وقت ہوئی ہے نا؟

(Suspense بڑھتا جا رہا ہے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ بوڑھا چونک پڑتا ہے مگر چہرے پر مصنوعی تاثرات لا کر نوجوان کو دیکھ کر فکرمندی کا احساس دلا کر گفتگو کا آغاز کرتا ہے)

بوڑھا: (کرید کر) دروازہ بند کیوں کیا؟

نوجوان: (حیران ہو کر) کوئی اور آنے والا ہے کیا؟

بوڑھا: میں سمجھا تمھارا کوئی ساتھی......؟

نوجوان: اس بیابان میں ساتھی؟ (بے ساختہ ہنسی) ہاں اگر شکار مل جاتا تو اس کو ساتھ لے آتا۔ (دونوں ہنس پڑتے ہیں اور آتش دان کے پاس آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چند جملے بول کر خاموش ہو جاتے ہیں اور کبھی دہکتے انگاروں کو دیکھ کر ایک دوسرے کو کرید کرید کر معلومات حاصل کرتے ہیں)

بوڑھا: اچھا کیا جو لوٹ کر آئے۔ اندھیرا ہو جاتا تو تمھیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

نوجوان: (قہقہہ) لیکن میرا شکار کرنے والے درندوں کو اندھیرے میں نظر آتا ہے۔ سب!

بوڑھا: یہ جانتے ہوئے بھی تم۔

نوجوان: ہاں مقصد کے لیے ایسی باتیں بے مطلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ (معنی خیز نظروں سے دیکھ کر) باہر دھند ہے۔

بوڑھا: اور یہاں دُھواں ہے! میرے لیے دونوں کا اثر ایک جیسا۔

نوجوان: سرسبز پتہ دھویں سے اپنا رنگ کھو دیتا ہے۔ لیکن ایک زرد پتہ کیا کھو سکتا ہے؟ (بے ساختہ طنزیہ ہنسی)

بوڑھا: تمھاری باتوں میں جھیل کی گہرائی ہے۔

نوجوان: اور نظر بھی ایک چیل کے مانند ہے۔

بوڑھا: چیل تو کیا باز بھی دھند میں نہیں اُڑتے ہیں۔

نوجوان: (آہ بھر کر) وہ اپنے فیصلہ خود کرتے ہیں، حکم کی تعمیل نہیں۔ ہم جیسے لوگ، خیر جانے دو۔

(بوڑھا نوجوان کی باتیں سن کر Stunt ہو جاتا ہے)

بوڑھا: لو آلو کھالو۔ (ہنسی) سرد ہواؤں میں گرم بھاپ کا مزہ بھی لو۔

نوجوان: جس گھر میں آگ جل رہی ہو، دیوار پر چراغ سے اُٹھی دھویں کی تازہ تازہ لکیریں ہوں، ظاہر ہے وہاں کوئی رہتا ہوگا، من کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، لیکن گاؤں بہت دُور ہے۔ شاید پہنچ نہیں پاؤ گے۔ شاید مرادیں یہاں بیٹھے بیٹھے ہی پوری ہو جائیں۔

بوڑھا: (حیرت سے) وہ کیسے؟

نوجوان: سفید ریچھ کو برفیلے طوفان میں شکار ملتا ہے۔

بوڑھا: تم ایک شکاری ہو۔

نوجوان: ہاں!

(اپنے بیگ سے AK-47 نکالتا ہے تو بوڑھا بھی چوکس ہو کر اپنی پستول کو اپنے کپڑوں کی آڑ میں نشانہ بنا لیتا ہے)

نوجوان: برف باری تھم جاتی تو دیکھ لیتا تو کوئی مرغابی مل جاتی۔ جنگل میں منگل ہو جاتا۔

(اچانک بوڑھے پر دمے کا زبردست دورہ حاوی ہو جاتا ہے۔ نوجوان بندوق پھینک کر بوڑھے

کے گلے میں Spray کرتا ہے۔ بوڑھا بھی پستول چھوڑ کر نوجوان کی آغوش میں ہانپتا ہے۔ دونوں پر بے بسی اور عذاب کی کیفیت طاری ہوتی ہے پس منظر میں تذبذب کی عکاسی کرنے والی صورتِ تاثرات)

سین -۷

(نوجوان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس کے چہرے پر تذبذب کے تاثرات نمایاں طور پر عیاں ہوتے ہیں۔ بوڑھے کی حالت سنبھل جاتی ہے تو نوجوان دروازہ کھول کر جاتے جاتے بولتا ہے اور دروازہ بند کرتا ہے)

نوجوان: برف باری بند ہو چکی ہے میں راستہ تلاش کروں گا اور تمھیں واپس شہر لے جاتا ہوں۔

(بوڑھا اپنے آپ کو سنبھال کر جونہی ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر جب زبردست برف باری دیکھتا ہے تب وہ لرز اٹھتا ہے۔ دروازہ بند کر کے دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر وہ بڑبڑاتا ہے)

بوڑھا: مجھے گولی چلانی چاہیے تھی۔ لیکن وہ بھی تو باتیں کرنے کی بجائے گولیاں چلا سکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ میری قیاس آرائی غلط ہو اور یہ لڑکا وہ نہ ہو کوئی اور ہو؟

(نوٹ: بوڑھے کے مکالموں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ کھانس بھی رہا ہے)

بوڑھا: (خود کلامی) مگر جھوٹ کیوں بولا! برف باری تو ہو رہی ہے! کیا وہ مجھے پہچان گیا ہے؟ ہاں ہاں وہ جان گیا ہے میں کون ہوں! پھر وہ جھوٹ بول کر باہر کیوں چلا گیا؟ کیوں؟ کیا کرنے؟ کہیں وہ! نہیں نہیں گرفتار کروانے سے اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا! اپنے دوسرے ساتھیوں کو بلانے گیا ہوگا شاید؟

(دروازے بند کر کے ایک گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ پس منظر کے Suspense کو Boost کرن کے لیے Sound۔

سین -۸

(کمرے میں آتش دان میں جل رہی لکڑیوں کی لال روشنی۔ دونوں آگ کے قریب لیٹے ہوئے یہ ظاہر کر رہے ہیں جیسے گہری نیند سو رہے ہیں مگر دونوں جاگ رہے ہیں اور چادر کی آڑ سے ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے ہیں)

بوڑھا: کیوں کیا ہوا؟

نوجوان: جب کچھ ہوگا دیکھ لیں گے۔ ایک سوال پوچھوں۔

بوڑھا: پوچھ بھی لو چھوٹے میاں۔

نوجوان: نیند نہیں آرہی ہے، یا تم سونا نہیں چاہتے؟

بوڑھا: تمھیں کیا لگ رہا ہے؟

نوجوان: (قہقہہ) اپنی مرضی کا کام نہ ہو تو (بے ساختہ ہنس کر) نیند اُڑ جاتی ہے۔ خون جل اُٹھتا ہے۔
(گنگنا کر طنزیہ لہجے میں قوالی کے انداز میں):

میں یہاں رہوں یا باہر جاؤں
کوئی یہ تو بتا دے کہ میں کیا کر پاؤں
شکار بن جاؤں یا شکاری بن جاؤں
مسجد میں نہ آئے گر میں کیا دکھاؤں

(بوڑھا نوجوان کی کیفیت بھانپ تو لیتا ہے مگر Reaction دینے کی بجائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر اپنی پھولتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے)

نوجوان: تم بھی گاؤ نا بڑے میاں۔ تال سے تال ملا کر۔ میرے ساتھ ساتھ گاؤ۔ صدقہ اُتاریں یا پھر پڑھیں۔ کچھ تو کرنا ہے اگر ہم دونوں کو۔ پھر کیوں نہ سنگرام کی پہل خود کریں یا اوروں سے کروائیں۔

(نوجوان بوڑھے کا چہرہ دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے اور پھر سنجیدگی سے پوچھتا ہے)

نوجوان: جڑی بوٹیوں نے برف کی چادر کی اوڑھ لی ہے۔ بھول جاؤ دنیا کے سارے غم، کون کس کے قصیدے پڑھے گا اور کس کے مرثیہ پر کس کس کی آنکھیں ہوں گی نم۔ تمھیں شاعری سے لگاؤ ہے تو میں بھی سناؤں حالِ دل! خیال بُرا نہیں۔ وقت گزر جائے اور جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ سوتے سوتے اگر کسی نے کسی کو...... (بات ادھوری چھوڑ دیتا ہے) خیر سناؤ۔ (الفاظ پر Stress دے کر حالِ دل اپنا)

یہ سنی سنائی حکایت نہیں ہے
خود پر بیتی کہانی ہے (کھانسی)
آفتوں کے دور میں ظلم کی کہانی
مظلوم کی زبانی ہے (کھانسی)
درخت تھرتھرایا تھا
شاخیں کانپ رہی تھیں
اور پتے گرتے جاتے تھے
پتے گرتے جاتے تھے
پتے شاخوں سے بچھڑ کر
اُڑتے اُڑتے دُور کہیں
گر جاتے ہیں اور سڑ جاتے ہیں

جیسے دہشت کی آندھیوں سے
بچّے ماں سے بچھڑ کر
بھوکے ننگے (کھانسی)
اُجڑے اکھڑے (کھانسی)
بیابانوں میں نظر آتے ہیں
اور ہم جیسے بوڑھے اور جوان
یہ منظر دیکھتے رہتے ہیں۔ دیکھتے رہتے ہیں۔ دیکھتے۔

(Old mind's emotioned out brust)

نوجوان: (آہ بھر کر) بڑے میاں بھوکے ننگے بچّوں کی فکر چھوڑ کر اپنی جان کی فکر کرو۔ ایک تو دَمے کی بیماری یعنی قہرِ خدا، اور پھر بارود کی تباہی یعنی قہرِ آدم، تمھارے لیے موت کا پیغام لا چکی ہیں۔ حالات کو بھانپ لو۔

بوڑھا: (Thought Process) لگتا ہے میں نے اپنا حالِ دل اس کو سنایا ہے جو میرے کلیجے کو چیرنے کے لیے یہاں آیا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ مجھے مار کیوں نہیں ڈال رہا ہے۔

نوجوان: یوں ٹکٹکی لگا کر مجھے دیکھتے رہوگے تو میں......تو میں......تو......

بوڑھا: کہتے کہتے رُک کیوں گئے۔

نوجوان: (بوکھلا کر) تمھیں موت سے ڈر نہیں لگ رہا ہے۔

بوڑھا: (آہ بھر کر) زندگی کا سودا کر کے یہاں آیا ہوں۔ میرے مالک نے میرا بیس لاکھ کا بیمہ کرایا ہے۔ میرا اپنا کرایا ہوا بیمہ بھی ایک لاکھ کا ہے۔ تخریب کاری کے شکار کو بھی اب پانچ لاکھ ملتے ہیں۔ مالک نے جو کام دیا ہے وہ پورا کر دوں تو میرے بیٹے کو بھی ڈاکٹری میں داخلہ ملے گا۔ ہاں۔ وعدہ کیا ہے! اور میرا بکھرا گھر پھر بس جائے گا۔

نوجوان: اور اگر تم ہی نہیں رہے تو؟

بوڑھا: سوکھا پیڑ ہوں۔ اپنا سودا خود ہی طے کر کے یہاں آیا ہوں۔ اب ہوا کے جھونکوں سے گر جاؤں۔ یا پھر کلہاڑی سے کاٹا جاؤں۔

(نوجوان بوڑھے کی باتیں سن سن کر جذباتی اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور آتش دان کی جلتی ہوئی لکڑیوں کو کھرچ کھرچ کر شعلوں کو بھڑکا دیتا ہے۔ چنگاریاں اُٹھ رہی ہیں جیسے شب خون کا دید ہو۔ نوجوان پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور کولہو کے بیل کی طرح کمرے کے اندر چکر لگاتے اُبل پڑتا ہے)

(بوڑھا نوجوان کا ایک مختلف ڈراؤنا رُوپ دیکھ کر پہلے لرز جاتا ہے اور پھر اپنے چہرے کو چادر سے ڈھانپ کر نوجوان کی باتیں سن لیتا ہے۔)

نوجوان: واہ کیا سوچ ہے۔ مرنے میں فائدہ، اور مارنے میں بھی فائدہ!
(تلخ مسکراہٹ کے ساتھ زبردست غصّے اور احتجاج کے ملے جلے تاثرات)

سین-۹

(پس منظر میں ایک درد بھرے آلاپ کا Fade in۔ دونوں ادھ کھلے دروازے سے جھانکتے ہیں)

بوڑھا: کہیں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ شاید میری نظر کمزور ہے۔

نوجوان: دھند میں نزدیک کی چیز دیکھی جاتی، پھر دور کہیں گانے والا کیسے نظر آئے گا۔

بوڑھا: میں اکیلا آواز سن لیتا تو سمجھ نہیں لیتا کہ میرے کان بج رہے ہیں لیکن ہم دونوں کے کان۔ (ہنسی)
(بوڑھے کو ہنسی کے ساتھ دَمے کا زبردست دورہ پڑ جاتا ہے۔ نوجوان دروازہ بند کر کے بوڑھے کو سہارا دے کر آگ کے قریب لے جاتا ہے تو بوڑھا اشاروں سے نوجوان کو سمجھا دیتا ہے کہ وہ اس کے ہاتھ میں گلے کا Sprayer لا کر دے۔)
(نوجوان بوڑھے کی حالت دیکھ کر گھبرا جاتا ہے)

نوجوان: (Thought process) میں جو سمجھ رہا تھا، غلط تھا۔ بوڑھا واقعی دَمے کا مریض ہے۔ میری ماں کی طرح۔
(بوڑھا گلے میں Spray کر کے تھوڑا سنبھل جاتا ہے۔ مگر اس کی سانسوں کے ساتھ سیٹیاں بجتی ہیں)

نوجوان: یہ سرد ہوائیں دَمے کے مریض کے لیے ملک الموت کی صدائیں ہیں۔

بوڑھا: (مشکل سے بول پاتا ہے) جانتا ہوں۔

نوجوان: جان کر بھی انجان بننے والا یا تو نادان ہے یا پھر احمق۔

بوڑھا: ایک مجبور انسان بھی۔ (دَمے کا زبردست دورہ)

نوجوان: رہنے دو۔ پھر سن لوں گا تمھاری داستانِ حیات۔ ابھی آرام کرو۔ میں تمھارے لیے قہوہ بنا لاتا ہوں۔ جانتے ہو، قہوے میں تاثیرِ مسیحائی ہے۔

بوڑھا: تم ڈاکٹر ہو؟

نوجوان: (آہ بھر کر) ڈاکٹر بن جانا چاہتا تھا۔

بوڑھا: میرے بیٹے کی طرح۔

نوجوان: میری ماں بھی دَمے کی مریضہ تھی۔

بوڑھا: تھی؟

نوجوان: ہاں، تھی۔ ابّا کی گولیوں سے چھلنی لاش دیکھ نہیں پائی۔ (نوجوان کا ایک Emotional Out Brust)

بوڑھا: (تسلیاں دیتے ہوئے) مت رو میرے بچّے۔ ہم جیسے لوگوں کا آغاز بھی دردناک ہوتا ہے اور انجام بھی المناک۔ (دَمے کا دورہ)

(نوجوان قہوہ بناتا ہے اور بوڑھا ایک گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے)

بوڑھا: (Thought Process) میرا شک بے بنیاد ہے۔ یہ وہ نہیں ہے۔ ایک ہمدرد انسان کے اندر شیطان چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ نہیں یہ معصوم لڑکا قاتل نہیں ہوسکتا۔ اچھا ہوا جو میں نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ (سوزیدہ صوتی اثرات)

(بادلوں کے گرجنے کی خوفناک آواز۔ نوجوان کے چہرے پر مایوسی کے تاثّرات۔ دونوں اپنے اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور فضا میں بوڑھے کے گیت کی دُھن وائیلن پر سنائی دے گی)

Dissolve

سین-١٠

(برف باری تھم گئی ہے اور زمین کے علاوہ درختوں پر برف کی چادر ہے۔ برف کی چادر پر قدموں کے نشانات اور پس منظر میں گیت نمبر B)

(کوٹھے کا اندرونی حصّہ۔ بوڑھا اور نوجوان آمنے سامنے بیٹھے ہیں)

نوجوان: تمھیں کیا لگ رہا ہے کہ اس کوٹھے کے مالک کو کسی پر شُبہ ہوگا یا وہ خود تنہائیوں سے گھبرا کر بھاگ گیا ہے۔

بوڑھا: کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن آواز کس کی ہے۔ کون ہے یہ درد بھرے گیت گانے والا۔ کہیں وہ بھی......

(دونوں ایک دوسرے کے چہرے سے چہرہ ملا کر دروازے سے جھانک کر دور دور تک نظریں دوڑاتے ہیں مگر برف ہی برف کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہے)

نوجوان: (آہ بھر کر) ایک اور رات بیت گئی۔

بوڑھا: (آہ بھر کر) جانے ایسے ہی کتنی راتیں اور کتنے دن گزر جائیں گے۔ (چونک کر) ارے تمھارے بدن میں اس آگ سے بھی زیادہ تپش ہے۔

نوجوان: بخار ہوگا۔ کبھی کبھی آتا رہتا ہے۔ (Thought Process) میں کیسا انسان ہوں جو بوڑھے کے دَمے کی تکلیف دکھاوٹ کے لیے ایک بناوٹ سمجھ رہا تھا۔

بوڑھا: تم کچھ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟

نوجوان: سوچ رہا ہوں کہ آغاز یہ ہے تو انجام کیا ہوگا۔

بوڑھا: کس کا؟ میرا یا تمھارا۔

نوجوان: ہم دونوں کا؟ (دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں)

(صوتی اثرات رنج و غم کی عکاسی کریں گے)

Dissolve

سین-II

(بوڑھا دَمے سے ہانپ رہا ہے اور نوجوان اس کے لیے بہت ہی Caring تیور دِکھا رہا ہے)

بوڑھا: میں شاید یہاں سے نکل نہیں پاؤں گا۔ مگر تم تب نکل جانا جب گانو والے پُل سے برف کے تودے ہٹالیں گے۔

نوجوان: برف باری تھم جائے، دھند چھٹ جائے۔ تب ندی پار کر کے جاسکتا ہوں۔ وہ بھی اگر کام کر پاؤں۔

بوڑھا: کون سا کام؟

نوجوان: (سوال ٹال کر) ندی گہری نہیں ہے اور میں ایک انعام یافتہ تیراک ہوں۔

بوڑھا: تیراک دریا کی موجوں کے ساتھ کھیل سکتا ہے، ٹھنڈے پانی کی لہروں سے نہیں۔ (ہنسی) تمھاری باتیں سن کر مجھے اپنے بیٹے کی یاد آتی ہے۔ تمھاری عمر کا ہے۔ بہت ذہین مگر بد بخت۔ ڈاکٹری میں داخلہ نہیں ملا۔ روٹھ کر چلا گیا۔

نوجوان: کہاں؟

بوڑھا: جانے کہاں؟ یہ کہہ کر گیا تھا کہ طوفان اور دِیے کی کہانی اب بہت پرانی ہوگئی ہے۔ اب آگ کی آگ سے لڑائی ہے۔ جیت گیا تو کندن بن کر سامنے آؤں گا، ہار گیا تو جل کر راکھ بن جاؤں گا اور اس راکھ سے نیا جنم لوں گا۔ ایک بیج سے ایک تناور چنار بن جاؤں گا اور آندھیوں اور طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلے کر کے اپنی شاخوں پر بنے ہوئے گھونسلوں میں نئی بستیاں بساؤں گا۔

نوجوان: (Thought Process) داستانیں تو ملتی جلتی ہیں۔ کہیں اس بد بخت بوڑھے کا بیٹا بھی......

بوڑھا: میں جانتا ہوں تمھارا دل بھر آئے گا۔ ورنہ جانے میں کیا کر بیٹھا ہوتا۔

نوجوان: (Thought Process) اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ بوڑھا وہی ہے۔

بوڑھا: لگتا ہے تم جذباتی ہوگئے ہو۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ Donation کے لیے رقم حاصل کروں اور اس کو واپس لے آؤں۔

نوجوان: (غصّے سے الفاظ پر Stress دے کر) یہ کیسے کیسے کھیل کھیل جا رہے ہیں؟ کھیل کھیلنے والوں میں ایک کی جیت ہوتی ہے۔ اور دوسرے کی ہار۔ اس کھیل میں دونوں مارے جاتے ہیں اور جیت کا دعویٰ تیسرا شخص کرتا ہے۔

بوڑھا: (چونک کر) تم کہنا کیا چاہتے ہو۔

نوجوان: بناوٹ کا پردہ موم کی طرح پگھل گیا۔ اس لیے! انسان کے بھیس میں شیطان نظر آنے لگا۔ اس لیے قدرت کو اصلیت دکھانے کے لیے بے وقت کی برف باری کا سہارا لینا پڑا۔ (تلخ مسکراہٹ) گویا اوپر والا بھی سہاروں کا محتاج ہے۔ نہ تم گاؤں پہنچ پائے۔ (زہریلی مسکراہٹ) اور نہ میں۔

(ایک کھوکھلا قہقہہ۔ پھر چند لمحات کی خاموشی) تم مجھے مارتے یا میں تمھیں مارتا، فسادات ہوتے۔ وجہ ہوتی ایک مریض کا ناحق قتل یا ایک معصوم کا بے رحمانہ قتل۔ قاتل ہندو یا پھر مسلمان! جو گولی کھا کر مرتا۔ شہید کہلواتا۔

بوڑھا: نوجوان! جو کہنا ہے صاف صاف کہہ دو۔ اور ہاں۔ تمھارے بدلے ہوئے لہجے کی مجھے پرواہ نہیں مگر جو بھی بولو گے، آواز نیچی نہیں ہوگی۔ یہ جان لو کہ ایک بیمار شیر ایک طاقتور بلی کو دبوچ لے گا، اگر ضرورت پڑے تو۔ نوجوان مونچھیں چوہے کی ہوتی ہیں لیکن وہ شیر بھی نہیں کہلاتا ہے۔

نوجوان: کاش میں نے تمھارے چہرے میں اپنے مرحوم باپ کے عکس نہ دیکھے ہوتے۔

بوڑھا: غلطی کی میں نے جو تم میں اپنے بیٹے کے عکس دیکھنے کی کوشش کی ورنہ مسائل سے پہلے تمھارا مسئلہ حل کر دیتا۔

نوجوان: میں بھی ایسا ہی کر سکتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم کون ہو کیا ہو، میں نے تمھاری تیمارداری کی۔ کی نا؟ جانتے ہوں کیوں؟

بوڑھا: کیوں؟

نوجوان: یہ سوچ کر کہ انسان کوئی بکرا نہیں جس کو قربان کر کے ایک خاندان کی بدبختی کو خوش بختی میں بدلا جا سکے؟

بوڑھا: کیا مطلب ہے؟

نوجوان: مطلب یہ ہے کہ جو وعدے تمھارے بیٹے سے کیے گئے ہیں وہی وعدے مجھ سے بھی کیے گئے ہیں۔

بوڑھا: (چونک کر) کس نے؟

نوجوان: جس نے تمھیں غلام احمد کا نام دے کر یہاں بھیجا ہے، حوالدار رام داس۔

بوڑھا: (چونک کر) اور تمھیں بشیر احمد سے بھوشن کمار بنا دیا۔

نوجوان: مجھ سے کہا گیا تھا کہ ہندو بن کر مسلمان کو مار ڈالو۔

بوڑھا: اور مجھ سے کہا گیا تھا مسلمان بن کر ہندو کو مار ڈالو۔

نوجوان: (Tense ہو کر) یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کس کی خاطر ہو رہا ہے؟ ہندوؤں کے لیے یا مسلمانوں کے لیے؟ (دونوں دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور غم کے آنسو پی رہے ہیں)

بوڑھا: کیا معلوم یہ گھر ہندو کا ہے۔

نوجوان: یا مسلمان کا......؟

(یہ کہہ کر وہ ایک گیند کی طرح اُچھل کر بوڑھے کے کندھے پر پستول رکھ کر اس کو اپنا پستول نکالنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اس کے چہرے پر تجسس اور تذبذب کے تاثرات)

بوڑھا: گولی چلاؤ بیٹے۔ گولی چلاؤ۔ کیا سوچ رہے ہو؟ تم نے ٹھیک ہی کہا۔ ہم میں سے ایک کو مرنا ہی ہوگا۔

تم مجھے مار ڈالو گے تو میرے گھر والوں کو میرے مرنے کے بہانے کا معاوضہ مل جائے گا۔ گھر میں خوشحالی آئے گی۔ بیٹیوں کی شادیاں ہوں گی۔ بیٹے کو ڈاکٹر کی سیٹ ملے گی۔ (بہت زیادہ Tense ہو کر) میں نے سر پر کفن باندھ کر فتح حاصل کرنے کی ذمّے داری لی تھی۔ (تلخ ہنسی) جو کام میں ان کے لیے ملٹری میں ملازمت کے دوران نہیں کر سکا وہ مر کر کر پاؤں، ہے نا...... کاش یہ بات میں نے پہلے جان لی ہوتی کہ مرے ہوئے ہاتھی کی قیمت بھی ہوتی ہے۔

(نوٹ: ان مکالموں کی ادائیگی نہایت Emotional اور Pause دے کر کی جائے گی اور ہر ایک مکالمے میں Reaction نوجوان کے Facial Action اور Language کی مدد سے ظاہر ہوگی۔)

بوڑھا: گولی چلا دو۔ کہیں ایک فوجی ایک باپ پر حاوی نہ ہو جائے اور اسے مار دے — نوجوان گولی چلا دو۔ (بوڑھا جونہی آنکھیں بند کرتا ہے نوجوان اپنی پستول اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے)

نوجوان: (آہ بھر کر) میں نے اپنے باپ کی میت اُٹھائی ہے، اپنے کندھوں پر اپنی ماں کو بھی ...... (Emotional ہو کر جملہ ادھورا چھوڑ دیتا ہے)

بوڑھا: تو کیا؟

نوجوان: ماں بیمار تھی، میں گھر میں تھا نہیں۔ ٹریننگ کیمپ میں تھا، سرحد پار۔ باپ ماں کے لیے دوائیں لانے گئے تھے۔ کراس فائرنگ میں (Emotional Out Brust) ماں جدائی برداشت نہ کر سکی اور وہ بھی...... زخم تازہ تھے اور غصہ عروج پر تھا۔ بدلہ لینے کا موقع ملا اور یہاں آنے کے لیے راضی ہو گیا۔

بوڑھا: اپنا کام پورا کر لو۔

(بوڑھا پستول نوجوان کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے)

بوڑھا: گولی چلا دو۔ یہاں ماتھے پر۔

نوجوان: (پستول واپس کر کے) مجھے مار ڈالو۔ تم مر جاؤ گے تب ایک اور گھر اُجڑ جائے گا۔ میرے گھر کی طرح۔ Come on shoot me۔ نہیں مارو گے تب تم مارے جاؤ گے۔ بہت خطرناک لوگ ہیں وہ...... راز دار کو راز فاش کرنے کی سزا عبرت ناک موت ہے۔

(دونوں کے چہروں پر Conflict تاثرات اُبھر رہے ہیں۔ نوجوان بوڑھے کو Provoke کر رہا ہے لیکن وہ پستول ہاتھ میں لے کر بھی React نہیں کر رہا ہے)

نوجوان: تم بزدل ہو۔ ڈرپوک ہو۔ اپنی کمزوریوں کا احساس نہیں ہے۔ لگام پکڑ نہیں سکتے چلے ہو سرکش گھوڑے کی سواری کرنے۔ کیا سمجھ کر اپنا سودا کر بیٹھے ہو۔ کچھ تو بولو۔ یہ کھانسی کی کھن کھن میرے سوالات کے جواب نہیں ہیں۔ (بوکھلا کر) میں مر جاؤں تو جشن منانے والے کئی ہیں۔ ماتم کرنے والا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میں وہ اینٹ ہوں جو نکالنے سے دیوار گر جاتی ہے مگر خود

دب کر نظر نہیں آتی۔

(ان مکالموں کی ادائیگی کے دوران نوجوان کے کرب، کراہ اور اضطراب کا Effectiv Projection ہوگا جبکہ بوڑھے کے کھانسنے کی آواز لگاتار سنائی دے گی)

(اچانک ایک فقیر کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ دونوں اس کو دیکھ کر چونک پڑتے ہیں)

سین - ۱۳

(فقیر اپنے مخصوص انداز میں صوفیانہ طرز کا اپنا چمٹا بجاتے ہوئے گیت نمبر B گاتا گاتا مستی میں جھوم جھوم کر رقص کرتا رہے گا جبکہ بوڑھا اور نوجوان سراسیمگی کے عالم میں اس کو دیکھتے رہیں گے)

فقیر: (خوشی سے اُچھل کر) تو تم دونوں یہاں ہو؟ اور میں تمھیں کہاں کہاں تلاش کرتا......؟

نوجوان: ہمیں تلاش کرتے رہے......؟

فقیر: ہاں...... میں نے تم دونوں کو آتے ہوئے دیکھا تھا نا اس لیے! ڈر تھا کہ طوفان میں کھو نہ جاؤ۔

بوڑھا: کون ہو تم؟ یہاں کیوں آئے ہو؟

فقیر: میں نے تم دونوں سے یہ سوال نہیں پوچھے۔ حالانکہ میزبان کو اجنبی مہمانوں سے یہ سوال پوچھنے چاہئیں۔

نوجوان: تو یہ تمھارا گھر ہے؟

فقیر: ایک فقیر کا گھر نہیں ہوتا ہے۔ عبادت کرنے کے لیے چار دیواروں پر ایک چھت ہوتی ہے۔

بوڑھا: تمھاری آواز میں درد ہے۔

فقیر: نیچے زمین، بارود سے چھلنی، اُوپر آسمان جو کائنات کو دیکھ رہا ہے۔ درمیان میں ہوا، جو آواز کا ذریعہ ہے۔ اگر زمین تڑپ اُٹھے اور آسمان لرز اُٹھے، دیکھنے والوں کی آواز میں درد ہی تو ہوگا...... ہوگا نا؟

بوڑھا: تم ہندو ہو؟

فقیر: میں نے تم سے یہ تو نہ پوچھا کہ تم کون ہو؟ (مسکراتا ہے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر معنی خیز نظروں سے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے Suspense پیدا کرتا ہے تب مسکرا کر بولتا ہے) نہ میں ہندو ہوں اور نہ مسلمان ہوں، نہ بھگوان ہوں نہ شیطان۔ ارے میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہوں! ایک انسان!!

نوجوان: یہاں رہنے کا مطلب؟ (مشکوک نظروں سے دیکھتا رہتا ہے)

فقیر: ایک ہی مقصد ہے۔ یہاں سے گزرنے والا بہک نہ جائے۔ بہک کر بھٹک نہ جائے اور بھٹک کر بھڑک نہ جائے۔

بوڑھا: بہکنے سے کیا مراد ہے تمھاری؟ (مشکوک نظروں سے دیکھتا رہتا ہے)

فقیر: محبت کے گلستان اُجاڑ کر، نفرت کے بیج بونا۔ چاہت اور الفت کے جذبوں کو جہالت کی نوک سے کرید کرید کر دِلوں سے نکالنا۔ (مسکرا کر) خود ہی شکاری اور خود ہی شکار، خود ہی تماشہ اور خود ہی تماشائی۔

نوجوان: بہکنے والے کون ہیں؟ (بوڑھے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے)

بوڑھا: اور بہکانے والا کون ہے؟ (نوجوان کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ کر)

فقیر: بہکانے والا خود غرض، شاطر اور عیار شیطان ہے۔ اور بہکنے والے معصوم غرض مند انسان ہیں۔ جیسے تم دونوں، ایک ہندو اور دوسرا مسلمان۔ (ہنسی)

(دونوں چونک پڑتے ہیں اور فقیر رُک رُک کر قہقہے لگا تا رہتا ہے)

بوڑھا: تمھارے قہقہوں میں تلخی ہے......! ایسا مجھے لگ رہا ہے۔

نوجوان: اور ہنسی میں طنز......ایسا مجھے لگ رہا ہے!

(فقیر روٹیاں پکاتے پکاتے دونوں کی باتیں سن رہا ہے اور پھر بول پڑتا ہے)

فقیر: تم دونوں کے چہروں پر مجھے......(قریب آ کر گویا دونوں کے چہرے پڑھ رہا ہو) غصّے، ناراضگی، بدلے اور قربانی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو مارنے آئے تھے گانو کے ہو رہے میلے میں! بلکہ بھیجے گئے تھے میلے میں اپنی تو نہیں کسی اور کی مرادیں پوری کرنے۔ دونوں ناسمجھ ہو۔ مگر میلے میں شریک ہو جاؤ گے تو مرادیں پوری ہوں گی۔ یہ سچ ہے، اس میلے کی کیفیت ہی نرالی ہے، جو بھی سچّے دل سے مانگ لو مل جاتا ہے مگر کیا کریں گے ہم؟ جب جوانی نادان اور بوڑھا اپنے انجام سے انجان ہو کر مانگ بھی لے تو کیا مانگے......موت!

بوڑھا: تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟ (مکالمہ بے ساختہ بول کر اپنے احمق پن پر نادم ہو جاتا ہے)

فقیر: شیطان کو میں نے دیکھا نہیں ہے، مگر اس کے قدموں کی آہٹ سے میں واقف ہوں۔ اس کی چالیں سمجھتا ہوں۔ (مسکراتے ہوئے) تو کیا میں سچ بول رہا ہوں؟ بولو! بولو نا؟

(فقیر روٹیاں پکاتے پکاتے باتوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے جبکہ بوڑھا اور نوجوان دونوں خاموش ہیں)

فقیر: خود ہی زخم دے کر نفرت اور بدلے کی نفرت کے بیج بوڈالتا ہے! شیطان کی بات کر رہا ہوں۔ خود ہی ایک کو کفن پہناتا ہے اور دوسرے کو مرہم لگا کر اپنائیت کا احساس دلاتا ہے۔ (قہقہہ) میں شیطان کی......(خود ہی اپنی بات کاٹ کر) کیوں؟ کیا ہوا نوجوان؟

نوجوان: (جذباتی ہو کر) لیکن میں اس کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہا ہوں۔ ایک سچّے مسلمان کی طرح بوڑھے کی مدد کرنے کے لیے قربانی دے رہا ہوں۔ کہہ دو اس بوڑھے ہندو کو مجھے گولی مار دے۔ (رو پڑتا ہے) کھیل ختم ہو جائے گا۔ یکطرفہ فیصلہ ہو جائے گا۔ (Emotional Out Brust)

بوڑھا: کہہ دو اس نوجوان سے کہ مجھے مار ڈالے۔ مجھ سے زندگی کا یہ تماشہ نہیں دیکھا جاتا۔ میری تمام مشکلیں میری ابدی نیند کے ساتھ ختم ہو جائیں گی۔ (رو پڑتا ہے)

(فقیر دونوں کے سامنے روٹیاں رکھ کر آہیں بھر بھر کر بولتا رہتا ہے)

فقیر: مقتول ہندو ہو یا مسلمان! قاتل ہندو ہو یا مسلمان......! (آہ بھر کر دونوں کو دیکھتے ہوئے درد بھری آواز میں بولتا ہے) دونوں صورتوں میں شیطان کی جیت ہے۔ کاش یہ کوئی سمجھ پاتا......!

(گیت)

تم کھانا کھالو میں یہ گیت گا کر سناتا ہوں۔

(فقیر چمٹا بجا کر اپنے مخصوص انداز میں ناچتے ناچتے گاتا ہے۔ گیت نمبر B۔ اور نوجوان و بوڑھا ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں۔

نوجوان: (حیرت سے) تم نے یہ کیسے جان لیا؟

بوڑھا: یہ کہ ایک ہندو ہے اور دوسرا مسلمان......؟

فقیر: (قہقہہ) ڈر گئے؟ مجھ سے یا اپنے آپ سے؟ خاموش کیوں ہو گئے۔ ایک جیسے سوال کرتے ہو۔ لیکن ایک جیسا جواب نہیں دے رہے ہو نا۔ اسی لیے میں جان گیا۔ (قہقہہ)

سین-۱۴

(بوڑھا اور نوجوان سر جھکا کر کبھی کبھار ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں جبکہ فقیر ایک کونے میں رکھے تھیلے سے کچھ نکال کر دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا ہے۔

بوڑھا: (Thought Process) لگتا ہے کوئی جاسوس ہے......؟

نوجوان: (Thought Process) یہ کوئی فقیر نہیں ہے، ایک بہروپیا ہے، جانے کن کا آدمی ہو۔

بوڑھا: یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے جبکہ نگاہیں ہم پر جمی ہوئی ہیں۔

نوجوان: یہ فقیر وقت گزار کر شاید ہمیں اُلجھا رہا ہے۔ جانے ہم دونوں میں کس کو گرفتار کرنے کا ارادہ ہے۔

بوڑھا: مجھے لگ رہا ہے یہ مجھے دبوچنے آیا ہے۔ ہم دونوں کو میٹھی میٹھی باتوں میں اُلجھا کر۔

نوجوان: (Thought Process) یہ بوڑھا نہ مرتا ہے اور نہ مارتا ہے۔ پکڑے گئے تو فوجی قید میں رہنا جیتے جی مرنا ہے۔ اور مر مر کر جینا ہے۔

بوڑھا: (Thought Process) کاش مجھے اس لڑکے میں اپنے بیٹے کی جھلک نہ دِکھائی دی ہوتی۔

نوجوان: (Thought Process) اس بوڑھے میں جانے کیوں اپنے مرحوم باپ کے عکس دِکھائی دے رہے ہیں۔

(اچانک فقیر کی آواز دونوں کے احساسات کے سلسلے کو توڑ دیتی ہے اور وہ یوں چونک پڑتے ہیں جیسے آسیب کو دیکھ رہے ہوں۔ فقیر نے اپنی پگڑی اُتار لی ہے اور اس کے لمبے لمبے بال کھلے ہیں۔ اس نے چادر اُتار کر کشمیری فرن پہنا ہے)

فقیر: (قہقہہ) انتظار ختم۔

نوجوان: تمھیں کسی کا انتظار تھا؟
فقیر: ہاں......!
بوڑھا: کس کا؟
نوجوان: کوئی لا رہا ہے کیا؟
فقیر: گانو پاس ہو کر بھی بہت دُور ہے۔ وہاں سے کوئی آئے گا نہیں۔
نوجوان: کیوں؟
فقیر: خود جان جاؤ گے جب دشوار راستوں پر چل کر گانو پہنچ پاؤ گے۔
بوڑھا: پھر مکّی کی روٹیاں اپنی کرامات سے منگوا رہے ہو؟
فقیر: تمھیں میں کوئی جادوگر نظر آ رہا ہوں۔ (قہقہہ) نارے بھائی میں ایک انسان ہوں۔ آٹا مل گیا ہے تو روٹیاں خود ہی پکا کر کھلا دوں گا۔ ہندو کو بھی اور مسلمان کو بھی۔
(مسکراہٹ...... ہنسی اور پھر قہقہہ اس کے بعد معنی خیز ہنسی)

سین - ۱۵

دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ پربتوں کی چوٹیوں پر برف کی چادر ہے جس پر دھوپ چمک رہی ہے۔ فقیر کہیں جانے کی تیاری کر رہا ہے)

نوجوان: تم کہیں جا رہے ہو؟
فقیر: ہاں!
بوڑھا: کہاں؟
فقیر: جس گانو میں تم لوگوں کا بے صبری سے انتظار ہو رہا ہے اور جہاں شیطان سانپ بن کر کب کا پہنچ گیا ہے، کسی کو ڈنک مارنے کے لیے کیونکہ گاؤں کے ہندو آج کے دن سانپ کی پوجا کرتے ہیں۔ پوجا کی آڑ میں ہندو مسلمان سے ٹکرا جائے گا۔ تم دونوں میں ایک مارا جائے گا اور ایک زخمی ہوگا۔ پھر تصادم ہوگا، فسادات کے شعلے دور دور سے نظر آئیں گے، جنگل کی آگ کی طرح، پھر جگہ جگہ شعلے بھڑک اُٹھیں گے اور......
نوجوان: بس...... بس...... پھر کیا ہوگا میں نے خود دیکھا ہے، سڑکوں پر، گلیوں میں، گھروں میں کوئی یتیم ہوگا میری طرح۔
بوڑھا: اُجڑ جائے گا، اُکھڑ جائے گا میری طرح۔
فقیر: کارواں بکھر کر ایک ہجوم بن جائے گا۔ زندگی تڑپتی رہے گی اور وقت بے بس تماشائی ہوگا۔
نوجوان: اور اگر ہم گاؤں جائیں گے نہیں تو......
بوڑھا: ماچس ہوگی نہیں تو آگ لگ ہی نہیں سکے گی نا؟

فقیر: اور اگر سانپ کو ڈنک مارنے سے پہلے ہی کچلا جائے تو......
بوڑھا: ہندو اگر سانپ اس کی نگ اور مسلمان کو ہر یا سانپ......؟
فقیر: نہیں میرے سانپ کی شکل دیکھ کر کوئی اس کو دیوتا نہیں سمجھے گا۔
نوجوان: مگر سانپ کو کچلے گا کون؟
فقیر: ایک لاٹھی!!
بوڑھا: ایک لاٹھی......!!
فقیر: ہاں! ایک مضبوط لاٹھی!
دونوں: کیسی لاٹھی!
فقیر: بے کار ہے وہ توپ جس کے پرزے ہوں الگ الگ
مضبوط ہے وہ لاٹھی جس کی جڑی ہو رگ سے رگ

سین-۱۶

(بوڑھا اور نوجوان فقیر کو تعجّب سے دیکھ رہے ہیں کیونکہ وہ جانے کی تیّاری کر رہا ہے اور دونوں سے باتیں بھی کر رہا ہے۔ فقیر کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی چمک ہے)

نوجوان: تم کہیں جا رہے ہو؟
بوڑھا: (مزاحیہ انداز میں) کہیں ہماری پول کھولنے تو نہیں جا رہے ہو؟ حاکموں کو اطلاع دینے۔
نوجوان: (حیرت سے) کس بات کی اطلاع؟
بوڑھا: (قہقہہ) اس بات کی کہ.....(لہجہ تبدیل کر کے) یہ ہیں وہ احمق انسان جن کو شیطان نے ایک دوسرے کو مارنے کے لیے بھیجا تھا۔ ہندو کو مسلمان بنا کر اور......
نوجوان: (سنجیدگی سے) مسلمان کو ہندو بنا کر۔ ایک بھی مرتا یا دونوں۔ گانو میں میلہ نہیں بلکہ فرقہ پرستی کی آگ ہوتی۔

(پس منظر میں دور سے آ رہے ایک کورس گیت کا Fade in اور پھر گیت کا یہ سلسلہ تینوں کی گفتگو کے دوران پس منظر میں جاری رہے گا)

(گیت)

فقیر: سنا تم نے۔ برف پگھل گئی تو آگ سلگنے سے پہلے بجھ جائے گی۔
نوجوان: یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔
بوڑھا: دُور کہیں سے آ رہی ہیں۔
فقیر: آنکھوں سے دور، مگر غور سے سنو تو دِل کے پاس۔
بوڑھا: گانو سے آ رہی ہیں شاید۔

فقیر: میلے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔شیطان کے ارادوں سے بے خبر ہو کر......!

نوجوان: (جوشیلے انداز میں بوڑھے کے کندھے پر اپنا بازو رکھ کر) لو مل گئی رگ سے رگ......!

بوڑھا: ہم لوٹ کر نہیں جائیں گے۔

نوجوان: ہم گانو جائیں گے۔

(گیت کا Fade in اور گونجتا ہوا Out Fade)

بوڑھا: شیطان سمجھے گا ہم ایک دوسرے کے ارادوں سے بے خبر ہو کر اس کے پہنائے ہوئے نقاب اوڑھ کر ایک دوسرے کو ہم اُڑا دیں گے۔

نوجوان: جبکہ ہم ایک عزم کے ساتھ اپنا کام کریں گے، میلہ ہو گا، فسادات نہیں۔

بوڑھا: سانپ کو ہماری لاٹھی کچل دے گی۔

نوجوان: اور شیطان کو بے نقاب کر دیں گے۔

(فقیر Emotional ہو کر دروازے کی طرف جانے لگا تو نوجوان کی آواز سن کر پلٹ کر نہایت سنجیدگی اور فلسفی کی طرح سوالات کے جواب دے گا)

نوجوان: تم اکیلے جا رہے ہو؟

بوڑھا: ہم بھی تو تمھارے ساتھ چل رہے ہیں......!

فقیر: ہماری منزل ایک سہی، مگر راہیں جدا جدا ہیں، تمھارا کام ہے عمل، میرا کام ہے قول، جو بات تم کو سمجھا دی ہے وہ بات اس گانو میں جانے والوں کو بھی بتلانی ہے۔توحید، وحدت، تصوّف اور یہاں کی روایات کی ترجمانی کرنی ہے۔لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ صوفی سنتوں کی وادی ہے۔تم اپنا کام کرو اور میں اپنا کام کروں گا۔

نوجوان: ایک بات پوچھوں گا، جواب دو گے؟

فقیر: پوچھو۔

نوجوان: تم کرم کی بات کرتے ہو۔تمھارا دھرم کیا ہے؟

فقیر: کیوں پوچھ رہے ہو؟

بوڑھا: ٹھیک ہی تو پوچھ رہا ہے یہ، میں بھی تو جاننا چاہتا ہوں۔

فقیر: کیوں؟

بوڑھا: وہ اس لیے کہ اگر تم مسلمان ہو تو کوئی ہندو تم سے الجھ کر مار نہ ڈالے۔

نوجوان: اور کوئی ہندو تمھیں مسلمان سمجھ کر

فقیر: (ہنسی) مار نہ ڈالے۔

دونوں: ہاں!

فقیر: (آہ بھر کر) مارنے والا نہ ہندو ہوتا ہے نہ مسلمان، وہ ایک شیطان ہوتا ہے۔

دونوں: ہم اپنے رہبر کو اکیلے نہیں جانے دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ کسی صورت میں نہیں۔
(دونوں فقیر کے پانو پر جھک جاتے ہیں اور تینوں Hyper Emotional ہو جاتے ہیں)

فقیر: سجدہ کرنا ہے تو اس پاک زمین کو کرو، انسان کو نہیں۔
(فقیر دروازہ کھولتا ہے۔ ایک Beam of LIght کمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور فقیر روشنی کو Face کر کے بولتا رہتا ہے۔

فقیر: ایک نہ ایک دن تو مرنا ہے۔ میں ایک خزاں آلودہ شاخ سے لٹکا ایک زرد پتّا ہوں۔ خود ہی گر جاؤں گا۔ پھر کوئی شاخ کو جھٹکا دے کر مجھے الگ کرنے کے لیے شاخ کو الگ کر دے گا۔
(فقیر ایک قہقہہ لگا دے گا)

فقیر: یونان کے ایک فقیر کو شیطان نے زہر کا پیالہ دیا تو جانتے ہو اس نے کیا کہا تھا؟

دونوں: کیا کہا تھا؟

فقیر: کہا تھا کہ اگر موت ابدی نیند ہے تو اچھا ہے کہ میں سوتے سوتے مر جاؤں۔ نہ ظالم کو دیکھ سکوں گا اور نہ مظلوم کو، نہ درد ہوگا نہ تڑپ۔ اگر موت کے بعد انسان اُس دنیا میں جاتا ہے جہاں اچھے اچھے مفکر، سمجھ سے بہتر سوچنے والے موجود ہوں تو اچھا ہے۔ ان سے مل کر کچھ سیکھ پاؤں گا کیا برا ہے۔ ہاں مگر مجھے ان جاہلوں پر ہنسی آ رہی ہے جو مجھے زہر کا پیالہ پلا کر مار رہے ہیں۔ بوڑھا ہوں، آج نہیں تو کل مر ہی جاؤں گا۔ پھر یہ نادان کیوں قاتل بن کر گناہ گار بن رہے ہیں۔
(یہ کہہ کر فقیر چلا جاتا ہے۔ بوڑھا اور نوجوان Stunt ہو جاتے ہیں۔ گاؤں میں گا ہے گیت کا Fade in)

بوڑھا: وہ اپنے راستے پر چل پڑا، گاؤں والے اپنے راستے پر چل رہے ہیں۔

نوجوان: چلو ہم دونوں اپنے راستے پر چلتے ہیں۔
(دونوں کے چہروں کے تاثرات کا ایک Freez Shot)

OO

صبح

(ایک ٹی۔وی ڈرامہ)

اہم کردار

• ایک بوڑھا	:	عمر۶۵سال	• دوسرا بوڑھا	:	عمر۶۵سال
• ضمیر	:	عمر۴۰سال	• ریاض	:	عمر۳۵سال
• خالد	:	عمر۲۰سال	• انجلی	:	عمر۲۰سال
• ماں	:	عمر۶۰سال	• اشوک	:	عمر۳۶سال

سین-۱

(ایک بیڈروم۔دو بزرگ آدمی اپنی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پر قابو پانے کی خاطر بار بار اپنے Postures بدل کر پلنگ سے اُتر کر فرش پر بیٹھ کر شطرنج کھیلتے ہوئے کبھی سنجیدہ ہو کر اور کبھی مزاحیہ انداز میں باتیں کر رہے ہیں)۔

ایک بوڑھا: (قہقہہ) پلنگ سے اُتر کر فرش پر اُتر (ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے) یوں لگ رہا ہے جیسے گھوڑوں سے اُتر کر پیدل سفر کرنے لگے ہوں۔نہیں کھسکنے لگے ہیں۔(ہنسی) (قہقہہ)۔

دوسرا بوڑھا: (بے ساختہ ہنس کر) تمھارے وزیر کو میرا گھوڑا ڈرا رہا ہے اس لیے کھسک جاؤ، دروازہ بند ہے ورنہ......(قہقہہ)

پہلا: وجہ معقول ہے۔مگر،تم......(قہقہہ)

دوسرا بوڑھا: اس قہقہے کی وجہ؟ (ناراض ہو کر) دیکھ رہا ہوں کہ تم میری ہر بات پر ہنس پڑتے ہو۔! وجہ جان لینے کو جی چاہتا ہے۔(غصّے سے) وجہ بیان — ؟ گوکل ناتھ — گوکلو!

پہلا: (بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) وجہ؟ غلام نبی — غلو! (طنزاً) وجہ؟ وجہ؟؟

دوسرا: (بوکھلا کر) وجہ پوچھ رہے نشتر چبھونے والے۔بقول شاعر:

یوں تو ہنسنا ہنسانا خوشی کا اظہار ہے
مگر بے وجہ یوں ہنسنا پاگل پن ہے دوست!

پہلا: (بے ساختہ ہنسی) رُکتی نہیں۔ کیا کریں؟ بے ساختہ ہنسی بے قابو گھوڑی کی مانند ہے۔ روکنا چاہو تو کہاں رُکتی ہے کم بخت۔ (قہقہہ)

دوسرا: (غصّے سے) بقول شاعر:

پہلی چوٹ سے دل کو توڑ ڈالا ہے
دوسری چوٹ سے دماغ کو کچل ڈالا ہے

ایسے ماحول میں گھٹن ہونے لگی ہے — مگر — بقول شاعر: جائیں تو جائیں کہاں! (قہقہہ) بخدا بہت کوشش کی — مگر — (قہقہہ) ہنس ہنس کر رونے کو جی چاہتا ہے۔ (آہ بھر لیتا ہے)

پہلا: لگتا ہے آپ کو ہماری دوستی اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ چار دن کرفیو رہا۔ (آہ بھر کر) اِن دنوں زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ ہم آپ کے دیدار کے لیے ترستے رہے! شطرنج کھیلنے کے لیے تڑپتے رہے! مگر — ؟

دوسرا: آپ؟ اور تو اور — اب اور کچھ کہنے کو باقی ہی نہ رہا۔ لگتا ہے اپنے ہوئے پرائے! بقول شاعر:

جنھیں ناز تھا میری دوستی پر
بہک کر وہ بھڑکا رہے ہیں

بلکہ یہاں سے بھگا رہے ہیں! کیونکہ آپ بھی ہمیں شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ شرطیہ!

پہلا: (ہنسی) میں جانتا تھا کہ آپ یہی فرمائیں گے (قہقہہ) کیونکہ دل آشنا جو ٹھہرا۔ غلام نبی بھٹ!

دوسرا: گویا ہمارا اندازہ صحیح نکلا۔ اڑوس پڑوس کی افواہیں، افواہیں نہیں! بقول شاعر:

برباد دل کا آخری سرمایہ تھی دوستی
وہ بھی حالات نے چھین لیا مجھ غریب سے

غلام نبی بھٹ: ریٹائرڈ DIG بے وقوف ہے۔ ایسا میرے محلّے دار کہتے رہتے ہیں! غلط کہتے رہتے ہیں۔

پنڈت گوکل ناتھ بھٹ: ریٹائرڈ کمشنر۔ میں بے وقوف نہیں۔ احمق ہوں۔ Yes I am an idot۔ ایک ایسے دوست کے پاس روز دن گزارنے آتا ہوں۔

پہلا: (بے ساختہ رو پڑتا ہے) یہ لے جوتا اور مار میرے سر پر۔ ہندو مجھے چھوڑ کر اب چلے گئے۔ میرے بیٹے بیٹیاں، پوتے، نواسے بیس سال پہلے امریکہ چلے گئے ہیں ایک تو ہی تو ہے۔ (آہ بھر لیتا ہے اور غلام نبی کو گلے سے لگا کر سسکتا رہتا ہے)

پہلا: بات وہ نہیں ہے جو تم سوچ رہے ہو۔ پنڈت جی! (معنی خیز نظروں سے گوکل ناتھ کو دیکھتا رہتا ہے)

دوسرا: پھر بات کیا ہے خواجہ صاحب۔ ذرا روشنی ڈالیے اپنے ارادوں پر۔ (کیفیت موسم کی طرح بدل جاتی ہے)

پہلا: وہ جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہی بات ہے (ہنسی) جو تم سوچ —

دوسرا: (بھڑک کر) کیوں؟ کیوں نہیں سوچ سکتا؟ اس لیے کہ میں ڈپٹی کمشنر نہیں تھا؟ مسکرائیے مت۔ جواب دیجیے اور تم ڈی آئی جی نہیں تھے۔

پہلا: آپ بھی آپ سے تم پر آگئے۔ یعنی آ ہی گئے۔ یعنی اینٹ کا جواب پتھر سے۔ چال چلیے۔ یہ میرے گھوڑے کے ڈھائی قدم اور یہ پہنچا آپ کا وزیر میدانِ جنگ میں۔ (قہقہہ) اب پیادے لڑیں گے گلی گلی۔ کوچے کوچے میں! سیدھی ٹکر ہے۔ جیت ہماری ہے۔ کسی بھی قیمت پر — (قہقہہ) آخری فتح ہماری ہوگی۔ غُلو (ہنسی)

دوسرا: بقول شاعر:

کھیل کھیل میں ارادے بدل گئے
جو ہمارے شیدائی تھے سودائی بن گئے

پہلا: (قہقہہ) پھر وہی بات۔ اور — (قہقہے) — جا کہاں رہے ہو۔

دوسرا: میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ اب دوست دوست نا رہا۔ پیار پیار نہ نا رہا! میں نے تمھاری اصلیت جان لی ہے۔ میرے سابقہ یار — اور اب — میں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ رقیب رو فرقہ پرستی۔ بقول شاعر —

پہلا: (بات کاٹ کر) اللہ کا شکر ہے کہ ہنسی نہیں آئی۔ حالانکہ آنی چاہیے تھی — مگر سنجیدگی غیر سنجیدگی پر حاوی ہوگئی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ اعلانِ جنگ Cancel کردو — (ہنسی) ،قہقہہ) میں جنگ بندی کی گزارش کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اے سابقہ مسیحا انتظامیہ!

دوسرا: آپ کے کلام میں طنز کی چاشنی ہے جو نا قابلِ برداشت ہے۔ یاد کیجیے میرے زمانے میں فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوا کرتے تھے۔ لوگ ایک دوسرے کے محافظ ہوا کرتے تھے۔

پہلا: ہم وارداتیں ہونے نہیں دیتے تھے۔ یہ ہمارا بڑا پن ہوا کرتا تھا۔

دوسرا: غلط فہمی کی انتہا ہوگئی ہے۔ (طنزیہ مسکراہٹ) خبردار۔ میرا پیادہ تمھارے راجا کو ڈرا رہا ہے۔

پہلا: سچائی کی ابتدا ہوگئی ہے۔ (غصّے سے) پیادے نے نہیں۔ تمھارے وزیر نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایک اور معصوم مہرے کو قربان کردیا ہے۔

دوسرا: گویا آپ بھی۔ بقول شاعر۔

پہلا: (بات کاٹ) نہیں میں بھی آپ کی طرح شاعر نہیں ہوں۔ یہ افراتفری، فسادات، ہڑتالیں، بلاسٹ، کراس فائرنگ افسروں کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہیں۔ جو ہو رہا ہے کروایا جا رہا ہے۔ یہ ایک منظم سازش ہے۔

دوسرا: یہ آپ نے اب جان لیا — ؟ کیا تمھیں واقعی سڑکوں پر خون دیکھ کر یہ جانکاری ہوئی (طنزیہ نگاہوں سے دیکھ کر)

پہلا: جو جال پانی میں دیکھ لیتا ہے وہ اگر مچھیرا دیکھ لے تو پاگل ہوجائے گا — یعنی یہ سلسلہ برسوں سے

چل رہا ہے۔ دشمن آخر دشمنی ہی کرے گا نا۔ (معصوم انداز میں) دشمن۔ دوست ہو ہی نہیں سکتا نا؟ (دونوں ایک دوسرے کو ڈرے ہوئے بچوّں کی طرح دیکھتے رہتے ہیں)۔

(چند لمحوں کے لیے دونوں پھر شطرنج کی بساط پر نگاہیں جما کر گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں)

دوسرا: گویا تمہید باندھ کر اپنے محکمے کی تعریف ہو رہی ہے— اور میں یہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ بقول شاعر۔

پہلا: (بے ساختہ ہنسی) اپنا یہ تکیۂ کلام بدل دو— (ہنسی) اور بولنے کا انداز بھی— (ہنسی) مجھ سے ......(بے ساختہ قہقہہ)۔

دوسرا: کیوں؟ سنجیدگی میں یہ غیر سنجیدہ حرکت؟— آخر کیوں؟

پہلا: آپ یوں بولتے ہو— (ہنسی) جیسے (ہنسی)۔

دوسرا: ہنسی روک کر اپنا جملے پورا کیجیے— بولیے— بولیے— مگر کیسے—؟ ایسے کہ— !

پہلا: جیسے آپ مشاعرہ پڑھ رہے ہوں— اور آپ کے (قہقہہ) سامنے شطرنج کے مہرے نہیں، شمعِ محفل ہے— سمجھ گئے— شاعرِ بے تخلص! (بے ساختہ ہنسی)

دوسرا: (قہقہہ) یہ بات ہے تو کوئی بات نہیں— چال چلیے۔ ایک بات کہوں؟ دل دُکھانے کے لیے نہیں۔ یوں ہی— (ہنسی)۔ آپ بھی جب بولتے ہو تب لگتا ہے جیسے ریڈیو پر خبریں پڑھ رہے ہو! (نقل اتارتے ہوئے) کل شہر کے اندر علاقے میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔

(ایک دھماکے کا Sound effect اور افراتفری، شور وغل اور چیخ وپکار کے Sound Effect)

Cut To

سین -۲

پہلا: (آہ بھر کر) لگتا ہے یہ بلاسٹ کہیں آس پاس ہی ہوا ہوگا۔

دوسرا: بقول شاعر:

چاہے پاس ہوا ہو یا دور ہوا ہو
ہر جگہ موت کی دستک سنائی دیتی ہے

پہلا: ہم لوگوں کی قسمت پر آسمان کیوں رو نہیں پڑتا؟ دہشت کے انگارے دہک رہے ہیں۔ کوئی فرشتہ آ کر اِن کو بجھا کیوں نہیں دیتا۔

دوسرا: صوفی سنتوں کی وادی میں ایسا ہو رہا ہے۔ یہ قہرِ خدا نہیں تو اور کیا ہے؟

پہلا: قہرِ خدا نہیں— قہرِ آدم! (درد بھری آواز میں) قہرِ خدا نہیں۔ یہ قہرِ آدم ہے۔ بھگوان نے یہ زمین بنائی۔ آسمان بنایا۔ جب آسمان کا بٹوارہ نہیں تب زمین کی خاطر یہ جنگ کیوں ہے؟

(پس منظر میں شور وغل— چیخ وپکار— فائر بریگیڈ کی گھنٹیوں کی آوازیں۔ عورتوں اور بچوں کے

رونے کی آوازیں نمایاں طور پر سنائی دیں گی — اور Pauses کے بعد دونوں کی گفتگو کی آوازیں دبی دبی ہوئی اور اس میں لرزش)

دوسرا: کچھ دیر پہلے ہم کیا تھے اور اب دیکھو تو کیا ہو گئے ہیں — بلکہ کیا سے کیا ہو گئے ہیں!

پہلا: تمھیں غصہ آ رہا تھا اور مجھے تمھارے غصّے پر پیار آ رہا تھا۔ (ہنسی۔ مگر اپنی ہنسی کو دبوچ کر۔ سنجیدگی سے)

دوسرا: جانے کس کس کی موت آئی ہے۔ آ چکی ہوگی...... (آہ بھر کر) آنے والی ہوگی۔

پہلا: جانے کون کون بیوہ ہوئی ہوگی۔

دوسرا: اور کتنے بچّے یتیم ہوئے ہوں گے۔ پھر انسان انسان کا خون کیوں کرتا ہے؟ ایک آسمان — ایک زمین — اور آسمان کے نیچے — زمین پر رہنے والے انسان۔ آسمان میں بھی کروڑوں ستارے رہتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے ٹکراتو نہیں جاتے۔

پہلا: بھگوان کے ساتھ رہنے والے فرشتے اُن کی نزدیکیوں کو دُوریوں میں بدل نہیں دیتے۔

دوسرا: (ہنسی) کھڑکی سے جھانک کر تو دیکھ لو — ہوسکتا ہے کالے بادلوں کی گرج ہو۔ (آہ بھر کر) نہیں۔ آج کل کے نارمل حالات میں بھی، جب امن کے سلسلوں کا آغاز ہوتا ہے۔ تب زمین سے کالے دُھویں کی لکیریں آسمان کی طرف جاتے دیکھ کر میں لرز اُٹھتا ہوں۔

پہلا: میں بھی۔ (مہروں کے سمیت بساط کو الٹ کر) کتنی اور کہانیاں لکھی جائیں گی زمین پر نسلِ آدم کے خون سے۔ اور آسمان پر کالے دھویں سے۔

دوسرا: اور وہ بھی مذہب کی خاطر!

پہلا: نہیں، سیاست کی خاطر — مذہب کے نام — جنون کو یلغار کا ذریعہ بنا کر۔

دوسرا: آپ کا فرمان درست ہے۔ بیتے دن یاد آتے ہیں تو بقول شاعر:

ہمیں تو کاٹنی ہے اب زندگی ایسے
ایک بے جرم سزا مل چکی ہو جیسے

پہلا: (چونک کر) بھگوان — رحم — رحم۔ (گوکل ناتھ کہیں جانے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ تب تک دونوں دروازے کے قریب پہنچ گئے ہوتے ہیں)۔

دوسرا: کیا ہوا — کہاں جا رہے ہو؟

پہلا: انجلی! کئی دنوں سے ماں بیٹی کے بارے میں۔ نہ کسی نے کچھ بتایا نہ ہم نے ان کا حال جاننے کی کوشش کی!

دوسرا: کون انجلی؟ آپ اتنے خوف زدہ کیوں ہو گئے ہو؟

پہلا: پروفیسر پنڈت کو آپ بھی جانتے ہوں گے؟

دوسرا: ہاں جانتا تھا۔ مرحوم ہمارا جماعتی تھا۔ مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ (بساط بچھا کر مہروں کو

اپنے اپنے خانوں میں رکھ دیتا ہے)

پہلا: انجلی اُن کی اکلوتی اولاد ہے۔(مہروں کو دیکھ کر بیٹھ جاتا ہے)۔

دوسرا: اچانک وہ کیوں یاد آئی—؟

پہلا: میں چلتا ہوں۔کہیں کچھ ہو نہ جائے۔(غلام نبی کا ہاتھ پکڑ کر) آپ بھی میرے ساتھ چلیں تو بہتر—

دوسرا: خطرہ ہے تو— کیوں نہیں—(کرید کر) بات کیا ہے؟

پہلا: جس لڑکی کے باپ کو اُس کی آنکھوں کے سامنے گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ہو۔(آہ بھر کر) اُس کو موت سے زیادہ زندگی سے خطرہ ہے۔

دوسرا: کچھ تو کہو۔آخر بات کیا ہے؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

پہلا: انجلی کی تلاش میں۔وہ LIC کے دفتر گئی ہے۔اپنے مرحوم باپ کے Claim کی خاطر— کہیں کچھ—؟ دل میں ہوک سی اُٹھی ہے۔

دوسرا: لیکن آپ ان حالات میں کیا کر پائیں گے۔بارش کے ساتھ آندھی طوفان ہو تو چھاتا کسی کو بچاتا نہیں۔ہاں چھاتا اُڑ کر ٹوٹ جاتا ہے— حالات اب نارمل ہو رہے ہیں۔آفتوں کے دور میں جانے کیا حالات کروٹ بدل دیں۔

پہلا: میرا جو ہو سو ہو۔مگر میں LIC کے دفتر جاتا ہوں۔جانے معصوم لڑکی کس حال میں ہوگی۔

دوسرا: ٹھیک ہے، مگر اس بدامنی میں جائیں گے کہاں ہم؟ رکھے گئے ہیں قدم قدم پر بم ہی بم (آہ بھر کر) چلیے، پھر بھی آپ نے اکیلی جانے کیوں دیا؟ یہ آپ کی وہ غلطی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔بقول شاعر:

یوں تو ہم بھی پانی سے ڈرتے ہیں
پھر بھی کسی کی خاطر ڈبکیاں لگاتے ہیں

چلیے ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔

Cut To

سین-۳

(انجلی گھبرائی ہوئی۔چہرہ پسینے سے شرابور ہے، آنکھیں بہہ رہی ہیں اور وہ شور سن کر، خاص طور پر Shelling کی آواز سن کر یوں چونک پڑتی ہے گویا اس پر بجلیاں گر رہی ہیں۔وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بھاگ رہی ہے۔سانسیں پھول رہی ہیں پھر دھماکوں کی آوازیں سن کر وہ اپنے سینڈلز اُتار کر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے)

انجلی: (خود کلامی) دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیا سے کیا ہو گیا۔سوچا تھا کیا اور کیا ہو گیا۔ماں نے ٹھیک ہی کہا تھا— انجلی کہیں مت جاؤ۔میری ہی مت ماری گئی اُس کی بات نہ مانی۔(آہ بھر کر) پاپا ٹھیک

کہتے تھے — (روتی ہے) کہا کرتے تھے۔ (ہچکیاں) جنگل کی آگ ہے۔ جانے کب سلگ جاتی ہے اور کب بھڑک اُٹھتی ہے۔

(انجلی پھر دور سے ایک اعلان سن کر لرز جاتی ہے اور پھر دوڑ پڑتی ہے)

اعلان: شہر میں ایک گھنٹے بعد کرفیو نافذ کر دیا جائے گا۔ سب لوگ جلد از جلد اپنے اپنے گھر جائیں۔

انجلی: (خود کلامی) ایک گھنٹے بعد! اُف — میں کیا کروں —؟ دیکھتے دیکھتے ہی آٹو غائب ہو گئے۔ میٹا ڈور مل نہیں رہی۔ ٹیکسی میں جاؤں؟ نہیں، نہیں — کیا معلوم — (رو پڑتی ہے) اب میں گھر کیسے جاؤں گی۔ (دھماکے کی ایک اور آواز)

Cut To

سین -۳- اے

(افراتفری — شور وغل — چیخ و پکار کے چند مناظر کے ساتھ ساتھ چند آوازیں، بھاگ رہی انجلی کا تعاقب کر کے اس پر گویا بجلیاں گرا رہی ہیں)

(نوٹ: سین نمبر ۳- اے میں آوازیں سنائی دے دیں گی اور ان کا Reaction انجلی کے چہرے یعنی کلوز اپ کے بدلتے ہوئے تاثرات عیاں کر کے سین کی Intensity کو عیاں و بیان کر دیں گے)

(۱) یہ تیسرا دھماکہ ہے۔

(۲) جب ہوتے ہیں تو ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ اگر نارمل حالات ہیں تو Abnormal حالات کیا ہوں گے؟

(۳) یہ بلاسٹ کہیں نزدیک ہی ہوا ہے۔ وہ دیکھو — دھواں ہی دھواں —

(۴) کرفیو لگ جائے گا۔ کوئی شک کی گنجائش نہیں۔

انجلی: (خود کلامی) اب میں کیا کروں بھگوان؟ کون ہے ایسا جو میری مدد کرے گا — پاپا ہوتے تو — (سسکیاں) وہ ہوتے تو میں آج ایل آئی سی کے دفتر آتی ہی کیوں؟ (آہ بھر کر) چہروں کے اس جنگل میں کاش کوئی شناسا چہرہ نظر آتا! (خوش ہو کر) لو — بھگوان نے مجھ یتیم کی سن لی۔ یہ کار شائستہ کے ڈیڈی کی ہے! ہاں وہی کار ہے۔ مگر وہ مجھے دور سے پہچان سکیں گے کیا؟ ارے واہ شائستہ کی ممی بھی کار میں ہے۔ شکر ہے بھگوان کا۔ چونکہ Car انجلی کے سامنے سے گزر جاتی ہے۔ انجلی بڑبڑاتی ہے۔ دیکھا نہیں! میں بھی بے قوف ہوں۔ مجھے سڑک پر کھڑی دیکھ کر دیکھنے والے کے ہوش و حواس گھبراہٹ سے جکڑ جاتے ہیں — (سسکنے لگتی ہے اور وہ نیم دوڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے)

Cut To

سین -۳- بی

منظر: (انجلی کا جسم کانپ رہا ہے اور اپنی ٹانگوں کو گھسیٹ کر جونہی سڑک پر آتی ہے وہ خالد کو دیکھ کر لرز جاتی ہے)

منظر: خالد یوں دائیں بائیں دیکھ کر چل رہا ہے جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا ہو)

انجلی: (خود کلامی) یہ تو — یہ تو وہی لڑکا ہے جو مجھے دفتر میں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ (گھبراہٹ کی وجہ سے اس کے کانپ رہے ہاتھوں سے فائل گر جاتی ہے اور اس میں رکھے کاغذات بکھر جاتے ہیں اور جب وہ سمیٹنے کی کوشش کرتی ہے تب وہ خالد کو پھر Spot کر لیتی ہے اور Panicy ہو کر بھاگ جانے کی خاطر دوڑتی رہتی ہے)

Cut to

سین -۴

(ایک گلی میں دونوں بوڑھے آہیں بھرتے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ چہروں پر تشویش کے تاثرات۔ پس منظر میں شور وغل و کرفیو نافذ کرنے کا اعلان)

دوسرا: میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کے خدشات کو سمجھتا ہوں۔ بقول شاعر: یہی تو اثر ہے اُن صدمات کا جو جنم لیتے ہیں واقعات کے بعد۔

پہلا: (ٹوک کر) آپ حالات پر زیادہ سوچیں تو بہتر ہوگا۔ رشید صاحب نے کہا کہ انجلی اُن سے ملی ہے، مگر افراتفری سے پہلے۔

دوسرا: وہ کون صاحب ہیں؟ یگانے ہیں یا بیگانے ہیں — ؟ قابلِ بھروسہ ہیں یا دو چہروں والے دغاباز ہیں۔

پہلا: (بوکھلا کر) ابھی تو مل کر آئے ہو۔ ایل آئی سی کا منیجر — Sorry — ان کا نام شفیق صاحب ہے۔

دوسرا: آپ Confuse ہو چکے ہیں۔ غالباً — ؟

پہلا: Upset ہو چکا ہوں۔ فقط دس منٹ میں وہ کہاں جا سکتی ہے۔

دوسرا: آس پاس یوں دیکھتے رہے۔ اگر وہ کہیں ہوتی تو کیا آپ اُس کو نظر نہیں آتے۔ بقول شاعر:

چہروں کے اس ڈراؤنے جنگل میں
دوڑی آرہی شناسا چہرہ دیکھ کر

دوسری بات یہ کہ بقول شاعر عجیب داستان ہے خدا کی خدائی کا بچالے گا انجلی کو لگ جائے آگ یا برسے پانی! پھر ہم — گہری جھیل میں ایک سوئی ڈھونڈ کیسے پاتے۔ بے چاری انجلی کو......

پہلا: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

دوسرا: فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے — بعد میں — ہراساں ہو کر کہیں کسی غلط گلی میں گھس گئے تو — کل کے اخباروں میں ہماری تصویریں۔

پہلا: (ٹوک کر) اب کوئی شعر مت سنانا۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ انجلی میری بیٹی جیسی ہے — (غصّے سے) اگر — اگر آپ کی اپنی بیٹی — رہنے بھی دو (آہستہ سے) معاف کرنا (شرمندہ ہو کر) میں بھی خواہ مخواہ اپنا غصّہ آپ پر اُتارنے لگا۔ جو لوگ رنج و غم سے بوکھلاتے ہیں، یوں ہی آپس میں اُلجھ کر فتنوں کو فسادات کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ یہ بات ہمارے نوجوان کیوں نہیں سمجھتے؟ کچھ تو بولو غلام نبی؟

دوسرا: خواجہ صاحب کیا بات ہے۔ آپ لرز کیوں رہے ہیں؟ گوکل ناتھ؟ اچانک آپ...... (گوکل ناتھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے)۔

پہلا: معلوم نہیں۔ چلیے چلیں۔ چلتے چلتے یوں لگ رہا ہے جیسے تپتی ریت میں دھنس دھنس کر چل رہا ہوں۔ (کرفیو نافذ ہونے کا آخری بار اعلان — اور اُس کے بعد چند لمحات کی خاموشی)

Cut To

سین - ۵

(ایک عالی شان کوٹھی۔ شام کی اذان۔ انجلی پھاٹک کی آڑ میں چھپی ہے۔ سارا جسم کانپ رہا ہے۔ آس پاس خاموشی چھائی ہے)

انجلی: (خود کلامی) شام ہوگئی! میں کب تک اس پھاٹک کے پیچھے چھپی بیٹھی رہوں گی۔ جانے یہ کون سی جگہ ہے! کون سا محلہ ہے؟ کس کا گھر ہے؟ جانے کون ہیں! ہندو ہیں یا مسلمان؟ (رو پڑتی ہے) (سسکتے ہوئے) جانے یہ بھیانک رات کیسے کٹ پائے گی!

Cut To

سین - ٦

(دونوں بزرگ مایوس ہو کر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

پہلا: ہم لوگ گھر تو پہنچ گئے۔ وہ بھی موت کے منہ سے نکل کر۔ لیکن خدا جانے انجلی کہاں ہوگی — اور کس حال میں ہوگی —! دل ڈوبا جا رہا ہے۔

دوسرا: بقول شاعر:

اِس دل کی حالت کیا کہیے
جو شاد بھی ہے ناشاد بھی ہے

پہلا: (غصّے سے) شادمانی کی وجہ؟

دوسرا: گھر پہنچ گئے، یہ کیا کم ہے۔ وہ بھی تب جب طوفان ابھی تھم تو نہیں گیا ہے۔

پہلا: گویا انجلی کی فکر چھوڑ کر اپنی شادمانی کا ذکر۔ (مایوس ہو کر) دراصل ہم سب غرض مند نہیں خود غرض ہیں۔

(دونوں کے چہروں پر تذبذب کے تاثرات)

Cut To

سین-۷

(انجلی اندھیرا ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ گھبرا کر بار بار کال بیل (Call Bell) کی طرف اپنی لرزتی ہی انگلی لے جاتی ہے مگر کچھ سوچ کر رُک جاتی ہے)

(ایک شخص کو آتے دیکھ کر انجلی چھپ جاتی ہے وہ کال بیل دباتا جا رہا ہے لیکن اندر سے کوئی جواب نہ سن کر آوازیں دیتا رہتا ہے)

ضمیر: ماں! ماں! میں ضمیر ہوں، ماں!

(انجلی کے چہرے پر امید کے تاثرات اور اُس کی تھرتھراتے ہونٹ کے ساتھ اس کی خود کلامی)

انجلی: (آہ بھر کر) کیا نام بولا؟ ہندو ہے یا مسلمان؟ خیر گھر میں اگر ماں ہے تو مجھے پناہ مل سکتی ہے۔ پاپا کہا کرتے تھے ماں ماں ہوتی ہے، وہ نہ ہندو ہوتی ہے نہ مسلمان! مگر — مگر کیا؟ پاپا بہت کچھ کہا کرتے تھے۔ کشمیری امن پسند ہیں، فرقہ پرست نہیں چاقو اُٹھا کر خود مرغی نہیں کاٹ سکتے۔ (آہ بھر کر) بچ گئے ہوتے تو جان گئے ہوتے کہ شکاری شکار کو تلاش نہیں کرتا بلکہ شکار ہی مقناطیس کی طرح شکاری کو کھینچ کر اپنے قریب لے آتا ہے۔

(ضمیر اس دوران پھاٹک پھاند کر اندر چلا جاتا ہے اور انجلی یہ منظر دیکھتے ہوئے ایک بار پھر کال بیل دبانے کی کوشش کرتی ہے مگر اُس پر خوف اور خدشات طاری ہو جاتے ہیں)

Cut To

سین-۷-اے

(ضمیر یہ دیکھ کر چونک پڑتا ہے کہ گیٹ اندر سے بند تھا ہی نہیں اور خدشات کا شکار ہو کر جب مکان کا دروازہ کھولتا ہے تب وہ بڑبڑاتا ہوا مکان میں داخل ہو جاتا ہے)

ضمیر: (خود کلامی) یہ کیا؟ ماں دن کو بھی گیٹ پر تالا لگا کر رکھتی ہے اور گھر کا دروازہ اندر سے Bolt کر لیتی ہے۔ پھر آج؟ یقیناً کچھ ہوا ہے۔

سین-۷-بی

(اچانک ڈرائنگ روم میں گھُس کر صوفے پر خراٹے مار کر سوئے ہوئے کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے)

سین -۸

(ڈرائنگ روم میں ریاض گہری نیند سو رہا ہے۔ ضمیر اس کو جگا کر ڈانٹتا ہے)

ریاض: بھیا! تم اندر کیسے آئے؟

ضمیر: (غصے سے) گیٹ کھلا تھا۔ گھر کھلا تھا۔ اچھا ہوا جو کوئی گھر میں گھس نہیں آیا۔ (چونک کر) مگر ماں تو ہمارے قدموں کی آہٹ سے بھی ہمیں پہچان لیتی ہے وہ بھی گیا۔؟

ریاض: وہ گھر میں نہیں ہے۔ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اور آنکھ لگ گئی۔ نائٹ ڈیوٹی کر کے آیا ہوں نا؟

ضمیر: (حیران ہو کر) ماں کہاں ہے؟

ریاض: ماما جی کے گھر گئی تھی اور اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔

ضمیر: کب گئی تھی؟

ریاض: میرے آنے کے بعد۔ مجھے کھانا کھلا کر گئی تھی۔

ضمیر: اس وقت تک لوٹ کر نہیں آئی ہے — اور تمھیں کوئی پریشانی نہیں۔

ریاض: پریشانی تو ہے (ہنسی) ریاست کے ڈی آئی جی کی بہن ہے۔ آجائے گی۔ کافی پیو گے۔ ماں نے تھرماس میں ڈال کر رکھی ہے۔ (ہنسی) گرم گرم کافی پی کر غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ شرطیہ! (ہنسی)

ضمیر: ڈاکٹر ریاض میرا خون اُبل رہا ہے۔ (غصے سے) اب تک کیوں کچھ نہیں کر پائے؟

ریاض: ضمیر بھیا کل جو بم پھٹ گیا تھا نا۔ چار مرد چھ عورتیں اور دو بچے مر گئے — بیس لوگ زخموں سے اس قدر لہولہان تھے کہ فرش کا رنگ بھی لال ہو گیا —

ضمیر: (ناراض ہو کر) تمھارے خون کا رنگ سفید جو ہو چکا ہے (آہ بھر کر) سڑکوں کا بلکہ کھیتوں کا رنگ بھی لال ہو گا — یہ زمین لہولہان نظر آئے گی۔ مگر تب بھی ایک بیٹے کو ماں کی فکر سونے نہیں دے گی۔

ریاض: (قہقہہ) مجھے معلوم تھا کہ آپ جذباتی ہو جائیں گے — بھیا آپ خواہ مخواہ — (گھڑی دیکھ کر، چونک کر) آٹھ بج گئے ہیں۔

ضمیر: ریاض پھر بھی تم کیوں! — کبھی کبھی —! خیر۔ ذرا ماما جی کے گھر فون کرو۔

ریاض: آپ بہت جلد Tense کیوں ہو جاتے ہو؟ (فون ڈائل کرتا ہے) Engaged Tone۔ ماں آجائے گی — دیر ہو گئی ہے اس لیے ماما جی چھوڑ دیں گے۔ I am Sure۔

(کافی کا کپ ضمیر کو دیتا ہے۔ مگر وہ غصے کا اظہار کرتا ہے)

ضمیر: (ریسیور اُٹھا کر ڈائل کرتا ہے) سبھی نمبر Engaged آ رہے ہیں۔ ان کا Secret نمبر بھی۔

ریاض: (ہنسی) ایک افسرِ اعلیٰ کا فون تو — آپ Panicy کیوں ہو رہے ہو؟

ضمیر: (ٹوک کر) تم اتنے Thick Skinned ہو کہ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بھینس کو کیسے بتاؤں کہ

اس کے تھنوں پر چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔

ریاض: بھیا آپ ایک دانشور ہیں — جبکہ میں ایک ڈاکٹر۔ میں مریض کا علاج کرتا ہوں جبکہ آپ اُس مرض کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں جو بقول آپ، ایک وبا کی طرح پھیل کر نسلِ آدم کا......

ضمیر: (جھنجھلا کر) ہماری ماں گھر لوٹ کر نہیں آئی ہے۔ معلوم ہے کہ باہر کیا ہوگا، کیا ہو سکتا ہے۔ (غصّے سے) بلکہ کیا ہو چکا ہے۔

ریاض: باہر رات کے پہلے پہر کی خاموشی ہے اور — یہ سمندر کی خاموشی نہیں ہے۔ (ہنسی) آپ کے طریقے سے ہی جواب دے رہا ہوں اور کچھ ہے تو، پلیز بتادو۔

ضمیر: شہر میں دوپہر سے کرفیو لگا ہے۔

ریاض: (گویا اس پر بجلی گر پڑی ہو) اور میں سویا پڑا رہا۔

ضمیر: (بوکھلا کر) تم کیا — سارا شہر — بلکہ ساری دنیا سو رہی ہے۔ اور اچھے اور بُرے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ڈر جانے کے لیے یا دل کو بہلانے کے لیے۔ کوئی یہ سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ جب بھی کسی Peace Process کا آغاز کیا جاتا ہے تب یہ دھماکے کیوں ہوتے رہتے ہیں۔

ریاض: (چونک کر) Oh my God میری نیند اتنی گہری تھی کہ دھماکوں کی آوازیں بھی مجھے جگا نہیں پائیں۔

ضمیر: (آہ بھر کر) جو جاگ رہے ہیں وہ بھی ان حالات کے عادی ہو چکے ہیں یا پھر جان بوجھ کر بہرے بن گئے ہیں بلکہ گونگے بھی۔

(ضمیر مایوس ہو کر پانی پیتا ہے اور پھر ریاض کی کیفیت بھانپ کر دھیمے لہجے میں بولتا ہے)

ضمیر: شہر میں پھر فسادات ہوئے ہیں، خون خرابے ہوئے ہیں۔

ریاض: وہ تو ہوتے رہیں گے — I am not Surprised۔

ضمیر: (آہ بھر کر) مہینے میں بیس دن کرفیو لگا رہتا ہے اور روز کوئی سانحہ شہر کو خوف زدہ کرتا رہتا ہے۔ تب دہشت گردوں کا دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ جب واقعات حالات پر حاوی نہیں ہیں تب۔ سنا ہے آج بھی دس قتل ہوئے ہیں۔ کچھ بم بلاسٹ سے اور کچھ حالات کے دباؤ واقعات کے اثر سے۔

ریاض: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بھیا! اب یہی ماحول معاشرے پر حاوی ہو گیا ہے اور ہمیں Used to ہو کر Relaxed رہنا پڑے گا ورنہ خوف کی وبا پھیل جائے گی۔ اور وہ بیماری بھی لاعلاج ہوگی۔

ضمیر: گویا Relax کے معنی بدلنے ہوں گے (ضمیر بہت زیادہ Emotional ہو جاتا ہے) ریاض، تم ایک انسان ہو یا ایک Emotionless Robot (بوکھلا کر) یا ایک Brain Washed ذی ہوش انسان۔

ریاض: (ہنسی) جب جنگ میں لوگ مارے جاتے ہیں تب کوئی Emotional نہیں ہوتا — آپ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ (اور یہ کہہ کر پھر فون Try کرتے ہوئے نہایت حلیمی سے ضمیر کی باتیں سنتا

رہتا ہے)

ضمیر: ہم جنگ نہیں لڑ رہے ہیں — اور نہ ہم نے مورچے سنبھالنے ہیں۔ حملہ آور ہم پر ٹوٹ پڑا ہے اور ہم نے اپنے گھر بچانے ہیں! روز ہمارے لوگ — معصوم لوگ مارے جاتے ہیں — کیوں — ؟ کیوں؟؟

ریاض: حملہ آوروں کا بھی جانی نقصان ہوتا ہے — ہر کسی نے کسی نہ کسی دن مرنا ہے — پھر — اگر مقصد کے لیے موت مل جائے تو اچھا!

ضمیر: کوئی کینسر سے مرتا ہے تو اُسے قہرِ خدا کہتے ہیں۔ کوئی جب گولی کھا کر مرجاتا ہے تو تم اُس کو قہرِ آدم نہیں سمجھتے؟

ریاض: بھیا آپ جیسے فلاسفروں کے ساتھ میں بحث نہیں کر سکتا۔ جب تک ماں نہیں آتی کسی اور موضوع پر باتیں کریں۔ وہ جو باتیں آپ نے ٹی وی پر بول دی تھیں وہ اچھی تھیں ویسی باتیں کرونا — جی بہل جائے گا۔ اور وقت بھی گزرے گا۔

ضمیر: (چونک کر) تو کیا تم نے میرا کوئی پروگرام دیکھا ہے؟

ریاض: Ofcourse دیکھتا رہتا ہوں۔ Latest پروگرام بھی دیکھا تھا — میں پتھر تھا مٹی بن گیا — پھر ایک بیج کو کوکھ میں رکھ کر پودا بن گیا — درخت بن گیا — پہلے حیوان اور پھر انسان بن گیا — اب تو انسانوں کی بستی بنا ڈالی — لیکن اب یہ جنّت سے نکالا گیا شیطان! میری جنّت کو مسمار کیوں کر رہا ہے — مٹی کو پھر پتھر کیوں بنا رہا ہے؟ واہ واہ کیا بات ہے — I am proud of you big brother۔

ضمیر: (غصّے سے ٹوک کر) تم خاموش نہیں رہ سکتے — ! میں واقعات سے بن رہے حالات یا حالات سے پیدا ہو رہے المناک واقعات کے بارے میں خوف زدہ ہو رہا ہوں اور تم ماں کے بارے میں بھی پریشان نہیں ہو؟ Disgusting۔

ریاض: بھیا، میں آپ کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا Well I am Serious now۔ بھیا! آپ خواہ مخواہ Tense ہو رہے ہیں۔ ماں کو کچھ نہیں ہوگا — باہر جو ہو رہا ہے ہونے دو — بھیا — سن رہے ہو نا؟ دیکھو باہر بارش ہو، برف ہو، دھول ہو، دھواں ہو، جو ہو وہ ہونے دو — !! خالد ہوسٹل میں ہے — O.K Safe & Sound ہم دونوں گھر میں ہیں۔ O K Safe & Sound۔ ماں کو ماما جی نے جانے نہیں دیا ہوگا — یا پھر خود ماں کو اپنے ساتھ یہاں لانے کا ارادہ ہو۔ OK After all he is DIG — اس لیے Relax---Ralax ہاں اگر اوروں کا غم ہے تو (ہنسی) تھوڑی دیر کے لیے فون رکھ دو شاید ماما جی Try کر رہے ہوں — یہ اطلاع دینے کے لیے کہ ماں۔

ضمیر: ماں، ماما جی کے گھر سے تین بجے نکلی ہے — اکیلی — (ضمیر کی آواز میں تڑپ ہے۔ ریاض اس کو پانی پلاتا ہے — دونوں بھائی تذبذب میں ہیں) ۔ یہ ان کے نوکر نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے۔

ریاض: گویا فون مل گیا۔

ضمیر: ہاں۔، میں ماما جی کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔(چلاّ کر)Distress Call۔

Cut To

سین -۹

(انجلی سنسان سڑک کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر پھاٹک کے ساتھ ایک پیڑ کی آڑ میں چھپ کر اس تذبذب میں ہے کہ پھاٹک پر مدد یا پناہ کے لیے دستک دے یا نہیں)

انجلی: (دروازے پر انگریزی میں 'BHAT' کی نیم پلیٹ دیکھ کر) بھٹ ہندو ہوتے ہیں—(روپڑتی ہے اور اس کی خود کلامی بھی ہچکیوں میں ڈوب جاتی ہے)

سین -۱۰

(ضمیر کا ڈرائنگ روم—دونوں بھائی بے حد پریشان ہیں اور بار بار فون کرتے ہیں)

ریاض: (بوکھلا کر) یہ کیا جو بھی فون مل جاتا ہے۔ہیلو کا جواب دینے کی بجائے ریسیور رکھ دیتے ہیں۔

ضمیر: کہیں کسی بندوق والے کا فون ہوا تو؟ اس نے سڑک پر چلنے کے لیے حکم دیا تھا؟ اُس نے کوئی مانگ کی تو—؟ ایک ان جانی آواز AK47 سے نکلی گولیوں کی طرح خدشات حساس انسانوں پر حاوی ہو کر خوف زدہ کر دیتی ہے۔اس لیے!

ریاض: جن کی بات آپ کر رہے ہو وہ—رہنے دو بھیا۔

ضمیر: وہ......مطلب......وہ اپنے Targets کو فون پر ہم جیسے لوگوں کو......

ریاض: اپنی عدالت میں لڑے مقدموں کا فیصلہ اپنے ہی آدمیوں سے، اپنے ہی وکیلوں کی دلیلوں اور وضاحتوں پر غور کر کے مجرموں کو سزائے موت یا جلاوطن کی اطلاع دیتے ہیں۔

(فون کی گھنٹی بج اٹھتی ہے۔ضمیر ریسیور اُٹھا لیا ہے)

ضمیر: السلام علیکم ماموں جان! ماں کے بارے—مگر یہاں وہ پہنچ نہیں پائی ہے؟ ہاں۔(فون چھوڑ کر) خدا جانے کہاں گئی ہیں۔میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔

ریاض: کیا ہوا(Panicy ہو کر) یہ کیا آپ کا ماتھا۔(رومال سے ضمیر کا ماتھا پونچھ کر) کیا کہا ماما جی نے؟

ضمیر: ہمارے ماما سرکاری زبان بول رہے ہیں۔تسلیاں دے چکے ہیں۔اور یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ ہمارے رشتے کا کسی سے بھی ذکر نہ کیا جائے۔(آہ بھر کر) اپنوں کا یہ رویہ ہے تو غیروں سے—(آواز ٹوٹ جاتی ہے)۔

سین -۱۱

پہلا: (آہ بھر کر) انجلی شاید گھر لوٹ کر نہیں آئی ہے۔(شطرنج کا کھیل جاری)

دوسرا: (آہ بھرکر) ہاں — انجلی کے گھر میں بجلی جل رہی ہے — اور نظریں بار بار انجلی کے گھر سے ہٹتی ہی نہیں۔

پہلا: (آہ بھرکر) گویا تم نے بھی دیوار پر بے قرار ماں کے اُچھلتے سائے دیکھ لیے ہیں۔

دوسرا: ہاں، بقول شاعر:

آہیں طوفان لاسکتی ہیں
ظالموں کو برباد کرسکتی ہیں

پہلا: (کھوکھلی ہنسی) طوفان تو آچکا ہے — کارواں بکھر چکا ہے — مجھے گھر والے چھوڑ کر امریکہ میں بس گئے ہیں اور میرے رشتے داروں کو ڈرا کر بھگا دیا گیا۔ تم نہ ہوتے تو میں کب کا دم توڑ چکا ہوگا۔

دوسرا: (ہنسی) مجھے 'تم' کہہ کر اپنائیت کا احساس دلایا گوکل۔ گوکلو! اور یہ لو — تمھارے وزیر کو میرے پیادے نے مار ڈالا۔

پہلا: وزیر کی فکر ہے بے مروّت — انجلی کی بات ہو رہی تھی — جانے کہاں ہوگی بے چاری — (آہ بھرکر) کھوگئی ہوگی طوفان ہیں۔

دوسرا: (آہ بھرکر) شاخ سے جدا ہو چکے ایک پتّے کی طرح! (دونوں دل شکستہ ہوکر بساط پر مہروں کو یوں ہٹا دیتے ہیں جیسے اپنی بھڑاس نکال رہے ہوں)

Cut To

سین-۱۲

(ریاض اور ضمیر دونوں تذبذب میں ہیں، اور کال بیل (Call Bell) کی آواز سن کر دونوں ایک ساتھ 'ماں!' کی آواز بلند کرتے ہیں۔ ضمیر کمرے سے نکل کر، پھر مکان کے باہر جا کر، پھاٹک کھول کر انجلی کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے)

ضمیر: ماں!

انجلی: (آواز میں لرزش) میری ماں بہت پریشان ہوگی۔ میں ایک فون کرسکتی ہوں۔

ضمیر: ہاں ہاں — آؤ — آؤ — (خود کلامی) شاید کرفیو کی وجہ سے کھوگئی ہے معصوم — (انجلی ضمیر کے پیچھے ڈرتی ہوئی چل پڑتی ہے)

(ریاض اپنی شرمندگی کے احساسات کے ساتھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے)

ریاض: میں ماں کو اپنا منہ دکھا نہیں سکوں گا۔ شاید اُس نے مدد کے لیے فون کیا ہوگا۔ مگر جب مددگار ہی گہری نیند سو رہا ہو تو وہ دشمن بن جاتا ہے۔ میں بھی اپنی ہی ماں کا دشمن بن گیا ہوں۔

سین-۱۳-اے

(ضمیر اور انجلی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ضمیر فون انجلی کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ انجلی کی انگلیاں کانپ رہی ہیں)

انجلی: نمبر مل نہیں رہا ہے۔

ضمیر: تم نے دو ہی Digit ڈائل کیے۔ ایسا کرو۔ (پانی پلا کر) تھوڑی دیر بعد۔ یا نمبر بتادو— میں ملا دوں گا۔

انجلی: (گھبرا کر) نمبر— بھول گئی۔

ضمیر: First of all you feel relaxed— یاد آجائے تو— (ہنسی) شہر میں کرفیو ہے۔ فون مل بھی جائے تو— نہ تم گھر جاسکو گی اور نہ تمھارے گھر سے کوئی تمھیں لینے آسکے گا۔ تم اِس کمرے میں تھوڑی دیر آرام کرلو۔ ایسا کرو۔ اس کمرے میں آرام کرلو۔

Cut To

سین-۱۴

(انجلی ساتھ والے کمرے میں داخل ہو جاتی ہے۔ ضمیر پردہ بند کر دیتا ہے۔ ریاض اپنے کمرے سے نکل کر ضمیر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا)

ریاض: گویا ماں—؟

ضمیر: نہیں— ایک لڑکی ہے۔ راستہ کھو گئی اور اب ہماری پناہ میں ہے۔

سین-۱۴-اے

(انجلی لفظ پناہ سن کر لرز اُٹھتی ہے)

انجلی: (خود کلامی) پناہ؟ یہ کیا ہوتا ہے؟ (آواز میں لرزش)

(انجلی کی عذاب و بے قراری کی عکاسی)

انجلی: پناہ، حرم— ایسے اُردو الفاظ کا مطلب پاپا سمجھایا کرتے تھے (رو پڑتی ہے) پاپا اس سے پہلے کہ کوئی مجھے ہاتھ لگائے مجھے اپنے پاس لے جاؤ۔

(ایک Electric Plug پر نظر پڑتی ہے تو انجلی لب سی لیتی ہے اور خود کلامی)

انجلی: یہ آسان طریقہ ہے— جونہی کوئی قریب آئے گا میں اپنا Hairpin پلگ میں ڈال دوں گی— اور (بے ساختہ رو پڑتی ہے) — مگر ممی کا کیا ہوگا؟ (انجلی کے رونے کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دیتی ہے)

سین-۱۴-بی

ریاض: (کریدکر) پرابلم What is her بھیا۔ آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ What is her Problem۔

ضمیر: Not a Medical Problem — پرابلم It is an emotional — ہماری ماں کھو کر ہم سے بچھڑ گئی ہے۔ (آہ بھرکر) اور یہ لڑکی خود کھو کر اپنی ماں سے بچھڑ گئی ہے۔

(دونوں چند لمحات کے لیے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے چہروں پر اُبھرے تاثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ضمیر کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں)۔

ریاض: بھیا! موسیٰ کے گھر فون نہیں ہے۔ شاید وہاں گئی ہوں۔ وہ اکثر وہاں جایا کرتی ہیں۔ غریب بیوہ کو روپے دینے کی خاطر — میں ان کے گھر دیکھ کر آؤں۔

ضمیر: تمھارے پاس کرفیو پاس ہے۔

ریاض: Ofcourse، بلکہ میں جس کو چاہوں اپنی کار میں کہیں بھی لے جا سکتا ہوں۔

ضمیر: آج کل متوازی حکومت چل رہی ہے۔

ریاض: (ہنسی) وہ سب مجھے جانتے ہیں۔ ہاں ماموں جان کی وجہ سے ماں کو کوئی — (ہچکچاہٹ کے ساتھ) تنگ کر سکتا ہے وہ بھی کچھ زیادہ......دکھا رہے ہیں۔

ضمیر: ریاض! تم بھی —؟

ریاض: یہ پوچھو کون نہیں ہے۔ آپ کا Logic ثبوت ہے۔ If 'A' is not 'B' then 'B' cant be 'A'

(Inset کی مدد سے انجلی کی Action اور Reaction)

ضمیر: تمھاری سوچ کے بارے میں جو مکمل طور پر بدل گئی ہے، جان کر مرحوم ابّا کی پاک روح کانپ اُٹھتی ہے۔

ریاض: کیوں؟ ابا مرحوم کہا کرتے تھے Vox Populi Vox Thy۔ آوازِ خلق آوازِ خدا ہے۔ لوگوں کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر، ایک ہی راستے پر، ایک کاروان میں شامل ہو کر، ایک ہی منزل کی طرف بڑھتے چلو۔

ضمیر: مرحوم ابا ایک گیت گنگنایا کرتے تھے:

پیر پنچال کی ہر چوٹی سے ہم نے یہ للکارا ہے
دُور رہو تم فرقہ پرستو! کشمیریت ہمارا نعرہ ہے!

(فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے اور ریسور ریاض اُٹھا کر باتیں سن کر Stunt ہو جاتا ہے)

ضمیر: کس کا فون تھا؟

ریاض: ماما جی کا۔ بس اتنا بتایا کہ — کہ ماں کو کوئی اسکوٹر والا اپنے ساتھ لے گیا تب جب موقع پر ایک زبردست بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک کار میں رکھے بم کے بلاسٹ ہونے کے بعد —

ضمیر: کوئی واقف کار ہوگا۔ یا کوئی Loyal پولیس افسر۔ ماں کا ان کی سادگی کی وجہ سے کئی لوگ احترام کرتے ہیں۔

ریاض: (گھبرا کر) وہ غلط انسان بھی ہوسکتا ہے (کچھ سوچ کر) یہ لڑکی کون ہے؟ (آواز دے کر) باہر آجاؤ (انجلی باہر یعنی ڈرائنگ روم میں آجاتی ہے)۔

ریاض: کون ہو تم؟ تمھارا نام کیا ہے؟ (انجلی رو پڑتی ہے)

ضمیر: ریاض! Be Kind فون کرنے آئی تھی۔

انجلی: (خود کلامی) یہ مسلمانوں کا گھر ہے۔ میں خود ہی شکاریوں کے جال میں پھنس گئی ہوں۔ جانے اب کیا ہوگا؟

ریاض: تو فون کرلو۔ کانپ کیوں رہی ہو؟ نمبر کیا ہے؟ (ریاض کے اندازِ بیان سے انجلی کو گویا کسی آفت کی دستک سنائی دے رہی ہے)

انجلی: (خود کلامی) نمبر بتادوں گی تو یہ جان جائیں گے کہ میں ہندو ہوں۔

ریاض: (غصے سے) نمبر کیا ہے؟

انجلی: ہمارا اپنا فون نہیں ہے۔ پڑوسیوں کو اطلاع دینی تھی۔ لیکن اب دیر ہوگئی ہے بُرا مان جائیں گے۔

ضمیر: کوئی بات نہیں — سحر ہوگی تو دیکھ لیں گے۔ رات جوں توں کاٹ لو۔ ماں کے کمرے میں۔ (ریاض ایک Negative Reaction دے کر بیٹھ جاتا ہے)۔

ضمیر: کیوں بُرا مان جائیں گے۔ یہ ایک انسانی فرض ہے۔

ریاض: (بوکھلا کر) وہ اگر بات نہیں کرنا چاہتی ہے تو آپ کیوں — (طنزاً) فون گھر میں داخل ہونے کا بہانہ۔

ضمیر: (ریاض کی بات کاٹ کر) کھانا کھاؤ گی؟

انجلی: نہیں — بھوک نہیں ہے۔ ماں کہاں ہے؟

ریاض: تم کیوں پوچھ رہی ہو؟

انجلی: ایسے ہی — ماں کے ساتھ رہتی تو —

ضمیر: یہ ماں کا ہی کمرہ ہے مگر ماں یہاں نہیں ہے اور وہ اس وقت کہاں ہے — ہمیں معلوم نہیں۔ کس حال میں ہے ہمیں نہیں معلوم —! ہم دونوں بھائی سخت پریشان ہیں۔

انجلی: کہیں وہ بھی — میری ہی طرح —

ریاض: تمھیں ہمارا گھر ملا — اور یقیناً یہ تمھاری خوش قسمتی ہے — اللہ جانے ہماری ماں کو۔ (رو پڑتا ہے) بھیا — میں ہسپتال بھی فون کرتا ہوں شاید — وہاں — !

ضمیر: (ٹوک کر) اچھی بات تمھارے دماغ میں آتی نہیں......! پھر بھی کہو۔ اگر کچھ کہنا چاہتے ہو؟

ریاض: ہوسکتا ہے کوئی ڈی آئی جی کی بہن کو اغوا کر گیا ہو۔ (بوکھلا کر) اگر ایسا ہوا تو میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔

انجلی: (اپنے پھولتے ہوئے سانسوں پر قابو پا کر خود کلامی) یہ میری طرف نفرت بھری نگاہوں سے کیوں دیکھ رہا ہے؟ کہیں یہ جان تو نہیں گیا کہ میں ہندو ہوں — ! اگر ان کی ماں کو ہندوؤں نے اِغوا کیا ہوگا تو یہ لوگ بدلے کی آگ میں مجھے بلی کا بکرا بنا ڈالیں گے۔ ماں! (رو پڑتی ہے) ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہیں؟ کیوں ہیں۔؟

(چند لمحات کی خاموشی)

سین - ۱۵

(انجلی کے چہرے پر ابھر رہے تشویش اور گھبراہٹ کے تاثرات — ضمیر کا ڈرائنگ روم)

ریاض: نہ ہسپتال سے کوئی اطلاع مل رہی ہے! —؟ اور نہ ماموں جان نے فون کیا ہے! —؟ رات کے گیارہ بج گئے ہیں۔ اب ماں کے گھر آنے کی کوئی اُمّید بھی نظر نہیں آ رہی ہے (چہرے پر غصّے اور تشویش کے تاثرات) قصور میرا ہے — اگر وقت پر گھر سے نکل پڑتا تو؟

(ضمیر رو رہا ہے اور یہ دیکھ کر ریاض غصّے سے بولتا رہتا ہے)

ریاض: ماں قسم اگر ماں کو کچھ ہو گیا تو میں دشمنوں کی بستیاں جلا ڈالوں گا — Yes! I well also react۔ نیست و نابود کر دوں گا ان کو جنھوں نے میری ماں کو فرقہ پرستی کا شکار بنا ڈالا ہے۔ (غصّے سے گرج کر) دیکھا بھیّا یہ تمھاری ماں کے ساتھ ہوا۔ اور آپ ہیں جواب بھی دشمنوں کی وکالت کر رہے ہو؟ انھیں مظلوم کہہ کر ان کے کالے کارناموں کی وضاحت کر رہے ہو؟ آپسی بھائی چارے اور Communal Harmony کی باتیں کرتے رہتے ہونا؟ چپ کیوں ہو گئے بھیّا۔ یہی سوالات جب خالد آپ سے پوچھتا ہے تب آپ اُس کو بد دماغ، brain washed، چابی پر چلنے والا روبوٹ، Nick names دیتے رہتے ہو......اب پوچھ بیٹھے تو لاجواب ہو گئے آپ!

(ضمیر خاموشی سے سنتا رہتا ہے مگر انجلی کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے اور اُس کی آنکھیں بہتی جا رہی ہیں اور چہرے پر ذہنی تناؤ کے تاثرات ہیں)

(پس منظر میں کتّوں کے بھونکنے کی آواز نمایاں طور پر سنائی دے گی)

(انجلی کے چہرے کے تاثرات کی Study کے ساتھ اس کی خود کلامی)

انجلی: (خود کلامی) اپنی ماں گھر لوٹ کر نہیں آئی تو اُبل پڑے۔ میرے پاپا کو سرِ عام قتل کر دیا تو کیا تب خون کا رنگ سفید ہو کر منجمد ہو گیا تھا۔ (سسکتی رہتی ہے)

(انجلی کے حوالے سے ایک فلیش بیک)

سین-۱۶

(سڑک پر خون سے لت پت ایک لاش پڑی ہے اور لاش کے پاس انجلی ہے اور کوئی نہیں۔ انجلی چیخ کر، چلا کر، بلک بلک کر روتے، ہاتھ جوڑ کر صدائیں دے کر مدد مانگ رہی ہے)

انجلی: میرے پاپا کو کسی نے گولی ماردی۔! میرے پاپا کو اسپتال لے جاؤ— شاید بچ جائیں—! میرے پاپا کو یہاں سے اٹھانے میں میری مدد کرو! کوئی تو میری مدد کرو۔! کوئی تو مجھے پاپا کو گھر لے جانے میں مدد کرو!

(اور پھر انجلی کی سڑک پر نوحہ خوانی کرتے ہوئے فلیش بیک ختم)

سین-۱۶-اے

(انجلی پھر رو پڑتی ہے)

انجلی: پاپا کو گولی ماردی۔ میری موت بھی یقینی ہے۔ مگر میں اپنی آبرو بچالوں گی اور موت کو خود گلے لگا لوں گی۔ مگر ماں؟۔؟ وہ میری لاش دیکھ کر ہی دم توڑ دے گی۔ اچھا ہے نہ آنسو بہیں گے اور نہ کوئی نوحہ خوانی کرنے والا ہوگا۔

(فون کی گھنٹی سے انجلی کے احساسات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر ضمیر کو یوں دیکھ رہی ہے گویا وہی اُس کا مسیحا تھا جبکہ ریاض کی باتیں یوں سن رہی ہے گویا ایک مجرم اُس جرم کی سزا بھگتنے جارہا ہے جو اُس نے کیا ہی نہیں اور اُس کی یہ کیفیت اُس کی Body Language اور چہرے و آنکھوں میں ابھر رہے تاثرات سے عیاں ہوں گے)

سین-۱۶-بی

(ضمیر کا ڈرائنگ روم۔ ضمیر رسیور اٹھاتے ہی چونک پڑتا ہے)

ضمیر: ہیلو— کیا—؟ بات کرسکتا ہوں۔ ہیلو۔ ہیلو۔

ریاض: کس کا فون تھا؟ کیا کہا؟ آپ کچھ چھپا رہے ہیں؟

ضمیر: کسی اجنبی کا فون تھا۔ ماں اُس کے گھر میں ہے۔

ریاض: کچھ اور کہا؟ کچھ تو بولو ضمیر بھیّا۔

ضمیر: اس کے علاوہ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ (بڑبڑا کر) فون کٹ گیا؟ یا پھر اُس نے فون رکھ دیا؟ جان بوجھ کر؟ نہیں! نہیں—! فون کٹ گیا ہوگا! شکر ہے اللہ کا کہ ماں سلامت ہے۔ یقیناً کوئی فرشتہ ہوگا ورنہ فون کیوں کرتا۔ This is simple logic۔

ریاض: (کرید کر) اطلاع دینے کا لہجہ کیسا تھا؟ بھیا لہجہ کیسا تھا؟ مطلب یہ کہ اغوا کرنے والے بھی تو اطلاع دیتے ہیں۔ مگر ڈرا دھمکا کر۔ Please let my know۔

ضمیر: اتنا کہا کہ آپ کی ماتا جی میرے گھر میں ہیں۔

ریاض: ماتا جی کہانا —؟ میں سب سمجھ گیا۔ یعنی ہندو ہوگا —! بھیا یہ ایک چال ہے۔ جال بچھایا گیا ہے اسی لیے نام اور پتا نہیں بتایا —! ابلیس کی اولاد کو پکڑ کر جکڑ دوں گا تا کہ عبرت ہو۔

ضمیر: ہو سکتا ہے ڈر گیا ہو۔ آج کل ثواب کا کام کرنے والے بھی اپنی شناخت پوشیدہ رکھتے ہیں۔

ریاض: یہی تو ایک مشکل ہے۔ جس کو Simple logic کہتے ہیں وہ ایک Trap کرنے کا Logic ہوتا ہے۔ دشمن کو اپنی صفائی کے لیے سچ یا جھوٹ بولنا ہی نہیں پڑتا ہے اور ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کیونکہ آپ جیسے لوگ ہی تو ان کی وکالت کرتے رہتے ہیں — ماضی کے حوالے دے کر آپ نظر آرہے درخت کی فکر کرنے کی بجائے ان دیکھی جڑوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

ضمیر: ماں سلامت ہے۔ کسی کی پناہ میں ہے۔ This is enough- Now relax۔

ریاض: How can I relax۔ ماں ایک دشمن کی قید میں بھی ہو سکتی ہے؟

ضمیر: کیا تم Positive نہیں سوچ سکتے؟

ریاض: شعلوں کو دیکھ کر کہہ دوں کہ برف گر رہی ہے! Sorry I am not blind یہ آپ کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ کہتے رہتے ہیں۔ فقط اس لیے کہ لوگ آپ کو اچھا کہیں۔ لبرل، پروگریسیو، دور اندیش کے القاب سے نوازیں۔ Human rights activist اپنوں کی مخالفت کرنے والے سیکولرزم کے علمبردار! ماضی کے دھندلے آئینے میں ملک کے مستقبل کے عکس مت دیکھو — بلکہ چاروں طرف بکھرے پڑے ٹوٹے کانچ کے ٹکڑوں میں اپنا حال دیکھ لینے کی کوشش کرو! اپنے لوگوں کی حالت دیکھنے کی کوشش کرو — فلاسفی کے قدر دان، سقراط جیسے مہربان، ذی ہوش انسان — ڈاکٹر ضمیر خاں Just forget Past- live on Present۔

(ریاض اور ضمیر کی بحث ریاض کی وجہ سے جب تکرار کی شکل لینے لگتی ہے تب ضمیر کی وجہ سے بار بار کروٹ بدل کر Cool ہو جاتی ہے)

ضمیر: آس پاس دُھواں ہو تو صحت مند لوگ بھی کھانسنے لگتے ہیں۔ بھوک کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ دیکھ تو آؤ شاید ماں نے کچھ بنا کر رکھا ہو!

ریاض: (تلخ ہنسی) آپ کو Human Rights Commission کا ممبر ہونا چاہیے۔ (طنزاً) خود ساختہ ممبر تو آپ ہو ہی!!

ضمیر: وہ کیوں؟

ریاض: اس لیے کہ دوسروں کے جرموں پر پردہ ڈال کر اپنوں کو قربان کرنے والے آپ جیسے دانشور ہی تو ہوتے ہیں۔ ہماری ماں کو ہمارے دشمنوں نے اغوا کر لیا ہے۔ اُس کی فکر نہیں۔ ہاں یہ لڑکی، جو

پُراسرار طور پر ہمارے گیٹ تک پہنچ گئی۔ ظاہر ہے کہ کسی خاص مقصد سے۔ وہ بھوکی نہ رہے۔ یہ فکر آپ کو کھائے جارہی ہے۔ Tension میں ہم سب کی بھوک مرجاتی ہے۔ (بڑبڑا کر) جانے کون سی آفت لے کر آئی ہے — بھیا، سقراط بن جانے کی کوشش مت کرو۔ زہر کا پیالہ پلا دیں گے وہ جو آپ کو خالد کی وجہ سے — اب اور کیا کہوں۔

Cut To

سین -١٧

(انجلی خوف سے گویا دب گئی ہے اور گلے میں لٹکے بھگوان رام کے لاکٹ کو چوم چوم کر دعا کر رہی ہے۔ اچانک وہ چونک پڑتی ہے)

انجلی: (گھبراہٹ میں خود کلامی) بھگوان۔ میری مدد کرو۔ مجھے اس نرک سے نکال دو۔ (روتے روتے لاکٹ آنکھوں سے لگاتے ہی وہ اچانک چونک پڑتی ہے) مگر یہ لاکٹ میرے گلے میں دیکھ کر یہ لوگ جان پائیں گے کہ میں ہندو ہوں! یہ میرے گلے میں ایک پھندے کا کام کرے گا۔ نہیں نہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔

(انجلی کانپ رہے ہاتھوں سے لاکٹ اُتار کر فرش پر بچھے قالین کے نیچے چھپا کر یوں محسوس کر رہی ہے جیسے وہ اس نے اپنے آپ کو شناخت کے قہر سے بچالیا ہو۔ اور اُس کی یہ کیفیت Body Language سے ظاہر ہوگی)

(فون کی آواز)

سین -١٨

(ریاض فون اٹھاتا ہے مگر فون کٹ جاتا ہے۔ کال بیل بج اُٹھتی ہے۔ ضمیر کو روک کر ریاض مکان کے باہر جاتے ہوئے ضمیر سے تلخ لہجے میں باتیں کرتا ہے)

ضمیر: رات کے ایک بجے کون ہوسکتا ہے؟

ریاض: اس لڑکی کے ساتھی ہوسکتے ہیں۔

ضمیر: اور کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ ماموں جان کے ساتھ آئی ماں بھی ہوسکتی ہے۔

ریاض: میں دیکھ آتا ہوں۔

Cut To

سین -١٨-اے

(انجلی پردے کا کونہ ہٹا کر ڈرائنگ روم میں Peep کر رہی ہے)

انجلی (خود کلامی میں Who Pathos) بھگوان کرے ان کی ماں ہو۔ ماں کے ہاتھوں میں بچاؤ کی غیبی طاقت ہوتی ہے۔ ماں ہوئی تو میں سچ سچ بتادوں گی۔ چاہے وہ گلے سے لگائے یا گلا دبادے۔

Cut To

سین-۱۸-بی

(ریاض جونہی برآمدے میں داخل ہوتا ہے وہ خالد کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے)

ریاض: خالد تو اندر کیسے آ گیا؟

خالد: کال بیل دبا تو دی تھی۔ پھاٹک بند تھی تو اپنے اسٹائل سے اندر آ گیا۔ دیوار پھاند کر۔ بلکہ اس بار کئی دیواریں پھاند کر یہاں پہنچا ہوں۔

(خالد کے ہاتھ اور ایک ٹانگ سے خون بہہ رہا ہے)

ریاض: زخم کس نے دیے؟ یہ تو پوچھوں گا نہیں۔ مگر جلدی اندر چلو میں پٹی کر دوں گا۔

(دونوں کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

سین-۱۸-سی

(ڈرائنگ روم میں ضمیر ہے اور کمرے کو جھانک رہی انجلی کی آنکھیں ہیں)

ریاض: خالد ہے۔ زخمی ہے—

ضمیر: میں تمھیں دیکھ کر بیٹھ گیا ہوں (غصے سے) یہ لڑکا باز نہیں آ رہا ہے۔ پِٹ گیا ہوگا پولیس سے۔ ملٹری سے۔ اپنے ساتھیوں سے یا پھر بھگدڑ میں زخمی ہوا ہوگا۔ پوچھ لو۔ کیوں ہوسٹل چھوڑ کر— یہاں آ گیا۔ منع کیا تھا نا میں نے؟ بلکہ ماں نے بھی۔

(ضمیر خالد کی حالت دیکھ کر نرم پڑ جاتا ہے اور اس کے قریب جا کر پوچھ تاچھ کرتا ہے)

سین-۱۹

(انجلی کی Pathetic حالت۔ خود کلامی ہچکیوں کے ساتھ)

انجلی: یہ حیوان نہیں ہیں۔ ہوتے تو اپنی نسل کو کیوں کھا جاتے۔ یہ لوگ درندے ہیں۔ وحشی— خونخوار درندے۔ پاپا کہا کرتے تھے کہ بھگوان نے انسان بنائے۔ ہم نے ان کو ہندو یا مسلمان بنایا۔ مذہب مہذب ہونے کے لیے بنائے۔ فرقہ پرستوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو شیطان کا غلام بنا ڈالا۔ میں ہندو کے گھر پیدا ہو کر انجلی بن گئی ہوں اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میری کوئی Choice تو نہیں تھی۔ دی ہوتی تو میں پرندہ بن جاتی۔ یا پھر کوئی کیڑا مکوڑا۔ یا سمندر میں رہنے

والی مچھلیاں — تو نہ ہندو ہوتی میں اور نہ مسلمان۔
(انجلی کے سسکنے کی آواز)

Cut To

سین-۲۰

(خالد اور ریاض باتیں کر رہے ہیں جبکہ ضمیر ایک گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے)

ضمیر: (آہ بھر کر خود کلامی) یہ کیا ہو رہا ہے، ناخدا ہی کشتی کو بھنور کی طرف لے جا رہا ہے۔ میں نے مشکل سے کشتی کو ساحل کے قریب لایا تھا، تو اپنے ہی چھید کر کے اُس کو ڈبو رہے ہیں —!

خالد: پھر اچانک ایک دھماکے کی آواز گرج اُٹھی۔ (خالد ریاض کو خود پر بیتی کہانی سنا رہا ہے)

ریاض: (کرید کر) کیا تم واقعی انشورنس کے دفتر گئے تھے؟

خالد: Trust me۔ اپنے ایک دوست کے ساتھ۔ (ہنسی) ایک اچھے دوست کے ساتھ۔ کیونکہ موٹر سائیکل تو میرے پاس تھی اور اُس نے اپنا Premium دینا تھا —

(ریاض سوالیہ نگاہوں سے خالد کو دیکھتا رہتا ہے)

خالد: (ہنسی) شک کرنا تو بڑے بھیا کی Hobby ہے، ان کا محبوب مشغلہ۔

ضمیر: ہوسٹل میں ہی رہتے ہو یا کہیں اور۔ (طنزیہ ہنسی) شک کرنا میرا محبوب مشغلہ جو ٹھہرا۔

خالد: جب میں ہوسٹل سے نکلا تب سب Normal تھا — I Swear۔ آپ کی قسم — Big Brother!

ضمیر: آج کل Normality اور Abnormality میں ایک وقفے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ کہیں دھماکہ ہوا، دُھواں اُٹھا، زمین پر خونِ آدم گر گیا۔ خوشگوار حالات سنگین بن جاتے ہیں۔ کوئی شک۔ (ہنسی)

(خالد اپنے کپڑے اُتارتا ہے اور ریاض مرہم پٹی کر دیتا ہے)

خالد: اب کب کیا ہوگا، کوئی جان پاتا ہے کیا؟ بھیا! یہ وہ جنگ تو نہیں جو پانی پت کے میدان میں لڑی جاتی تھی۔ یعنی فوجیں آمنے سامنے ہوں اور ایک آواز بلند ہو — یلغار ہو! (قہقہہ)

ریاض: (سرگوشیانہ انداز میں) ہوسٹل پر Raid ہوا یا تمھیں جنون سڑکوں پر لے آیا؟ — Be frank (ہنستی) تمھاری ہنسی جواب دے چکی ہے۔

خالد: اس بار مجھے انشورنس کے دفتر میں ملٹری نے پکڑ لیا۔ مشکلاً ان کی گرفت سے نکل گیا تو......

(دونوں کی Mute گفتگو۔ اور ان کو قریب سے انجلی کی جھانک رہی آنکھیں)

سین-۲۱

(انجلی ایک کونے میں دُبک کر یوں بیٹھ جاتی ہے گویا ایک شکار شکاری کے غار میں بیٹھا موت کا انتظار کر رہا ہو۔ اور یہ کیفیت انجلی کی Body Language سے Convey ہوگی)

انجلی: (لرز کر خود کلامی) ہے رام یہ تو وہی لڑکا ہے جو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ (آواز میں لرزش) جس کی وجہ سے میں بھٹک کر یہاں پہنچ گئی۔
(انجلی اپنے سوکھے ہونٹوں کی تھرتھراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے) وہ راکھشس بھی یہاں آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھے دبوچ لے گا۔ (لب سی کر آنسو بہا رہی ہے)

Cut To

سین-۲۲

(ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں خالد ضمیر سے باتیں کر رہا ہے۔ ضمیر آنکھیں بند کر کے ان کی باتیں سن رہا ہے اور اچانک وہ بول پڑتا ہے)

ضمیر: انسان حیوان بن چکا ہے—!—!! خالد اس سچ کی تصدیق کر رہا ہے۔

خالد: سرکار انسانوں کو حیوان بنا چکی ہے۔ حاکم اُن کو ہانک کر لے جاتے ہیں یا ڈنڈے برسا رہے ہیں لیکن اب اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہی وقت کی مانگ ہے۔ اب آپ کے فلسفوں میں باس آتی ہے۔ (طنزاً) رشیوں کی زمین اب میدانِ جنگ بن چکی ہے اور ہم سب جانباز سپاہی ہیں۔ (چلاّ کر) ہم سب۔ سب۔! سب!!

ضمیر: اور بہانے تراش کر جھوٹ بولنا—تمھاری بیماری ہے، لاعلاج بیماری جس کو تم ڈنکے کی چوٹ سمجھ رہے ہو۔ جس دن ان بہانوں کو سچائی کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اُس دن—(آہ بھر کر) سمجھ میں آ جائے گا کہ تم بہک کر بھٹک گئے تھے اور بھڑک کر ان شعلوں کو ہوائیں دیتے رہے جو تمھارے گھر کو راکھ کا ڈھیر بنا چکے۔ راکھ سے اینٹیں نہیں بن سکتیں۔ اینٹوں کے بغیر دیواریں نہیں بن سکتیں۔ دیواروں کے بغیر گھر نہیں بنائے جا سکتے۔

ریاض: (بات کاٹ) سقراط کو زہر کا پیالہ پی کر یاد آئے گا کہ میں خاموش رہتا تو بہتر۔ ہم ماں کی باتیں کر رہے ہیں ان کی فکر نے کرب کا احساس دلا دیا ہے! خالد کے زخم دیکھ کر درد کی شدت محسوس ہو رہی ہے اور آپ درد اور کرب دونوں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ (اونچے لہجے میں) And this is a fact big brother

خالد: ماں کو کیا ہو گیا؟ (ہنسی) سمجھا۔ اپنے .D.I.G کی فکر کر رہی ہے۔ ریاض بھیا! اپنے ماموں جان Hit List پر ہیں۔ ماں رشتوں کی آنچ سے موم کی طرح پگھل رہی ہوں گی۔ اب ان کو کون سمجھائے کہ ان کے بھائی خود ہی آگ میں کود چکے ہیں۔
(ضمیر غصے سے خالد کو دیکھ کر، فون پر بار بار کئی نمبر گھماتا ہے)

خالد: سچ تو یہ ہے کہ میں آج بال بال بچ گیا۔ یہ ماں کو آپ دونوں نہیں بتائیں گے۔ اُن کو سونے دو۔ کل صبح میں خود بتا دوں گا کہ—

Flash Back

سین-۲۳

(دور سے نعروں کی آواز۔ خالد دو بزرگوں سے ٹکرا جاتا ہے کیونکہ وہ کسی کی تلاش کر رہا ہے)

پہلا: آدمی ہو کر آدمی سے ٹکرا گئے۔ نادان؟ کتّے سے ٹکرا جاتے تو تمھاری ٹانگ اُس کے منہ میں ہوتی —!

دوسرا: (ہنسی) کتّے جلوس میں کچلے نہیں جاتے! کیونکہ حیوانوں کو بچانے والی تنظیمیں ان کی حفاظت کرتی ہیں۔ بقول شاعر:

کہنے کو چوٹ لگی کلیجہ منہ کو آ گیا
انسان کچلا گیا ذکر خبروں میں آ گیا

(خالد ان کی باتیں سن رہا ہے مگر اُس کی نگاہیں انجلی پر جمی ہوئی ہیں)

دوسرا: کس سے باتیں کر رہے ہیں ہم۔ جس کو ہم نادان سمجھ رہے ہیں۔ وہ آج کا نوجوان ہے۔ بقول شاعر:

کہیں پر نگاہیں، کہیں پر نشانہ
دل میں چور لبوں پر ترانہ

Flash Back

Original Scene resumes

سین-۲۳-اے

(انجلی کی حالت خراب ہے اور وہ ریاض اور خالد کی باتیں سن رہی ہے۔ ریاض اور خالد کی گفتگو جاری)

خالد: اور پھر افراتفری کے ماحول میں۔ لڑکی کبھی نظر آیا کرتی تھی کبھی پاس ہو کر بھی کہیں نظر نہیں آیا کرتی تھی۔ پہلے مجھے پولیس والے پکڑ کر لے گئے۔ ماموں جان کا نام کام آیا۔ موٹر سائیکل چھوڑ کر گلی کوچوں میں بھٹکتا رہا۔

ریاض: کیوں؟ پولیس والے کو کہہ دیتے گھر چھوڑ آؤ۔

خالد: میں لڑکی کی تلاش کر رہا تھا تو ملٹری والے پیچھے پڑ گئے۔ اور مشکل سے یہاں پہنچ پایا۔ یہ نہ پوچھو کیسے؟ کئی دروازوں پر دستک دی، مگر کسی نے — اُف — آفت کیا ہوتی ہے۔ یہ جان گیا ہوں۔

ریاض: اور وہ لڑکی۔

خالد: اسی بات کا تو رونا ہے۔ جانے کہاں گئی جس کی خاطر یہ زخم کھائے۔ وہ میرے ذہن پر بوجھ ڈال

کر جانے کہاں چلی گئی ہے۔

CUT To

سین -۲۴

(انجلی کی حالت Pathetic ہے)

انجلی: (خود کلامی) اب تو — شک — یقین میں بدل گیا۔ یہ لڑکا مجھے یہاں دیکھ کر — (تھرتھرا رہے ہونٹوں کا رنگ نیلا پڑ جاتا ہے) اب ان کی ماں شاید میرے لیے بھگوتی درگا بن کر مجھے ان درندوں سے بچالے۔ مگر وہ میرے لیے ایسا کیوں کرے گی؟ ایک غیر کی خاطر وہ اپنوں کو کیوں روکے گی اور پھر — میں ایک ہندو لڑکی ہوں۔ اور وہ مسلمان!

Cut To

سین -۲۵

(ریاض خالد کو کافی پلاتا ہے۔ ریاض ایک کپ ضمیر کو بھی Offer کرتا ہے مگر وہ Refuse کر خالد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

ضمیر: جب سے آئے ہو ماں کے بارے میں — کچھ تو پوچھا ہوتا۔

خالد: سو رہی ہوگی — سونے دو۔ اس وقت جگادوں تو وہ پریشان ہو جائیں گی۔ وہ آپ پر گئی ہیں۔ نہیں (قہقہہ) آپ ان پر گئے ہو۔

ضمیر: میں اُن پر گیا ہوں اور تم تو اپنے مرحوم ابا پر بھی نہیں گئے۔ خیر۔ ماں گھر میں نہیں۔

خالد: ریاض بھائی نے بتایا نہیں۔ پھر ماں کے کمرے میں بجلی کیوں جل رہی ہے۔ (ہنسی) مذاق کر رہے ہیں آپ۔ (قہقہہ) وہی تو ہیں جو سوتے وقت بھی بجلی آف (Off) نہیں کرتی۔

ضمیر: کیونکہ ابا حضور کے انتقال کے بعد ان کو اندھیروں سے ڈر لگتا ہے۔

خالد: (قہقہہ) عینک لگا کر خوابوں کو صاف صاف دیکھنے والی بوڑھی عورت کا قصہ یاد آ رہا ہے۔

ضمیر: (غصے سے) Shut up۔ ماں گھر میں نہیں ہے۔ ریاض کو بھی۔ (طنزاً) وہ گھر میں ہو کر بھی نہیں جانتا تھا کہ ماں ماموں جان کے گھر سے لوٹ کر آئی تھی یا نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایک فون آیا تھا کہ وہ کسی بھلے آدمی کی پناہ میں ہے — اس لیے ذہنی عذاب سے راحت ملی ہے۔

ریاض: یا پھر ان کو اغوا کرنے والوں کی قید میں ہے (رو پڑتا ہے) — میں عذابِ شدید کا شکار ہوں۔

خالد: (غصے سے بھڑک کر) کس نے کی ہے یہ حرکت — خالد کی ماں کو اغوا کر کے کسی نے ایک Volcano کا منہ کھولا ہے۔

ضمیر: جس کسی کو اغوا کیا جاتا ہے یا جس کو پناہ دی جاتی ہے کسی کی ماں بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ صبح کا انتظار

کرنا ہوگا۔شاید دہک رہے انگاروں پر برف کا تودہ گر جائے۔

سین-۲۶

(تینوں بھائیوں کی بحث دیکھتے ہی دیکھتے تکرار کی شکل اختیار کر لیتی ہے)

ریاض: Big brother تو اپنی عینکوں سے دنیا کو دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ راحت ملی ہے یا ہم پر قہر ٹوٹ پڑا ہے، Latest News آنے کے بعد جان پائیں گے۔

خالد: کیونکہ ہم خود نیوز بناتے ہیں۔ ہم کھلاڑی۔ خود کھیل کھیلتے ہیں، اور دیکھتے ہیں یعنی ایک Game ہے جس میں جیت ہار کا فیصلہ ہونا ہے۔ جیت یا ہار ہمارے لیے ایک News ہے۔ یعنی ہم خود اپنے کیے تماشوں کے تماشائی ہیں۔

ضمیر: ایک Game ہے اور اُس کا فیصلہ News ہے (غصے سے طنزاً) Game — جو تم خود نہیں۔ کوئی تم سے Play کرواتا ہے۔

خالد: جی ہاں — سانپ سیڑھی کا کھیل۔

ضمیر: جی نہیں — قتل و غارت کا کھیل — کوئی Compute کرتا ہے اور نتیجہ کمپیوٹر پر آتا ہے۔

خالد: بڑے بھیا — آپ ایسی باتیں نہ کریں تو بہتر — آپ کی فلاسفی — تواریخی حوالے، رام رحیم کے قصّے۔ اور قومی یکجہتی کے بھاشن ہمارے زخموں کو کرید کرید کر ہمیں دشمنوں کے ظلم و ستم کی داستان سنا دیتے ہیں۔ ان باتوں کو رہنے دو — مجھے یہ بتاؤ کہ ماں کس کی قید میں ہے۔

ریاض: یہ معلوم ہوتا تو میں سر پر کفن باندھ کر کب کا نکل پڑا ہوتا — مرنے یا مارنے کی جنگ لڑ کر ماں کو آزاد کر کے لے آیا ہوتا۔

خالد: نام یا پتہ نہیں بتایا؟ — ذلیل کمینے نے —؟ کچھ مطالبہ بھی کیا ہوگا؟ ہماری چالیس سیکھ گئے ہیں نا!

ضمیر: شاید بتا دیتا لیکن — فون —

ریاض: نہیں بھیا فون کٹ نہیں گیا — جان بوجھ کر کاٹا گیا — فون کرنے والا ایک ہندو تھا — Yes, I am Sure۔

خالد: ہاں ایسا ہی ہوتا ہے — (تلخ ہنسی) I know how things develop۔ پہلے اطلاع دے کر ہم پر Psychological دباؤ ڈالا ہے اور اب جب فون آئے گا تو سودے بازی کی شرطیں بتائی جائیں گی (کچھ سوچ کر) اب فون آئے تو میں بات کروں گا۔ (ماں کے کمرے کا پردہ اُٹھا کر) (چونک کر) یہ ماں کے کمرے میں کون ہے؟ یہ لڑکی کون ہے؟ (انجلی کو اچھی طرح سے دیکھ کر بھی کوئی Reaction نہیں دیتا)

ضمیر: ریاض کی Patient ہے۔ کرفیو لگ گیا تو — بے چاری پھنس گئی — ہمارے گھر میں، جیسے ہماری

ماں کسی اور کے گھر میں— (خالد کا بازو پکڑ کر) یوں کسی کو دیکھنا نہ ہماری خصلت ہے اور نہ فطرت۔

ریاض: (سرگوشیانہ لہجے میں) بھیّا آپ جھوٹ بول رہے ہیں— کیوں؟۔؟؟

ضمیر: (سرگوشیانہ لہجے میں) میرے جھوٹ کو سچ بنادو پلیز، تمھیں اللہ پاک کا واسطہ! ماں کا واسطہ۔ پلیز۔

ریاض: (بڑبڑا کر) مگر کیوں؟

ضمیر: لڑکی ہندو ہے۔ یہ ہم دونوں اُس کا لاکٹ دیکھ کر جان گئے ہیں۔ اب اگر خالد یہ جان گیا تو— تو جانے کیا کر بیٹھے گا— جوش میں ہوش کھو گیا تو سمجھ لو ہمارے بھی ہوش اُڑ جائیں گے۔ دیکھتے نہیں کہ اُس کی آنکھوں میں نفرت اور انتقام کے انگارے دہک رہے ہیں—

ریاض: خالد کی بات رہنے دو— میرا بھی ایسا ہی حال ہے۔ لگتا ہے سر میں ایک بم ہے جو کسی وقت پھٹ کر دشمن کے قلعوں کو تنکوں کی طرح اُڑا دے گا— ہاں۔! دل کی بات کر رہا ہوں۔

ضمیر: چپ ہو جاؤ— خالد کو کمرے کے اندر جانے سے روکنے یا اِدھر اُدھر ٹالنے کی بجائے تم ایسی باتیں کر رہے ہو!This is really shameful—

ریاض: یہ کیا بھیّا— غیروں کے لیے اپنوں کو کوس رہے ہو۔!This is very unfair۔

ضمیر: ریاض کیا ہو گیا ہے تمھیں؟ تم بھی بہک کر بھڑک رہے ہو! کیا ہو گیا ہے تمھیں۔

ریاض: مجھے نہیں— آپ کو کچھ ہو گیا ہے— محلے والے ٹھیک ہی بول رہے ہیں۔ آپ سستی شہرت اور ایوارڈ کے چکّر میں اپنی ہی قوم کے دشمن بن گئے ہو—!

سین -۲۷

انجلی: (خود کلامی) ہے بھگوان میری رکھشا کرو۔ یہ راکھشس دروازے پر کیوں رُک گیا ہے؟ خالد نے مجھے پہچان لیا ہے! بھگوان!!

(خالد پردہ ہٹا کر انجلی کو دیکھ کر پھر لائٹ Off کر دیتا ہے)

خالد: السلام علیکم— اندھیرے میں نیند جلدی آجاتی ہے— ہے نا؟ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ پردہ کرتی ہیں (ایک Wild قہقہہ) میرے دل میں آپ کے لیے عزت ہے (دروازہ بند کر کے خالد چلا جاتا ہے)

انجلی: (خود کلامی) شکر ہے کہ خالد نے مجھے پہچانا نہیں۔ مگر ایسا کیسے ہوا؟ جیسے بھی ہوا اچھا ہوا— مگر؟— کہیں وہ— بکری کو ذبح کرنے سے پہلے قصائی کی طرح گھاس تو نہیں کھلا رہا ہے۔

خالد: (خود کلامی) بے وقوف لڑکی (ہنسی) میری نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ انجلی میں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ ہاں پہلی ہی نظر میں پہچان لیا ہے! تمھاری ہی تلاش میں تو میں مصیبت میں پھنس

گیا۔ تمھارا پیچھا نہیں کرتا تو Interrogation کی مار کیوں کھاتا۔ انجلی! تمھاری وجہ سے میرا خون میرے جسم سے نکال کر میرے کپڑوں پر لگا دیا گیا ہے— صبح کے اُجالے میں دکھادوں گا—

ضمیر: (خودکلامی) اچھا ہوا جو خالد نے اپنے خاندانی وقار کو داغدار نہیں ہونے دیا۔

(فون کی کی گھنٹی بجتی ہے اور تینوں بھائی چونک پڑتے ہیں)

خالد: نہیں ریاض بھیا، آپ نہیں میں فون اٹھالیتا ہے۔ ہیلو— کون بول رہا ہے (چونک کر) کون ماں؟ ماں تم کہاں سے بول رہی ہو؟ ہیلو— ہیلو— اُف۔ فون کٹ گیا۔ Just Wait (ڈائل کرتا ہے) ہیلو— میں 2554505 سے بول رہا ہوں۔ ابھی کسی نے ہمارا نمبر ڈائل کیا تھا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ نمبر کیا تھا— (غصے سے) مشکل یہ ہے کہ مشکل میں کوئی مدد نہیں کرتا— یہ ٹیلی فون والا بھی ہمارا دشمن ہوگا۔

ضمیر: فون پر ماں تھی؟

خالد: ہاں، ماں تھی۔

ریاض: کچھ کہا؟

خالد: فون کٹ گیا— بلکہ کاٹا گیا۔ This is also a part of the game۔

ضمیر: خالد! تمھاری یہ بے تکی قیاس آرائیاں میری پریشانیوں میں اضافہ کررہی ہیں—!

ریاض: اس بار میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ فون کٹ گیا ہوگا (نرم لہجے میں) دھمکانے والی یا سودے بازی والی بات ہوتی تو آدھی رات کو ماں نہیں بلکہ وہی بات کرتا جس نے پہلے فون کیا تھا۔ اب میں بھی Positive ہوں۔

خالد: (ریاض کی بات کاٹ کر) یہ Tactics آپ لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں، دیکھو پھر فون آئے گا— اور پھر فون کاٹا جائے گا— Just wait and watct

(فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے)

خالد: ہیلو— ہاں ماموں جان— ہاں— ہاں— یہاں بھی فون آیا تھا— پہلے ایک اجنبی کا— اور ابھی ابھی ماں کا— آپ سے کوئی بات ہوئی؟ نام اور پتہ بتایا—؟ ماموں جان اگر DIG کی بہن کا یہ حال ہوسکتا ہے تو— اوروں کا کیا ہوگا۔ کمال ہے آپ بھی ضمیر بھیا کی طرح— آپ لوگ ہماری جنریشن کو کمتر سمجھتے ہیں کیا؟ ہاں آپ کو بہن سے زیادہ اپنی نوکری— جب اگلا آدمی فرقہ پرست ہو تو۔ ماموں جان یہ دو فرقوں کی لڑائی ہے بلکہ جنگ ہے— ہاں جنگ— آپ کو اپنے لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے! O.K O.k ٹھیک ہے میں پاگل سہی— لیکن اپنے لوگوں کا وفادار تو ہوں۔

ضمیر: خالد تمھارا ماما ایک قابل DIG ہے۔ Control yourself & behave۔ مجھے فون دو—

ہیلو۔ ضمیر بول رہا ہوں۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں ماموں جان۔ نہیں میرا دل کہہ رہا ہے کہ ماں کسی بھلے انسان کی پناہ میں ہے۔ Yes I agree with you اگر Intentions بُرے ہوتے تو وہ ماں کو ہم سے فون پر بات کرنے ہی نہیں دیتے! ہاں اگر آپ نمبر Locate کرا سکیں۔ ٹھیک ہے۔ ! ہاں سحر کا انتظار کر لیتے ہیں۔ ہاں۔ اچھا۔ اچھا۔ میری نیند اُڑ گئی ہے پھر بھی سونے کی کوشش کروں گا۔ السّلام علیکم۔ ! ماں۔

خالد: اِن شیطانوں کو بدلہ لینے کے لیے ہماری ہی معصوم ماں مل گئی اور کوئی نہیں (رو پڑتا ہے) کسی لیڈر کو اِغوا کر لیتے۔ ماں کو کیوں؟ (چلاّ کر) میری ماں کو کیوں؟

سین - ۲۸

(خالد کے غصّے اور ذہنی تناؤ کا ملا جلا اظہار اور اُس کی Actions دیکھ کر ریاض، ضمیر اور انجلی کی Reactions)

خالد: ہماری ماں کا بھائی سرکار کا وفادار DIG ہے۔ اگر یہ سوچ کر ماں کو اِغوا کیا گیا ہے تب تو یہ ایک عام واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک سازش ہے۔ جو ایک (جذباتی ہو کر) المیہ بھی ہو سکتی ہے۔ گویا ہمارے دشمن ہماری ہی چال بازیاں ہم پر چلا رہے ہیں۔ میں ان کو پکڑ لوں گا۔ پھر جکڑ کر رگڑ دوں گا۔

سین - ۲۸ - اے

انجلی: (خود کلامی) ماں کو ہی کیوں! (طنزاً) یہ نہیں سوچتا ہے کہ مجھے ہی کیوں؟ میری ماں پر کیا گزر رہی ہوگی (رو پڑتی ہے) مگر مجھے یہاں کوئی لایا تو نہیں ہے۔ !؟ میں یہاں خود آئی ہوں۔ ! مگر مجھے یہاں اس حال میں کس نے پہنچا دیا؟ خالد نے۔ ! خالد نے۔ !! ایک زہریلے ناگ نے۔ خالد! اور اب پھن پھیلائے باہر کھڑا ہے۔ مجھے ڈنک مارنے کی خاطر۔ کاش میں اِس سانپ کو کچل سکتی! مجھے کچھ ہو گیا تو میری ماں بھی۔ (رو پڑتی ہے) مگر ضمیر بھیا تو میرے لیے اوتار ہو سکتے ہیں۔ شاید بچا سکیں۔ !

سین - ۲۹

(ضمیر اور ریاض رونے کی آواز سن کر کندھے سے کندھا ملا کر باتیں کر رہے ہیں)

ضمیر: یہ کون رو رہا ہے؟

ریاض: ایک کمرے میں لڑکی رو رہی ہے۔ ماں کی یاد آ رہی ہوگی۔ Obviously اور دوسرے کمرے میں خالد رو رہا ہے۔ وجہ؟ ماں کی یاد۔

ضمیر: خالد بہت Impulsive ہے۔ غصہ آئے تو آگ کا گولا بن جاتا ہے اور جب بات سمجھ میں آئے تو موم کی طرح پگھل جاتا ہے۔ آج کل کے نوجوان طبقے کی کیفیت کچھ ایسی ہی ہے۔ اسی لیے تو وہ اُن لوگوں کی طاقت بن چکے ہیں جنھوں نے پہلے ملک کا بٹوارہ کیا اور اب انسانوں کا بٹوارہ کررہے ہیں۔

ریاض: بھیّا وہ ہمارے راہنما ہیں۔ جو بھی کررہے ہیں ہمارے ہی بھلے کے لیے کررہے ہیں۔

ضمیر: کون کس کے لیے کیا کررہا ہے؟ کبھی تم نے سوچا ہے؟ یہ دنگے فسادات، گولیوں کی بوچھاڑ، بموں کی آگ — انگاروں کی بارش، شعلوں کی آندھی، خون کے دریا اور قتلِ عام! یہ سب کون کررہا ہے — ہم یا تم؟ قاتل بھی ہم اور مقتول بھی ہم۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کوئی ہندو خود اپنی راکھ بہا نہیں سکتا۔ کوئی مسلمان خود لحد میں ابدی نیند نہیں سوتا۔ کاش تم لوگ اس حقیقت کو جان لیتے تو جوش میں فرقہ پرستی کے انگاروں کو دہکانے کی بجائے ہوش میں آکر امن کی شبنم سے اس آگ کو بجھاتے؟

ریاض: بھیا میں امن اور نفرت کی جنگ کی بجائے ماں کے بارے میں زیادہ فکرمند ہوں۔ سچ سچ بتادو بھیا کیا آپ کو بھی یہ شک نہیں ہورہا ہے کہ ماں کو اغوا کرلیا گیا ہے؟

ضمیر: شک کرنا انسان کی فطرت ہے لیکن شک اور یقین کے درمیان ایک ایسا فاصلہ ہے جو سوچ اور سمجھ کر ہر قدم طے ہوتا ہے بشرطیکہ آمنا سامنا ہو۔

ریاض: آج آپ مرحوم ابّا کی طرح باتیں کررہے ہو بھیّا!

ضمیر: اس مشکل گھڑی میں ان کی یاد دلائی تو یاد کرو وہ کیا کہا کرتے تھے؟

ریاض: مظلوم اور ظالم دونوں نہ ہندو ہوتے ہیں نہ مسلمان ہوتے ہیں وہ انسان ہوتے ہیں۔ اچھے یا بُرے۔

ضمیر: اچھے انسان یا بُرے انسان! مان لو ماں کسی ہندو یا کسی مسلمان کے گھر میں ہو — اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دُعا کرو کہ جو بھی ہو، وہ ایک اچھا انسان ہو۔

(فون کی گھنٹی) (ضمیر فون اٹھاتا ہے)

ضمیر: ہیلو — اپنا ایڈریس بتادیں۔ ہاں — ہاں — آپ کا فون نمبر۔ ہیلو۔ ہیلو۔

ریاض: وہی تھا نا؟

ضمیر: ہاں — کوئی اشوک کمار ہے۔

ریاض: ایڈریس دکھاؤ — ہونہہ — یہ شخص ہمیں گمراہ کررہا ہے۔ اِس گھر کو تلاش کرنا جنگل میں کھویا ہوا وہ خط تلاش کرنا ہے جو کہیں خونِ جگر سے لکھا ہوا ہو، اور کچھ آنسوؤں سے دھلا ہوا ہو۔

ضمیر: (بات کاٹ کر) آہستہ بولو وہ یہ جان گیا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی!

سین-۳۰

(سحر کا ایک پُرکشش منظر)
(انجلی ادھ کھلی کھڑکی سے مرجھائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے)

سین-۳۱

(چہرے پر مایوسی اور خوف کے ملے جلے تاثرات)

انجلی: (خود کلامی) ابھی بہت سویرا ہے۔ شبنم کے قطرے ہری ہری گھاس پر موتیوں کی طرح چمک رہے ہوں گے جن کو لوگ چل کر مسل دیں گے۔ (آہ بھر کر) کیا معلوم مجھے کچلا جائے گا یا مسلا جائے گا۔ ابھی خالد جاگ جائے گا گویا ایک جوالامکھی پھٹ جائے گی۔ اور میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔ اُجالے میں میں کتنی بھی کوشش کروں وہ میری صورت دیکھ لے گا اور پہچانتے ہی (Emotional out burst) (بالوں سے ربن نکال کر بجلی کے بورڈ کے پاس جاتی ہے، لیکن فون کی گھنٹی سن کر اپنا توازن کھو کر گر جاتی ہے)

CUT To

سین-۳۲

(پس منظر میں کتّوں کے بھونکنے کی آواز)

(خالد ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر جوتے اُتارے بغیر سویا پڑا ہے جبکہ ضمیر اور ریاض انجلی کے کمرے کے باہر ٹہلتے ہوئے باتیں کررہے ہیں۔ دیوار کے ساتھ چپک کر، اور ہونٹ سی کر آنسو بہاتے ہوئے دونوں کی باتیں سن رہی ہے۔ اور جونہی وہ اپنا ذکر سنتی ہے تب وہ دروازے کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے)

ریاض: یہ رات لمبی کیوں ہوتی جارہی ہے؟

ضمیر: رات کے لمحے اپنی رفتار سے گزرتے جارہے ہیں۔ دراصل ہمارے صبر کی گھڑیاں بہت ہی تیزی سے چل رہی ہیں۔ بقول شاعر:

رات جتنی بھی سنگین ہوگی
صبح اتنی ہی رنگین ہوگی

ریاض: (ہنسی) میں سمجھ رہا تھا کہ آپ ہندوؤں مسلمانوں کے بارے میں۔

ضمیر: (آہ بھر کر) میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی باتیں کہاں کرتا رہتا ہوں میں انسانوں کی باتیں کرتا رہتا ہوں۔ انسان اچھا ہوتا ہے یا بُرا— فرقہ پرست بُرا انسان ہے اور مذہب پرست اچھا

انسان ہوتا ہے۔

ریاض: جس اجنبی لڑکی کو اپنی پناہ میں لیا ہے۔ اُس کے بارے میں آپ کی رائے؟

ضمیر: ڈری ہوئی ہے۔ سہمی سہمی ہے۔ اور بہت معصوم ہے۔

ریاض: معصوم نہیں۔ چالاک ہے۔

ضمیر: یہ تم نے اپنی آنکھوں کے Scan سے جان لیا ہوگا ڈاکٹر ریاض!

ریاض: Scan سے تو نہیں، مگر آنکھوں سے دیکھ کر جان لیا ہے بھیّا، یہ لڑکی ہندو ہے۔

ضمیر: یہ کوئی چالاکی کے Symtom تو نہیں ہیں۔

ریاض: اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ہماری ہمدردی حاصل کرنا معصومیت نہیں، چالاکی ہے Say yes or no

ضمیر: کیا دیکھا جو—

ریاض: (بات کاٹ کر) اپنے گلے میں پہنا ہوا لاکٹ، جس میں کسی بھگوان کی مورتی تھی۔ پہلے آنکھوں سے لگاتی رہی اور پھر اُس کو اُتار کر چھپالی۔

ضمیر: یہ چالاکی نہیں۔ جان بچانے کی کوشش ہے۔ میں ہندو عورتوں کو فسادات کے دوران اپنے ماتھے پر لگی بندیا اُتارتے دیکھا ہے اور حالات کی شکار مسلمان عورتوں کو بندیا لگاتے دیکھا ہے۔ قصور خدا کا ہے کہ چرندوں پرندوں، سمندری جانوروں کو ان فرقہ پرستوں کے تنگ دائروں کے باہر رکھا اور انسانوں کو ان کا یرغمال بنادیا۔ صبح ہوتے ہی میں خود کسی بھی طرح اپنے گھر پہنچادوں گا۔

(فون کی گھنٹی۔ ضمیر ریسیور اُٹھاتا ہے)

ضمیر: ہیلو— Please hold on— ریاض تمھارا فون ہے۔

ریاض: ڈاکٹر ریاض۔ کیا۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ (ریسیور چھوڑ دیتا ہے) بھیّا! حالات بگڑتے جارہے ہیں۔ کرفیو کو Extend کردیا گیا ہے۔ مجھے صبح اسپتال جانا ہے۔ گاڑی آجائے گی۔ اچھا ہے۔ اشوک کمار کا ایڈریس مجھے دو۔ میں ماں کو Pick up کر کے اسپتال لے جاؤں گا اور پھر جب لوٹ کر آؤں گا۔ ماں کو بھی۔

ضمیر: گویا تم کسی کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔

ریاض: Ofcourse کیوں—؟

ضمیر: اگر ساتھ جانے والے کا کرفیو پاس نا بھی ہو۔ تب بھی۔

ریاض: (ہنسی) سرکاری گاڑیوں کو کوئی بھی نہیں روکتا۔ مجھے اچھے بُرے انسان سبھی جانتے ہیں— میں ماں کو گھر لے آؤں گا۔

Cut To

سین -۳۳

(انجلی کا کمرہ۔ اُس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے یعنی اُس کی مرجھائی ہوئی آنکھوں میں خوشی کی چمک اُبھر کر آتی ہے اور اُس کے لبوں پر خوشی تھر کنے لگتی ہے)

انجلی: (خود کلامی) گویا یہ دونوں بھائی یہ جانتے ہیں کہ میں ہندو ہوں۔ پھر میں کیوں ڈر رہی تھی؟ صبح ہوتے ہی میں ماں کو فون کر دوں گی۔ کہہ دوں گی — ! کہہ دوں گی!! ماں تم نے رات بھر بہت آنسو بہائے ہوں گے۔ میں نے بھی ساری رات جاگ جاگ کر، رو رو کر، گزاری ہے! میں نے ایک ایسے گھر میں شرن — نہیں نہیں پناہ لی ہے۔ پاپا ٹھیک ہی کہا کرتے تھے۔ دھویں اور دُھند میں فرق جو ہے سو یہ ہے کہ دھند چھٹ جاتی ہے، جبکہ دُھواں زمین سے اُٹھ کر آسمان کو آگ کی اطلاع دیتا ہے کہ وہ کس کی چتا سے اُٹھ کر آیا ہے یا جنگل کی آگ سے کس گھر کی چمنی سے نکل کر آیا ہے۔

(اچانک وہ خالد کو جمائیاں لیتے ہوئے۔ پردے کا کونہ ہٹا کر، اُس کو جھانکتے ہوئے دیکھ کر چونک پڑتی ہے اور خوفزدہ ہو کر گویا پتّھر بن جاتی ہے)

سین -۳۳-اے

(خالد مسکرا رہا ہے اور سرگوشیانہ لہجے میں بول پڑتا ہے)

خالد: تمھاری آنکھیں ایک لمبی رات کی کہانی سنا رہی ہیں۔ رات گئی بات گئی۔ تم اچانک غائب ہو گئی اور میں نے تمھاری تلاش میں زخم کھائے۔ خود ہی دیکھ لو۔ یہ گہرے زخم دیکھ کر مجھ پر پیار آیا ہو تو میں سمجھ لوں گا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا۔ سحر کی یہ دھندلی روشنی کہہ رہی ہے۔ ایک نئی صبح کا انتظار کر لو۔ جیسے ایک جگنو کہہ رہا ہو کہ میں اندھیروں کو اُجالوں میں بدل تو نہیں سکتا، مگر روشنی کا احساس دلا کر اُجالوں کی اُمید پیدا کر سکتا ہوں۔ جا رہا ہوں، لوٹ کر آنے کے لیے۔ (خالد چلا جاتا ہے تو انجلی کا جسم کانپنے لگتا ہے)

انجلی: (خود کلامی۔ آواز میں تڑپ کی لرزش) گویا میرا اندازہ صحیح تھا۔ یہ کوبرا میرا ہی تعاقب کر رہا تھا۔ یہ، یہ۔ پاپا کو جانتا ہے۔ اور یہ بھی کہ میں Students کے پاپولر پروفیسر پنڈت جن کو وہ پیار سے پروفیسر جگنو کہا کرتے تھے، ان کی بیٹی ہوں۔ پاپا کی طرح۔ اب مجھ پر بجلی گرنے والی ہے۔ (بے ساختہ رو پڑتی ہے)

سین -۳۳-بی

(بند کمرے میں انجلی ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے اور چند احمقانہ حرکتیں بھی کرتی رہتی

ہے۔ جیسے وہ اپنی Hair pin سے وہ کھڑکی کی آہنی جالی کو توڑنا چاہتی ہے۔ کبھی ہونٹ سی کر سکتی رہتی ہے اور کبھی وہ اچانک یوں رو پڑتی ہے گویا کھوئے ہوئے بچے نے اپنی ماں کو دیکھ لیا ہو۔ اگلے پل اپنی احمقانہ حرکتوں پر Frustrate ہو کر یوں دیواروں سے باتیں کرتی رہتی ہے)

انجلی: (ایک دیوار سے مخاطب ہو کر) سنا ہے تمھارے بھی کان ہوتے ہیں؟ (آواز کی Pitch کم کرتے ہوئے) اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتی۔ سن سکتے ہو۔ تو سن لو۔ (رو کر) میرے پاپا کہا کرتے تھے۔۔۔ ارے پاپا تم (انجلی کے چہرے کے سامنے اُس کے پاپا کا دھندلا سا چہرہ نظر آتا ہے اور انجلی بولتی جارہی ہے) پاپا آپ کی ساری باتیں غلط ثابت ہوئیں۔ آپ کہا کرتے تھے۔ ہم کیا چوہے ہیں، جو ڈوبتے جہاز سے بھاگ جائیں۔ آپ کہا کرتے تھے۔ کہ جو ہمارے محلے والے، ہمارے رشتے دار یا دوست گھر چھوڑ کر ہجرت کر چکے ہیں وہ سب اپنی جڑوں کو کاٹ چکے ہیں۔ آپ کو یقین تھا وہ سب لوٹ کر آئیں گے۔ کوئی بھی لوٹ کر نہیں آیا۔ آپ کو بھروسہ تھا کہ آپ کو پروفیسر جگنو کہنے والے آپ کو قتل نہیں کریں گے۔ آپ کو بچانے والا کیا۔ آپ کی لاش اُٹھانے والا مجھے نظر نہیں آیا۔ (قہقہہ) میں پروفیسر پنڈت سے پروفیسر جگنو بن گیا۔ جگنو تاریکیوں کو اُجالوں میں بدل نہیں سکتا، مگر روشنی کا احساس دلاتا ہے۔ احساس کو جب کوئی پکڑ نہیں سکتا تو اس کو کوئی کیوں مار ڈالے گا۔

(کار کا ہارن سن کر وہ خوش بھی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ساتھ وہ ایک ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتی ہے)

انجلی: (خود کلامی) کیا مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں گے۔۔۔؟ مگر وہ۔۔۔ وہ۔۔۔

Cut To

سین - ۳۴

(ریاض کے کمرے میں خالد ریاض سے باتیں کر رہا ہے)

خالد: بھیا! آپ کی گاڑی آئی ہے۔

ریاض: تمھیں کیسے معلوم؟

خالد: (قہقہہ) ہارن سن کر کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لی۔ Shortcut میں بتا دوں کیا تم کسی اور کو بھی لے جا سکتے ہو؟

ریاض: تو بھی کیا یاد کرے گا۔ آ سکتے ہو۔

خالد: (گرج کر) مجھے کہیں جانے میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں!

ریاض: (ہنسی) تم اچانک اُبل کیوں پڑے؟ تم Short Tempered تو تھے نہیں؟ میرے خیال میں تمھارے بارے میں Big Brother کی ایک رائے سو فی صدی صحیح ہے۔

خالد: کون سی رائے۔ کیسی رائے؟

ریاض: یہ کہ — اپنے نئے دوستوں کی صحبت میں تم کبھی Implussive اور کبھی Reactionary بن جاتے ہو۔ (مسکرا کر) پیارے سے چھوٹے بھائی ہو۔ برداشت کرلیں گے تمھاری اچھی بُری ادائیں۔ بولو کس کو ساتھ لینا ہے۔

(دونوں کی Mute گفتگو جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ریاض اپنی رضامندی نہیں دے رہا ہے)

سین - ۳۵

(ضمیر ریاض کو کمرے کے کونے میں لے کر Confidently کچھ سمجھا رہا ہے)

ضمیر: ہمارے مرحوم ابّا فرمایا کرتے تھے۔

ریاض: معلوم ہے — (ہنسی) انسان اپنی خود غرضی کی خاطر۔

ضمیر: (بات کاٹ کر) طاقتور انسان، کمزور انسان، ظالم انسان، مظلوم انسان کے علاوہ کچھ انسان بے بس ہوتے ہیں۔ مدد کے طلب گار ہوتے ہیں اور قابلِ ہمدردی ہوتے ہیں۔ عذابِ شدید کے لمحات سے جیتے جی مر رہی اس ہندو لڑکی کو اُس کے گھر پہنچا دو۔ یہ ثواب کا کام ہے۔ پلیز۔

(اچانک دونوں بھائی اس وقت چونک پڑتے ہیں جب ان کی نظریں خالد پر رُک جاتی ہیں جب وہ انجلی کے کمرے کے بند دروازے پر دستک دیے جا رہا ہے)

ضمیر: ریاض تم Tactfully خالد کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور میں جلدی جلدی لڑکی کو کار میں بٹھا دیتا ہوں۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ہارن کی آواز سن کر دوڑ کر آتے ہی گاڑی میں بیٹھ کر نکل پڑنا۔ خالد کو یوں نہ شک ہوگا اور نہ وہ رکاوٹ پیدا کر سکے گا۔

(ریاض معنی خیز نظروں سے ضمیر کو دیکھتا رہتا ہے اور خاموش رہ کر باتیں سن رہا ہے)

ضمیر: خالد مرحوم ابا حضور کی باتوں کو اپنی سوچ سے مکمل طور پر نکال چکا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ عبادت کرنے والے اور پرستش کرنے والے دونوں مٹی میں مل جانے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں جانے وہ مذہب پرست گھر میں پیدا ہو کر فرقہ پرست کیوں بن گیا ہے؟ وہ اگر یہ جان گیا کہ لڑکی ہندو ہے تو —

ریاض: (سنجیدگی سے) خالد جانتا ہے کہ لڑکی ہندو ہے۔

(ضمیر چونک پڑتا ہے اور خوف زدہ ہو جاتا ہے)

ضمیر: (غصے سے) What!

ریاض: ہاں بھیّا وہ لڑکی کو جانتا ہے۔ اور وہ اُس کا تب تعاقب کر رہا تھا جب انجلی پنڈت اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

ضمیر: گویا نام بھی۔

ریاض: بلکہ اس کے گھر کا پتہ بھی جانتا ہے۔

ضمیر: تمھیں یہ سب—

ریاض: خالد نے بتایا— ابھی۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس کو اپنی ماں سے ملا کر دونوں کو واپس یہاں لے آؤں۔

ضمیر: ہماری ماں سے؟

ریاض: نہیں۔ اس کی ماں سے۔ جو پروفیسر پنڈت کی بیوہ ہے۔

ضمیر: کیوں؟ (ہچکچاہٹ کے ساتھ) لگتا ہے ارادے نیک نہیں ہو سکتے۔ Am I Right

ریاض: No— اس بات پر آپ غلط ہیں۔ You are wrong (مسکراتا ہے) Logically بھی اور Emotionally بلکہ Mathematically بھی۔ ناراض ہونے کی بات ہے ہی نہیں۔ بتا دوں گا کیسے۔ Listen Big Brother— خالد کے دماغ میں جنون کی آگ دہک تو رہی ہے— مگر اُس کے پاؤں ٹھنڈی زمین پر ہیں۔ اس لیے دل کا درجۂ حرارت نارمل ہے (ہنسی) دونوں کی Average Temperature۔ (قہقہہ)

سین-۳۶

(ضمیر ناراضگی کا تاثر دے کر انجلی کے کمرے کی طرف چل پڑتا ہے جبکہ ریاض مسکراتے ہوئے ساتھ چل کر ضمیر کی باتیں سن کر حلیمی سے جواب دیتا رہتا ہے)

ضمیر: اگر تمھارے مریض کا سر اُبل رہے پانی میں رکھا جائے اور اس کے پاؤں برف پر رکھے جائیں تو؟

ریاض: ...Average Temper نارمل ہوگا۔ مگر مریض— (اپنی بات کاٹ کر ضمیر کو اشاروں سے خالد کی باتیں سن لینے کی رائے دیتا ہے)

سین-۳۶-اے

(خالد نہایت شائستگی سے دستک دیتے ہوئے انجلی کو آوازیں دے رہا ہے)

خالد: انجلی، ضدمت کرو۔ دروازہ کھول دو۔ ریاض بھیا تمھیں تمھارے گھر پہنچا دیں گے۔ اپنی ماں سے ملانے کے بعد میری ماں سے دونوں کو ملا دیں گے اور تمھیں یہاں اپنے ساتھ لے آئیں گے۔ تم دونوں ہمارے گھر میں رہو گے۔

(ضمیر اور ریاض ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں)

سین-۳۷

(انجلی کا تذبذب اور پھر وہ باہر آ جاتی ہے۔ ضمیر یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے)

ضمیر: خالد! کیا تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟

خالد: ہاں — بہت اچھی طرح سے۔ کیوں انجلی؟ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں نا؟ چپ کیوں ہو؟ بھول گئی وہ دن جب پروفیسر صاحب ہمیں ایک گروپ میں پڑھایا کرتے تھے۔

(انجلی خالد کو غور سے دیکھ کر اُس کو پہچان لیتی ہے)

انجلی: (خود کلامی) ارے یہ تو وہی ہے جو ہمیں بات بات پر ہنسایا کرتا تھا۔ اور مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا یا تم ہندو سے مسلمان بن جائے گی یا پھر میں ہندو بن کر تمھیں اُٹھا کر لے جاؤں گا — کندھے پر اُٹھا کر یا کار میں بٹھا کر۔ تب مونچھیں نکل آئی تھیں اور اب داڑھی رکھ لی ہے۔ پہلے کھلاڑی لگ رہا تھا، اب پہلوان بن گیا ہے۔

خالد: یاد آیا؟

انجلی: ہاں —! (خود کلامی) اب جانے کیا سوچ کر۔ مجھے اپنے گھر چھوڑنا چاہتا ہے۔ اور پھر میری ماں کے ساتھ یہاں لانا چاہتا ہے۔

خالد: وہ تب کی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ داڑھی کی وجہ سے (ہنسی) چہرہ بدلا بدلا نظر آیا ہوگا۔

انجلی: ہاں! (سنجیدہ ہو کر کچھ پوچھنا چاہتی ہے مگر خالد بول پڑتا ہے)

خالد: پھر مجھے پہچانا کیوں نہیں؟ میں بتا دوں کیوں؟ وہ اس لیے کہ شک کی دھند میں چہرے پہچانے نہیں جاتے۔ بدلا چہرہ ایک بہانہ ہے۔

(ریاض ضمیر کو خالد کی باتیں سنا چکا ہے اس لیے وہ دونوں مسکرا رہے ہیں)

خالد: تم ہندو، میں مسلمان، ہیں تو ہیں۔ اپنی پیدائش کی وجہ سے ہیں لیکن بھائی بہن کے رشتے میں مذہب کا دخل نہیں۔

انجلی: کوئی بھائی اپنی بہن کا پیچھا کرتا ہے کیا؟ (معنی خیز نگاہوں سے خالد کی آنکھوں میں پہلی بار جھانک کر)

خالد: ہاں — اگر بہن مصیبت میں ہو تو — ارے پگلی۔ میں تمھیں تمھارے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک جلوس آ رہا ہے۔ اور تمھیں کوئی مسل دے گا یا لوگ تمھیں روند ڈالیں گے۔ اس لیے نہیں کہ تم ہندو ہو۔ بلکہ اس لیے کہ ہجوم بے قابو ہو کر اپنوں کو بھی کچل ڈالتا ہے۔

ضمیر: (سنجیدگی سے) تو کیا خالد کی باتوں پر یقین کر لوں؟ — جواب دو انجلی۔

انجلی: (شرما کر) ہم خالد کو جوکر کہا کرتے تھے۔ تب بنا داڑھی مونچھ جوکر معصوم لگتا تھا۔

ریاض: (ہنسی) تو کیا اب بدمعاش لگ رہا ہے؟ (چاروں ہنس پڑتے ہیں اور انجلی فون ڈائل کرتی ہے)

انجلی: ماں! میں ٹھیک ہوں۔ یہ جوکر کا گھر ہے۔ ہاں — خالد بھٹ کا گھر۔ میں آ رہی ہوں —! — ملوں گی تو سب بتا دوں گی۔

(اسکوٹر کی آواز)

سین -۳۷- اے

(گیٹ کے سامنے ایک اسکوٹر رُک جاتا ہے۔اور اسکوٹر کی Backseat پر ماں کو دیکھ کر چاروں دوڑ کر اُس کے پاس جاتے ہیں)

اشوک: ماتا جی رات بھر ہمیں تسلیاں دیتی رہیں۔

خالد: کیوں؟—By the way میں خالد بھٹ۔فائنل B.E.-Semester۔

ضمیر: (خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے) میں بتا دیتا ہوں۔

ریاض: (ماں سے لپٹ کر) میں بھی۔

خالد: (کچھ سوچ کر، پھر قہقہہ) میں بھی۔

تینوں ایک ساتھ: ہماری ماں کو اپنے دُکھ، دوسروں کو دُکھی دیکھ کر، بھول جانے کی عادت ہے۔

اشوک: آپ کی ماں ذہین ہیں۔مجھ سے کہتی رہیں کہ میں آپ لوگوں کو بس اتنا کہہ دوں کہ میں ٹھیک ہوں۔بس اطلاع—

ریاض: لیکن ایڈریس (Address) بتا دیا ہوتا تو—

ماں: کیسے بتا دیتی—؟—تم لوگ میرے بھائی کی مدد سے گھر سے آتے مگر اس کا کیا حشر ہوتا جس نے اپنی جان پر کھیل کر مجھے بھگدڑ میں کچل جانے سے بچالیا۔

ضمیر: (چونک کر) یہ بات میرے دماغ میں آئی نہیں۔

خالد: میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔

ریاض: میری سمجھ میں آ گئی— خالد! ہمارے ماما جی کے دشمن اتنے ہیں کہ جب وہ جان پاتے کہ ماں DIG خان کی بہن ہے تو اشوک جی کو گھر سمیت اُڑا دیتے۔

ضمیر: Yes, Yes—اسی وجہ سے ماموں جان—(ہنسی) اپنی بڑی بہن کو Victim سمجھ کر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے مجھ پر برق گرا گئے تھے۔(خود کلامی) پریشانی کی وجہ ہے۔Positive Thinking پر بھی خدشات اور شک کا گرہن لگ جاتا ہے—!

خالد: Big Brother پھر کھو گئے اپنے خیالوں کی دنیا میں۔

ریاض: (ہنسی) ماں۔ہماری ماں۔!(قہقہہ)

Is Bigger than the biggest

ماں: یہ پیاری سی بچی کون ہے؟

(ضمیر، ریاض، ماں کی Mute گفتگو کا ایک منظر جو انجلی کے بارے میں بتا دیتے ہیں۔انجلی ماں کے قریب آ جاتی ہے۔)

انجلی: سلام!

ماں: نمسکار کرتی تو مجھے اچھا لگتا۔ (ماں انجلی کو اپنے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیتی ہے) یہ سلام اور نمسکار — ایک ہی بات ہے، اپنے مذہب سے پیار کرو۔ کیونکہ یہ شناخت جسم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو مکاری کے سانچے میں مت ڈھال دو۔

(اشوک ماں کی باتیں سن کر جذباتی ہو جاتا ہے)

ماں: وقت کے ساتھ زندگی میں تبدیلیاں لانا یا پھر ان کا خود بخود آجانا ایک فطری عمل ہے۔ ہاں کسی دوسرے کے خیالات کو تب اپنالو۔ اگر تمھارے خیالات میں کوئی خرابی ہے اور دوسروں کے خیالات میں کوئی اچھائی ہے۔

انجلی: آپ میرے پاپا کی طرح باتیں کر رہی ہیں۔

خالد: (قہقہہ) ضمیر بھیا پر گئی ہے۔

ضمیر: (قہقہہ) میں اپنی ماں پر گیا ہوں۔

ریاض: اور ہماری ماں ایک ریٹائرڈ (Retired) پرنسپل ہیں۔ پانچ وقت نماز پڑھتی ہیں اور رشی منیوں، پیروں فقیروں کے حوالے دے کر باتیں کرتی رہتی ہیں۔

ماں: اشوک تو میرا چوتھا بیٹا ہے۔ چلو اندر چل کر باتیں کریں۔

اشوک: نہیں، مجھے جانا پڑے گا۔ جس پڑوسی سے میں نے اسکوٹر اور کرفیو پاس لے کر ماتا جی کو یہاں پہنچایا ہے اُس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ایک گھنٹے میں واپس آؤں گا۔ چلتا ہوں۔ حالات نارمل ہوں گے تو میں ملنے آؤں گا۔ اچھا نمسکار۔

(اشوک اسکوٹر پر چلا جاتا ہے۔ ریاض انجلی کو کار میں بٹھا دیتا ہے، ماں بھی کار میں بیٹھ جاتی ہے)

ریاض: ماں! آپ؟

خالد: انجلی اور اُس کی ماں کو ریاض بھیا شام کو اپنے ساتھ لے آئے گا۔ اور دونوں ہمیشہ کے لیے ہمارے گھر میں رہیں گے۔ تب تک جب تک ہماری پیاری بہن کی شادی —

ماں: (سنجیدہ ہو کر) دونوں ماں بیٹی اپنے گھر میں اور تم تینوں بھائی ان کی حفاظت کریں گے۔ ڈرائیور! چلو۔ انجلی کی ماں گھڑیاں گن گن کر اُس گھڑی کا انتظار کر رہی ہوگی جب ماں بیٹی ایک دوسرے کا سہانا، دلکش، سکون بخش لمس کو محسوس کر لیں گے۔

(کار چل پڑتی ہے اور ایک موڑ کاٹ کر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے)

Dissolve and Resolve

Cast Scene of Drama

آخری سین

حصّہ -A: (نیلے آسمان کا منظر۔ ہلکے ہلکے بادل تیر رہے ہیں اور دونوں گوکل ناتھ اور غلام نبی دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر باتیں سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں جو Mute ہے مگر پس منظر میں مسرت کو ظاہر کرنے والی موسیقی)

حصّہ -B: (دونوں خوش ہیں اور ریسیور رکھ کر پلنگ پر بیٹھ کر درمیان میں رکھی بساط پر رکھے مہروں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ مگر کھیلنے سے پہلے سنجیدہ ہو جاتے ہیں)

پہلا: (مسکرا کر) کچھ اور بھی بھگوان سے مانگا ہوتا تو شاید—

دوسرا: (قہقہہ) لالچ بُری بلا ہے۔ اتنا کیا کم ہے کہ لڑکی نے رات ایک نیک اور شائستہ گھر میں گزاری— اور اب اپنے گھر لوٹ کر آئی— ایک مسلمان فیملی نے ایک ہندو لڑکی کی عزت وآبرو بچالی۔

پہلا: (لہجے میں فخر) اور ایک ہندو نے ایک مسلمان عورت کے دامن کو فرقہ پرستی کے دھبّوں سے بچالیا۔

دوسرا: یہی ہمارا چہرہ ہے۔

پہلا: میں نے ہندو عورتوں کو شادیوں کی تقریبات میں حصّہ لینے کے بعد بیس پچیس تولے سونے کے زیورات پہن کر آدھی رات کو سڑکوں اور گلیوں میں چلتے دیکھا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے محلوں میں۔

دوسرا: بقول شاعر:

ہوا پہلے آندھی بن گئی
پھر طوفان بن کر
کشمیریت کو منتشر کر گئی

پہلا: (ہنسی) شعر سناتا ہوں:

سیاست کے کاروبار میں
عقل کو رکھ شریکِ کار
اپنائیت کے لین دین میں
دل کو رکھ شریکِ کار

(غلام نبی خوشی سے اُچھل کر گوکل ناتھ کو گلے لگاتا ہے تو بساط پر رکھے مہرے ہل کر گر جاتے ہیں)

دوسرا: ارے واہ— انجلی نے تمھیں شاعر بنا دیا۔

پہلا: نہیں— ایک رنگین صبح دیکھ کر— دل کی بات کہہ دی (آہ بھر کر) خوشی نے غم کی یاد دلا دی ہے اور ایک ہوک سی دل میں اُٹھ کر میرے کانوں میں دستک دے کر کہنے لگی:

وہ نہ آئیں گے پلٹ کر
انھیں لاکھ ہم بلائیں

دوسرا: جو ہمارے اپنے ہوتے ہوئے بھی چالیس پچاس برس پہلے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے ممالک کے باشندے بن گئے ہیں۔ حیران ہوں کہ وہ کشمیر کے بارے میں فکرمند کیوں ہیں؟

پہلا: کشمیر کی زمین کے لیے۔ اس زمین پر رہنے والے کشمیریوں کے لیے نہیں۔

دوسرا: (آہ بھر کر) کیا کہیں — ؟ کس سے کہیں — ؟ کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کچھ بھی نہیں تو نہیں ہو رہا ہے۔

پہلا: (چونک کر) پروفیسر جگنو کی بیٹی — ہماری بیٹی — آفتوں کے اس دور میں بھی — گھر لوٹ کر آئی ہے۔ اپنی ماں کے پاس لوٹ کر آئی ہے۔ گویا اُمید کی کرن تاریکیوں کا سینہ چاک کر چکی ہے۔

(دونوں کی آنکھیں نم ہوگئی ہیں مگر اچانک دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں)

دوسرا: (بساط پر مہرے رکھ کر) اسی خوشی میں ہو جائے ایک Game اور......؟

(دونوں کھیلنا شروع کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ ڈرامے کا اختتام)

OO

خواهشیں ایسی که

سین -۱

(فلم ایڈیٹنگ روم میں پدما اور جے دیو کی گفتگو)

پدما: (جوشیلے لہجے میں) واہ!......واہ واہ! واہ! جے دیو جی! میرے پیارے پتی دیو جی!! آپ گریٹ ہو! نہیں نہیں! گریٹ نہیں! You are greater than the greatest۔

جے دیو: (سنجیدگی سے) یہ قصیدہ ہے یا طنز؟

پدما: (چونک کر) طنز کیوں؟ (ہنسی) بلکہ قصیدہ بھی نہیں۔ My dear husband, I am impressed۔ کیا فلم بنائی ہے۔ واہ! واہ!! کیا بات ہے!

جے دیو: (ناراض ہو کر) فلم نہیں، ڈاکیوڈرامہ!

پدما: چلو وہی سہی (ہنسی) ناراض کیوں ہو رہے ہو؟ (مزاحیہ لہجے میں) نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ I will explain۔ میں آپ کی بیوی ہوں، پدما! ہوں نا؟ Right۔ اب کوئی مجھے بھابھی کا نام دے تو (ہنسی) تب بھی میں آپ کی بیوی ہوں! ہوں نا؟ ویسے ہی اگر میں نے آپ کی ڈاکیوڈرامہ کو فلم کا نام دے دیا تو — جے دیو جی! ہنسنے پر ٹیکس نہیں لگتا ہے۔ خیر آپ کی Creation بہت اچھی ہے۔ چلو اب کھانا کھالیں۔ پتی دیو، ہنس تو لو؟ چوتھی بار گرم کر چکی ہوں۔ پھر بھی ہنس رہی ہو۔

جے دیو: (افسردہ لہجے میں) پدما، تم کھالو۔ میں ایک بار پھر شروع سے دیکھ لوں گا۔

پدما: (چونک کر) پھر؟ میری ہنسی کو بھی دبوچ ڈال دیا نا؟ چار بار تو میں بھی دیکھ چکی ہوں آپ کی فلم Sorry، آپ کی ڈاکیومنٹری (بے ساختہ ہنسی) Again Sorry۔ آپ کی ڈاکیوفلم؟ Right! اب اگر مسکرا دو تو گرہن ٹل جائے گا۔

جے دیو: (سنجیدگی سے) پدما! کچھ تو ہے جس کی وجہ سے گرہن لگ چکا ہے۔ گرہن کو ہٹا دوں گا، تب میری کوشش کامیاب ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

پدما: (سنجیدگی سے) تو آپ ٹائٹل بدلنا چاہتے ہیں؟

جے دیو: (ناراض ہوکر) ٹائٹل گرہن پر لگا وہ گرہن جو ہٹانا ہوگا۔

پدما: (ہنسی) جے دیو! فلم اچھی ہے۔ موضوع اچھا ہے۔ اسلوب اچھا ہے اور......

جے دیو: (ٹوک کر) پدما! میں نے تم سے رائے نہیں، مدد مانگی ہے۔ ٹھیک ہے، اگر تم میری مدد نہیں کر سکتی تو نا سہی، لیکن......

پدما (ہنسی) اچھا بتادو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

جے دیو: (آہ بھر کر) گیت گووندا لکھنے والے جے دیو کی بیوی کا نام بھی پدما تھا۔ پدماوتی۔

پدما معلوم ہے! اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ناچتی تھی اور جے دیو اِمپریس ہوکر لکھتا رہتا تھا۔ (بے ساختہ ہنسی) چلو چلیں۔

جے دیو: کہاں؟

پدما آپ اس Editing Room کو چھوڑ کر میرے ساتھ مندر چلو۔ میں ناچتی رہوں گی اور آپ اپنی نئی فلم کی قلم کاری کرلو (قہقہے) گیت گاتے گاتے......لو پھر ناراض ہوگئے۔ پتی دیو! آپ کی یہ فلم سوری ڈاکیوڈرامہ مکمّل ہے۔ اچھی ہے۔ Very meaningfull and Impressive۔ ہر فریم، ہر Segment اُجلا ہے، کہیں بھی اگر تاریک دھبّہ نظر آتا تو گرہن کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔

جے دیو: (طنزاً) ایسا تم کہہ رہی ہو! جن لوگوں کو جے دیو سے کچھ الگ توقعات ہیں، وہ اپنے زاویوں سے میری فلم دیکھیں گے۔

پدما (غصّے سے) جے دیو! سچ کا چہرہ ایک دائرے کے مانند ہوتا ہے اور دائرہ ہر زاویے سے دائرہ ہی نظر آتا ہے۔ سچ کی تصویریں دِکھا کر تمھارا کام ختم ہوجاتا ہے۔ Let us conclude please۔ اور کچھ کھا پی لیں!

جے دیو: پھر وہی بات! شام کو ناشتہ، لنچ، برنچ اور ڈِنر (ہنسی) All In One (مزاحیہ انداز میں) نوش فرمائیں گے۔ Trin, Trin, Trin۔

پدما شام کو؟ رات کا پہلا پہر بھی ختم ہونے جارہا ہے۔ (بڑبڑا کر تلخ لہجے میں) تمھارے وہ قدردان، جو کتّے کے پلّے اور انسان کے بچّے کو، کسی پانچ ستارہ ہوٹل سے پھینکا ہوا جھوٹا کھانا، ایک ساتھ کھاتے ہوئے دِکھا کر جہاں عظیم فلم کار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں......

جے دیو: (بات کاٹ کر) اپنے آپ کو ثابت کرتے ہیں۔ انعامات اور اعزازات لیتے رہتے ہیں۔

پدما (بوکھلا کر) ہاں ہاں! اُن کی ہی بات کر رہی ہوں۔ وہی تو ہیں جو پُرسکون جھیل میں کنکر پھینک کر دائرے پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کا تعاقب کرنے والے دائرے۔ جن کو دیکھ کر آپ جیسے معاشرے کی صحیح ترجمانی کرنے والے فلم کار یا فلم کاروں کی سوچ کی نہج بدل دیتے ہیں۔

جھیل سامنے ہوتی ہے مگر وہ سنگلاخ زمین سے پانی نکالنے کی باتیں کرتے ہیں۔

جے دیو: تم کہنا کیا چاہتی ہو؟

پدما وہی جو تم Rebound کر کے واپس کر رہے ہو۔

(فون کی گھنٹیوں کی آواز)

جے دیو: بجنے دو!

پدما رات کو کوئی بلا وجہ فون نہیں کرتا! عام لوگ، خاص طور پر اچھے لوگ سنسنی خیز ماحول پیدا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تم اپنی فلم ایک دو بار کیا، دس بار اور دیکھ لو۔ گرہن کی کھوج کرو۔ میں یہ دیکھ لوں کہ دن بھر فون کی گھنٹیاں بجتی رہیں، وہ ایک ہی شخص کے تو نہیں ہیں۔

جے دیو: تم اگر Editing Room سے باہر گئیں تو...... تو میں دروازہ لاک کر کے تمھیں واپس نہیں آنے دوں گا۔

پدما (یہ سن کر) I am shocked but not surprised!

سین -۲

(فون پر نٹ راج اور پدما کی گفتگو)

پدما ہیلو (چونک کر) ہیلو نٹراج انکل، نمسکار! (جھجک کے ساتھ) خیریت ہے نا؟

نٹ راج: ہم سب ٹھیک ہیں۔ تم لوگ باہر گئے تھے کیا؟

پدما: نہیں تو۔ آنٹی ٹھیک ہے نا؟

نٹ راج: (ہنسی) سب میں وہ بھی شامل ہے۔ میں دوپہر سے فون کر رہا ہوں۔

پدما: اچھا، وہ آپ تھے۔ آپ گھر آجاتے تو شاید آپ کا شاگرد اپنے زاویوں کے چکّر سے باہر نکل آتا۔

نٹ راج: میں ممبئی سے بول رہا ہوں۔ پدما بیٹی! گرہوں کا چکّر۔ یہ بچپن سے سنتے آئے ہیں۔ یہ زاویوں کا چکّر کیا ہے؟

پدما: جے دیو اپنے Objects کو دوسروں کے زاویوں سے دیکھ کر ایک ایسے چکرویوہ میں پھنس گیا ہے، جہاں سے نکل نہیں پاتا۔

نٹ راج: 'جے' کو فون دو۔

پدما: جے دیو اپنے Editing Room میں ہے۔ باہر آتا نہیں۔

نٹ راج: (ہنسی) بہت ہی Devotion کے ساتھ کام کرتا ہے۔ By the Way کوئی نیا پروجیکٹ شروع کیا ہے کیا؟

پدما: نہیں انکل! وہی پرانا پروجیکٹ ہے۔

نٹ راج: (چونک کر) 'جے' نے مجھے اطلاع دی تھی کہ فلم مکمل ہو چکی ہے۔ میں اُس فلم کے بارے میں 'جے' سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

پدما: کیوں انکل!

نٹ راج: 'جے' اپنی فلم کو Indian Panorma میں Entry بھیجنا چاہتا ہے۔ کیا فلم میں کوئی پرابلم ہے؟

پدما: کوئی پرابلم نہیں۔ بہت اچھی فلم بن گئی ہے۔ Real Situation, Real Character۔ دِکھاوٹ کے لیے کوئی بناوٹ یا سجاوٹ نہیں۔ لیکن جے دیو نے ہر Segment اتنی خوبی سے فلمایا ہے کہ لگتا ہے جیسے Enacted Scenes ہیں۔

نٹ راج: تم نے دیکھی ہے کیا؟

پدما: (ہنسی) ایک دو بار نہیں، بلکہ کئی بار۔ آج بھی صبح سے لے کر گئی رات تک بار بار وہی فلم تو دیکھ رہے تھے۔ 'جے' اس وقت بھی وہی فلم دیکھ رہا ہے۔

نٹ راج: کیوں؟...... کیوں؟؟

پدما: چند روز پہلے ایڈیٹنگ ختم کرنے کے بعد جب اپنی فلم اپنے ایک دوست کو دِکھائی تو انھوں نے جے دیو کی خوب تعریف کی۔ لیکن......

نٹ راج: لیکن کیا؟

پدما: انھوں نے کہا...... کہ سب کچھ ہے مگر جے دیو Touch نہیں ہے۔

نٹ راج: (ہلکی ہنسی) سمجھ گیا۔ ایسے لوگ اکثر ایسی ہی Tactics کا استعمال کر کے Creative Mind میں انتشار پیدا کر کے اپنے لیے ایک مقام پیدا کر دیتے ہیں۔ We should not take such comments seriously۔ 'جے' سے کہہ دو کہ وہ مجھے ممبئی کے پتہ پر فلم کی Synopsys فیکس کر دے۔ کل Proposal Submit کرنے کی آخری تاریخ ہے۔

پدما: انکل! آپ جے دیو کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ Convinced ہے کہ فلم میں کسی Node یا Shade کی کمی ہے اس لیے وہ Synopsis نہیں دے گا۔

نٹ راج: ہاں، میں جانتا ہوں کہ اُس کی ضد کی پکڑ بہت مضبوط ہے مگر کیا کیا جائے۔

پدما: انکل! کئی بار فلم دیکھ کر، مجھے ساری فلم زبانی یاد ہے۔ فریم سے فریم تک! (ہنسی) مکالمے، صوتی اثرات، سب! سب!!

نٹ راج: پھر تم Synopsis لکھ کر صبح سویرے فیکس کر دو۔ میں جب دہلی آؤں گا (قہقہہ) گھبرا گئی؟ ٹینشن مت لو بیٹی! 'جے' کو سمجھا دوں گا کہ پدما نے اس کے سچ کو صحیح Direction دیا ہے۔ یا تم ایسا کرو مجھے (ہنسی) فریم ٹو فریم فلم کی Narration دو۔ میں خود Synopsis لکھ دوں گا۔ Is it O.K.

پدما: جے دیو سمجھ رہا ہے کہ میں Creative نہیں ہوں۔

نٹ راج: (ہنسی) میں بھی تمھاری آنٹی کو Devoide of Creativity, Non Creativity وغیرہ وغیرہ کہتا رہتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ سمجھانے والے سے سمجھنے والا زیادہ ذہین ہو تو بات بن جاتی ہے۔

پدما: (ہنسی) ہاں انکل! وہ بات تو ہے۔ انکل! جے دیو نے فلم کی شروعات بطور راوی کی ہے۔ اور انسانی خواہشات، دبی خواہشات، ضروریاتِ زندگی، حالات کی ستم ظریفی، فطرت، خصلت وغیرہ وغیرہ کے بارے میں تمہید باندھ کر، سحر سے گئی رات تک کا ایک کولاج بنا کر پیش کیا ہے۔ مختلف کرداروں سے ایک سوال پوچھ کر Individual Segments کی شروعات کی ہے۔

سین۔۳

(پہلے Segment میں ایک نیم پاگل سے گفتگو کی ہے۔ یہ نیم پاگل نوجوان ہے، خوبرو ہے اور وہ ایک مندر کے احاطے میں بھجن گانے یا منتروں کا جاپ کرنے کی بجائے بھگوان کو شعر سنا رہا ہے۔ اب جے دیو اور اس کردار کی گفتگو سناتی ہوں۔ وقت: سحر۔

(ہنسی) (Dialogue to Dialogue Frame to Frame)

جے دیو: آپ؟

پاگل: ہاں میں...... میں ہی تو ہوں۔ میرا قتل ہوا ہے نا۔ اس لیے میرا نام مقتول ہے۔ بات اپنے تک ہی رکھنا بھائی ورنہ مجھے یہاں سے نکالا جائے گا۔ اچھا اب چلے جاؤ۔ مجھے پرارتھنا کرنی ہے یعنی بھگوان سے براہِ راست گفتگو کرنی ہے۔

(نوٹ: ''کرنی ہے'' وہ کھینچ کر بولے گا۔ گویا مشاعرہ میں کوئی شاعر اپنا کلام سنا رہا ہو۔)

جے دیو: آپ؟

پاگل: (قہقہہ) 'تم' بھی چلے گا۔ بلکہ 'تم' ہی چلے گا۔ 'آپ' سن کر مجھے یوں لگتا ہے کہ میں زندہ ہوں۔

(ترنم میں) وفائیں کتنی ہی مستقل ہوں

جفا کے خوگر جفا کریں گے ......کریں گے...... گے...... گے!

تم بھی پوجا کرو سوال پوچھنے والے انسان!

میں زندہ ہوں مگر زندگی نہیں

جب غمِ ماضی ستاتا ہے تو میں رو دیتا ہوں......ہوں......ہوں

مجھے راستے میں پڑا کسی بدنصیب کا خط ملا

کہیں آنسوؤں سے دُھلا ہوا
کہیں خونِ جگر سے لکھا ہوا
میں کیسے خود کو سمجھا دوں
کہ خط تھا میرے ہاتھ سے لکھا ہوا......لکھا ہوا......ہوا......ہوا

(ذرا اونچے سُر میں)
بھگوان برا ہو تیرا
تُو نے بھی میری قدر نہ جانی......نہ جانی......جانی

جے دیو: آپ؟

پاگل: ہاں میرے باپ!
میں نیم پاگل نہیں ہوں
مکمل پاگل ہوں......ہوں......ہوں
میں بھگوان کو منتر نہیں سُناتا، شعر سناتا ہوں۔(رو پڑتا ہے)
وہی تو ہے جو مجھ کو روکے ٹوکے بغیر سنتا ہے۔(قہقہہ) برداشت کرتا ہے۔بات اپنے تک ہی رکھنا بھائی۔کسی کو کانوں کان یہ خبر نہ ہو کہ میں ایک شاعر ہوں۔

جے دیو: (ہنسی) اپنے تک یہ بات بھی رکھ دوں گا کہ......کہ آپ اپنے شعر بھگوان کو سناتے ہیں۔ ہی......ہی......ہی......

پاگل: گویا جان گئے، مگر شاعر کو پہچان گئے۔(قہقہہ) میں ایک شاعر ہوں بھئی۔آپ نے یاد دِلایا تو مجھے یاد آیا۔بات اپنے تک ہی رکھنا بھائی۔

جے دیو: (ہنسی) کسی کو خبر تک ہونے نہیں دوں گا۔

پاگل: ارے واہ! آپ یہ سب جانتے ہیں۔میری بھگوان سے بات ہوئی تھی ایک دن۔مگر جان گیا کہ
کس کو بھیجے وہ یہاں خاک چھاننے
اس تمام بھیڑ کا حال جاننے
آدمی ہیں اَنگنت، دیوتا ہیں کم
(رو کر) لیکن پھر بھی بھگوان نے آپ کو میری مدد کے لیے
بھیج کر اپنے بھگت پر احسان کیا ہو جیسے! جیسے!
ورنہ زندگی کٹ رہی ہے ایسے
ایک بے جرم سزا ہو جیسے......جیسے......جیسے......اے۔

جے دیو: آپ شاعر ہو۔تو......

پاگل: تو؟

جے دیو: اپنے شعر کیوں نہیں کہتے۔ فرماتے!

پاگل: (بوکھلاکر) کیسے سنادوں؟ اپنے تک ہی بات رکھنا بھائی۔ جب میرا تخلص شفق تھا تب میں اُفق پر نظر آیا کرتا تھا۔ (رو پڑتا ہے)

پھر ایک شاعر نے دولت کا سہارا لے کر
چُرالی میری شاعری کی کلّیات!...... کلّیا!...... کلّیات

جے دیو: یہ جان کر افسوس ہوا۔ لیکن آپ نے تب کچھ نہیں کیا؟

پاگل: کیا، بہت کیا! لیکن میری آواز دبائی گئی۔ شفق کا قتل ہوا تو مقتولؔ بن گیا۔ (آہ بھر کر) مگر......

اے بابو! یہ دُنیا ایک سرکس ہے
شو تین گھنٹے کا، ظالم، ظلم اور مظلوم کا
امیر طاقتور رِنگ ماسٹر ہے جو
شیر ببر کو نچاتا ہے

(اچانک بے ساختہ قہقہہ) لیکن میں حیوان نہیں ہوں نا......؟ انھوں نے ایک غریب شاعر کی شاعری چُرالی۔ (قہقہہ) میں نے تب سے شہرت یافتہ شعرا کا کلام اپنایا۔ اچھا کیا نا؟ بہت اچھا کیا! مگر یہ بات اپنے تک ہی رکھنا بھائی، ورنہ غضب ہو جائے گا۔ (آہ بھر کر) غریبی ایک گناہ ہے نا بابو؟

جے دیو: لیکن دولت مل جائے تو غریبی کی جڑیں بھی نابود ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے نا؟

پاگل: ہاں!

جے دیو: اگر میں آپ کو ایک کروڑ روپے دوں...... تو...... تو آپ کیا کریں گے۔

پاگل: ایک کروڑ...... سو ہزار روپے؟

جے دیو: کیوں؟ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے یا آنکھیں بند کر کے ضرب تقسیم کر رہے ہو؟

پاگل: وہی تو! ہو گیا...... ہو گیا...... اور بن گیا...... بن گیا۔

جے دیو: کیا؟

پاگل: ضروریات کے اخراجات کا Balance Sheet۔ مجھے ایک کروڑ نہیں۔

جے دیو: دو کروڑ...... تین کروڑ...... دس کروڑ...... بیس کروڑ؟ بیس بھی نہیں؟

پاگل: نہیں نہیں! اے بابو! تم ایک دو گے، وہ دس لاکھ دے گا۔ مجھے صرف بیس ہزار روپے دے دو!

جے دیو: بس! کیا کرو گے؟ رقم لے کر؟

پاگل: اپنی کلیات شائع کر کے شفق کو گرہن سے آزاد کر دوں گا۔ مقتول کو نیا جنم دوں گا۔ ہاں، نیا جنم!!

سین -۴

پدما: انکل جے دیو نے اس شاٹ کو Dissolve کر کے ایک سوزیدہ موسیقی کا Fade in کیا ہے۔ اور ایک علامتی شاٹ کا استعمال کر کے گرہن زدہ سورج کو دکھایا ہے۔

نٹ راج: خوب، بہت خوب۔ اگلے Segment میں کس کا انٹرویو دِکھایا ہے۔

پدما: ایک سیاسی لیڈر کا، مختصر مگر دلچسپ انٹرویو۔

سین -۵

(ایک پر جوش جلوس سے گزرنے کے صوتی تاثرات اور نعروں کی گونج، غریبوں کا مسیحا، صدا بہار، صدا بہار)

جے دیو: جو بھی سڑک پر تھے، سبھی جلوس میں شامل ہوئے۔

صدا بہار: آپ کو کوئی اعتراض ہے؟

جے دیو: (ہنسی) نہیں۔ اعتراض کیوں ہو۔ یہ صدا بہار کون ہے؟

صدا بہار: (چونک کر) آپ نے نعرے نہیں سنے کیا؟

جے دیو: ہاں، کیوں؟

صدا بہار: (ہنسی) غریبوں کا مسیحا یعنی صدا بہار۔

جے دیو: (ہنسی) یہ نام ہے یا تخلص؟

صدا بہار: (طنزاً) تخلص شاعر لوگ خود ہی اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں جبکہ لیڈروں کو لوگ القاب سے نوازتے ہیں۔

جے دیو: آپ کا بھی لیڈر ہے؟

صدا بہار: بھی؟ مطلب؟

جے دیو: اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو آپ بھی......

صدا بہار: پھر بھی؟ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

جے دیو: کڑاکے کی سردی میں یہ آپ نے کمبل اوڑھ لی ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ بھی......

صدا بہار: ہاں، ہاں! میں بھی غریب ہوں۔ ہمارا ملک ہی غریب ہے۔ بیشتر لوگوں کے پاس اوڑھنے کے لیے پھٹی کمبل بھی نہیں ہوتی ہے بلکہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہیں ہوتے ہیں۔ اور اُس پر طرہ یہ کہ فٹ پاتھ پر سرد ہوائیں روکنے کے لیے دیواریں ہوتی ہیں اور نہ بارش سے بچاؤ کے لیے چھت ہوتی ہے؟

جے دیو: ہاں! یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ہم دونوں کی سوچ ملتی جلتی ہے۔ظاہر ہے سمجھ اور خیالات بھی ایک جیسے ہونے چاہئیں۔

صدابہار: (ہنسی) میری طرف سے ہاں، ہے۔اُمید کرتا ہوں کہ غریبوں کی بدحالی دیکھ کر آپ بھی تڑپ اُٹھتے ہوں گے۔اکثر دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہوگی، پھر درد ہوتا ہوگا۔درد نہیں، کرب کا احساس آپ کے وجود کو جھٹکے دیتا رہتا ہوگا۔

جے دیو: ہاں، ہاں۔اکثر ایسی کیفیت ذہن پر طاری ہوتی رہتی ہے۔

صدابہار: اگر یہ آپ کے دل کی آواز ہے تو کچھ کرتے کیوں نہیں؟

جے دیو: مان لیجیے میں آپ کو ایک کروڑ روپے دے دوں۔

صدابہار: (قہقہہ) تو میں Formality کے طور پر بھی 'نہیں نہیں، نہیں' نہیں کہوں گا۔بلکہ رقم لے کر یہ بھی نہیں کہوں گا کہ 'اس کی کیا ضرورت ہے' رقم بلیک میں دے رہے ہو یا وہائٹ میں؟

جے دیو: (کرید کر) یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟

صدابہار: کیوں نہیں؟ وہائٹ میں دو گے تو چالیس لاکھ ٹیکس میں نکل جائیں گے۔

جے دیو: سمجھ گیا۔پھر بلیک میں ہی دوں گا۔یہ بتایئے کہ آپ رقم کا کیا کریں گے؟

صدابہار: (ہنسی) صدابہار سے پوچھ رہے ہو کہ رقم کا کیا کرو گے۔ہاں بلیک میں دینے کا آپ کو بونس بھی ملے گا۔کھل کر بات کر رہا ہوں۔میں آپ کو چالیس لاکھ کا چیک دوں گا، جو وہائٹ ہوں گے۔

جے دیو: آپ کون ہیں؟

صدابہار: میں نے سوچا کہ آپ اب تک جان گئے ہوں گے کہ میں صدابہار ہوں۔غریبوں کا مسیحا۔شام کو گھر آنا!!

سین-٦

(نٹ راج اور پدما کی فون پر گفتگو جاری)

نٹ راج: 'جے' نے کیا Segment کو یہاں Conclude کیا ہے؟

پدما: (اکسائٹ ہو کر) نہیں انکل! جے دیو نے اپنا Director's Punch دیا ہے نا! صدابہار کے مکالمے 'شام کو گھر آنا' کے ساتھ ہی ایک لمبی بدیشی کار ہارن بجا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔صدابہار اپنے پھٹے کمبل کو کار میں رکھ کر کار سے ایک شال نکال کر اوڑھ لیتا ہے۔پھر کار میں بیٹھ کر چلا جاتا ہے۔

نٹ راج: واہ کیا بات ہے؟ اگر مجھے فلموں کا درونا چاریہ کا لقب ملا ہے، تو 'جے' ارجن پانڈو ہے۔

پدما: انکل آپ کا اتنا کہنا جے دیو کے فن پر لگے گرہن کو ہٹانے کے لیے کافی ہے۔مگر کیا کریں، ان کو ہنومان کی طرح اپنی طاقت کا اندازہ ہی نہیں۔خیر اگلا Segment بھی بہت ہی Impresive

ہے اور بہت کچھ Convey کر رہا ہے۔ اس Segment کی شروعات ایک Examination Centre کے اِرد گرد چھائے ماحول سے ہو رہی ہے۔ واسو اس کا مرکزی کردار ایک Teen Aged لڑکا ہے۔ وہ کئی لڑکوں کو ان کے مشکل سوالات کے حل بتا چکا ہے۔ پھر جب تمام لڑکے Examination ہال میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ تنہا ہے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہال کو دیکھ رہا ہے۔

سین - ۷

جے دیو: یہ جو لڑکے آپ کے پاس آتے جاتے رہے، کیا آپ کے دوست ہیں؟

واسو: ہاں! (آہ بھر کر) کچھ اجنبی بھی تھے۔

جے دیو: آپ سے کیا پوچھ رہے تھے؟

واسو: ٹیسٹ میں اچھی Performance کے Tips۔ اور اُن سوالوں کے حل یا جوابات جو اُن کو نہیں آتے تھے۔

جے دیو: آپ کو آتے لگتے؟

واسو: ہاں! (ہنسی) میں، سارا کالج جانتا ہے، سب سے اچھا Student ہوں نا! (آہ بھر کر) مجھے 'Shinning Star' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جے دیو: That is very good۔ یہ ٹیسٹ کس کے لیے لیے جا رہے ہیں؟

واسو: (آہ بھر کر) ایم بی بی ایس میں داخلے کی خاطر!

جے دیو: آپ کا ایڈمیشن ہو چکا ہوگا؟

واسو: (آہ بھر کر) نہیں! اور کبھی ہوگا بھی نہیں۔

جے دیو: کیوں؟ آپ تو Shinning Star ہو!

واسو: (آہ بھر کر) اُس سے کیا ہوتا ہے؟ میڈیکل کالج میں اُس کو داخلہ مل جاتا ہے جو......! ریزرویشن کے دائرے میں آتا ہو! جو سفارش کے پر لگا کر اُڑ سکتا ہو! یا پھر ڈونیشن دے سکتا ہو! میرے پتا جی ایک کلرک ہیں۔ (رو پڑتا ہے)

جے دیو: (تسلیاں دیتے ہوئے) یہ کیا؟ Shinning Star روتے ہیں کیا؟ اچھا یہ بتا دو کہ اگر میں آپ کو ایک کروڑ روپے دے دوں تو آپ کیا کرو گے؟

واسو: بیس لاکھ اپنے ایم بی بی ایس کے ایڈمیشن کے لیے، دس لاکھ اپنے ایم ڈی اے داخلے کے لیے، باقی رقم اپنے پتا جی کو دوں گا، تاکہ وہ میرے دو چھوٹے بھائیوں کو English Medium اسکول میں پڑھا سکیں! خوب کھلا پلا سکیں، اور اچھے کپڑے پہنا سکیں! میری بہن کی دھوم دھام سے شادی

کرواسکیں! اپنے لیے گرم کپڑے لاسکیں! اور فوری طور پر ایک نیا جوتا خرید سکیں! (رو پڑتا ہے)
ان کے جوتے ان کے پیروں کو بچھوؤں کی طرح ڈنک مارتے رہتے ہیں۔

Cut To

سین-۸

(نٹ راج اور پدما کی فون پر ہو رہی گفتگو جاری)

نٹ راج: سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے 'جے' نے۔

پدما: Once again his visual punch۔ آخر میں واسو کی اشک بار آنکھوں پر آسمان میں تیرتے کالے بادلوں کا ایک Effective Shot،Overlap کر دیا ہے اور پھر زبردست بارش کی Continuity کے ساتھ اگلے Segment کو شروع کیا ہے۔ یہ ایک رفیوجی کیمپ ہے جہاں سُنامی سے متاثر لوگ ٹھہرے ہیں۔

سین-۹

جے دیو: تم، تمھارا نام کیا ہے عورت؟

وسندھرا: وسندھرا مچھیرن!

جے دیو: وسندھرا یہ کیا ہو گیا ہے، اُف! کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

وسندھرا: ہم لوگوں نے زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے تو...... تو ساری بستی کے لوگ سمندر سے مدد مانگنے گئے۔ وہ ہمارے اَن داتا ہیں۔ ہماری سلامتی کے دیوتا ہیں نا، لیکن (آواز میں لرزش، گھبراہٹ) لیکن سمندر سے ہزاروں ہاتھی اپنی سونڈوں میں پانی بھر کر، ساحل پر آئے اور پانی ہم پر ڈالتے گئے۔ پھر چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ ہم بھاگ رہے تھے اور پانی کی اُونچی لہریں ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔ گھر تو کیا، بستیاں اُجڑ گئیں۔ ایک دو کا ذکر کیا، ہزاروں لوگ اُجڑ گئے۔

جے دیو: تم اکیلی ہو۔ مطلب گود میں اس بچی کے علاوہ کوئی اور بھی بچ گیا ہے کیا؟

وسندھرا: سب بچ گئے تھے۔ میرا پتی، میرے تین بچے! مگر......

جے دیو: کیا ہوا؟ وہ سب کھو گئے کیا؟

وسندھرا: (رو رو کر) نہیں رہ گئے!

جے دیو: کہاں؟

وسندھرا: اُس اُونچے ٹیلے پر جہاں پانی پہنچا نہیں۔ اُڑن کھٹولہ آیا۔

جے دیو: اُڑن کھٹولہ؟ اچھا اچھا ہیلی کاپٹر!

وسندھرا: ہاں وہی...... آیا تھا۔ جو بیمار تھے اُن کو بٹھایا گیا۔ دُرگا بھی بیمار تھی، اور ہم ماں بیٹی بھی بخار سے جھلس رہے تھے۔

جے دیو: دُرگا کون؟

وسندھرا: میری دس سال کی بیٹی۔ مجھ سے پوچھا کہ دُرگا کو بھیج دو۔ تم دوسری بار آ جاؤ۔ میں نے کہا، لڑکی دس سال کی ہو یا بیس سال کی، پل بھر میں عورت بن جاتی ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ ہم سب ساتھ جئیں گے، مریں گے۔ میں اپنی گود میں اس چھ سال کی بیٹی کو بٹھادوں گی یا دُرگا کو۔ یہ فیصلہ نہیں کر پائی۔ اُڑن کھٹولہ اُڑ کر یہاں پہنچ گیا۔ (چیخ چیخ کر) اور میرا پتی، بارہ سال کا بیٹا اور دُرگا وہاں ہی رہ گئے! (پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتی ہے) لمحے، گھنٹے، دن، ہفتے، مہینے گزرتے گئے مگر نہ وہ آئے۔ (سسک سسک کر) اور نہ ہمیں موت آئی۔ (Emotional Out Burst)

جے دیو: سُنامی کی لہریں آئیں۔ وہ قہرِ خدا تھا۔ تم یہاں، وہ وہاں۔ تڑپ رہی ہے زندگی۔ یہ قہرِ بدبختی ہے۔ ملن کی اُمید سہارا دے سکتی ہے:

بچھڑے ہوئے ملیں گے پھر قسمت نے اگر ملا دیا
اُس کا بھلا کرے خدا جس نے تمھیں جدا کیا

اچھا وسندھرا، یہ بتادو کہ...... کہ اگر تمھیں ایک کروڑ روپے مل جائیں، تو تم کیا کروگی؟

وسندھرا: یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اُڑن کھٹولہ کروڑ روپے میں آتا ہے۔

جے دیو: آتا ہوگا...... تو......

وسندھرا: (خوش ہو کر) میں خرید لوں گی۔

جے دیو: (ہنسی) یہ سوچ کر کہ گرہوں کے چکر کو درست کرنے کے لیے آسمان پر چڑھائی کر دوگی۔ یا پھر چندرما کے چہرے سے گرہن ہٹا دینے کا ارادہ ہے۔

وسندھرا: نہیں۔ میں دُرگا کی تلاش کروں گی۔ اُس کے پتا اور اُس کے بھائی کو ڈھونڈوں گی۔ پھر ہم سب اُڑن کھٹولہ میں اپنے گاؤں جائیں گے۔ مچھلیاں پکڑیں گے۔ اور پھر سمندر کا پانی اُچھلنے لگے گا، ہم اُڑن کھٹولہ میں بیٹھ کر ہمالیہ پربت پر جائیں گے!!

سین - ۱۰

جے دیو: (چونک کر) تم کہاں جارہی ہو وسندھرا! رُک جاؤ!!

ایک آدمی: وسندھرا مجھے دیکھ کر بھاگ گئی! (قہقہہ) میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی یہ عورت کانپنے لگتی ہے۔ اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر یوں سرپٹ دوڑتی ہے گویا زلزلہ آرہا ہو۔

جے دیو: ہاں مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگا۔ آپ کون ہوشریمان؟

آدمی: ایک معصوم ومظلوم انسان۔ میری صورت ڈراؤنی ہے۔ دِل ایک پھول سے بھی زیادہ نازک!

جے دیو: آپ بھی سُنامی لہروں کے شکار ہو کر یہاں آئے ہو؟

آدمی: نہیں! میں یہاں ایک مقصد کی خاطر آیا ہوں۔

جے دیو: اچھا سمجھا۔ آپ اِن بے کس بے بس لوگوں کی سیوا کرنے آئے ہیں۔

آدمی: وہ بات نہیں ہے۔ بات کیا ہے، آپ سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ اچھا تو کیا کہہ رہی تھی وسندھرا؟ دس سال کی لڑکی کو عورت بنایا جاسکتا ہے۔ ارے! یہ عورت خود کو تو کیا، بیٹی کو بھی ہاتھ لگانے نہیں دے رہی ہے۔ ارے!! یہ سمجھتی نہیں ہے کہ جوٹاپو پر رہ گئے تھے، وہ سب پانی کا کفن اوڑھ کر کیچڑ میں دفن ہو گئے ہیں۔ فوٹو دِکھائے میں نے۔ لیکن اپنی ضد پر قائم ہے۔ میں پچاس کا غیر شادی شدہ آدمی ہوں۔ شادی کر لیتی مجھ سے! مجھ پر لگے گرہن کو اپنی روپہلی روشنی سے مٹا دیتی۔ مگر نہیں! اب اُڑن کھٹولے میں بیٹھ کر، اپنے پتی سے ملنے کے خواب دیکھ رہی ہے! نادان عورت! کٹھور عورت! یہ نہیں سمجھ پاتی ہے کہ میرا کیا ہوگا! میرے خوابوں کا کیا ہوگا۔

جے دیو: آپ کے خواب اگر ایک کروڑ روپے پورے کر سکیں تو بتائیے۔

آدمی: میں خود ہی پوچھنے والا تھا۔

جے دیو: کیا؟

آدمی: یہی کہ اگر آپ ایک کروڑ روپے مجھے دیجیے۔

جے دیو: آپ رقم لے کر کیا کریں گے؟

آدمی: (فاتحانہ قہقہے) روپیوں میں اتنی روشنی ہے کہ سامنے کھڑے عورتیں یہ دیکھ ہی نہیں پائیں گی کہ میں بدصورت ہوں۔ ایک لنگڑا ہوں، بوڑھا ہوں۔ بس کھنچی چلی آئیں گی۔ جوق در جوق، کم عمر سے ادھیڑ عمر تک۔

جے دیو: پھر......کیا کرو گے؟

آدمی: (ہنسی) کیا بتاؤں۔ کیسے بتاؤں۔ آپ سمجھ جایئے نا کہ...... بتا دیتا ہوں۔ جب میرے حرم میں ہر عمر کی لڑکیاں اور عورتیں ہوں گی، تب میں کبھی چودہ سال کے لڑکے کی طرح، کبھی بیس سال کے نوجوان، کبھی تیس سال کے جوان اور کبھی پچاس سال کے عاشق کی طرح اس معاشرے سے اپنا حساب چکتا کر دوں گا۔ جس نے مجھے چودہ سال کی عمر سے تڑپایا ہے، ترسایا ہے۔

(فاتحانہ قہقہے، قہقہوں کی گونج)

دوسرا آدمی: بلاوجہ ہنسنا، پاگل پن کی علامت ہے۔ بابو جی، کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے ملنے آئے ہو۔

جے دیو: آپ کون ہیں؟ شکل صورت و پوشاک سے نہ ستم زدہ لگ رہے ہیں آپ اور نہ ایک رفیوجی۔

دوسرا آدمی: ٹھیک پہچانا آپ نے۔ میں یہاں اپنے مالک کے ساتھ آیا ہوں۔ ہاں! جب مقدمے کا فیصلہ بیس سال بعد بھی نہ ہوا تب نوکری کرنی پڑی۔ ہاں ہاں! میں ہی ہوں وہ! یاد آیا! جس کے کھیتوں میں ایک دولت مند نے نیل کی کاشت کی تھی! نیل!......نیل!......ہاں وہی نیل جس سے کپڑے اُجلے ہوتے ہیں۔ اچھا میں یہ اشارہ دوں گا کہ جس کھیت میں نیل کی کاشت ہوتی ہے وہ ایک فصل کے بعد چار سال تک بنجر بن جاتی ہے......وہی تو......یاد آیا......ہاں!ہاں!

جے دیو: آپ نے جو مقدمہ لڑا تھا، یا لڑ رہے ہو، وہ کس لیے؟

دوسرا آدمی: (ہنسی) آپ کراس چیک کرنا چاہتے ہو نا؟ سمجھ گیا، سمجھ گیا۔ مقدمہ اُن چار سال کے معاوضے کے بارے میں ہے جناب! جن کے لیے مجھے معاوضہ نہیں ملا ہے جناب! اب تک کل رقم کروڑ کو چھو گئی ہوگی۔ (فاتحانہ قہقہہ) اب تسلّی ہوگئی ہو تو رقم......آپ جا رہے ہو؟ کیوں جا رہے ہو؟ اگر یوں چلے جانا تھا تو آئے کیوں تھے؟ اُف اُف! میں سمجھ رہا تھا سورج گرہن کی وجہ سے اندھیرا چھا گیا ہے۔ دراصل سورج ہی غروب ہو گیا ہے۔ رات تو تاریک ہی ہوتی ہے!

(آواز کی گونج اور Fade Out)

سین-۱۱

(نٹ راج اور پدما کی گفتگو کا Fade In)

پدما: کیوں نٹ راج انکل! کیسی ہے میری Narration

نٹ راج: اچھی ہے۔

پدما: اور فلم؟

نٹ راج: میں 'جے' کی خوبیوں اور خامیوں کو جانتا ہوں۔ سمجھ سکتا ہوں کہ Filming کیسی ہوگی۔ پدما بیٹی! فلم اچھی نہیں، بلکہ بہت اچھی بن گئی ہوگی۔

پدما: انکل جے دیو نے اپنی فلم کا عنوان 'گرہن' کیوں رکھا ہے؟

نٹ راج: وہ اس لیے کہ اندھیرا روشنی سے ڈرتا ہے۔ چاہے وہ قدرتی اُجالا ہو یا مصنوعی روشنی! گرہن روشنی کو دبوچ لیتا ہے۔ اس لیے روشنی گرہن سے ڈر جاتی ہے۔ (ہنسی) آگے کیا ہے، Curiosity بڑھتی جا رہی ہے۔

پدما: انکل! فلم کا اگلا Segment یہ ہے: لوکل ایک پارک ہے اور وقت وہ ہے جو شام کروٹ بدل کر رات کے پہلے پہر میں داخل ہو جاتی ہے۔ جے دیو ایک سڑک چھاپ Sex Worker سے باتیں کر رہا ہے۔

سین-۱۲

جے دیو: آپ وہی ہیں کیا جو ہم سمجھ رہے ہیں۔
شکنتلا: ہو بھی سکتی ہوں۔لیکن آپ شاید وہ نہیں ہیں جس کی مجھے تلاش ہے۔
جے دیو: شک کی وجہ؟
شکنتلا: آپ کی شائستہ زبان۔پہلی بار کسی نے 'آپ' کہا۔
جے دیو: (ہنسی) پھر 'تم' کہوں تو بات بن جائے گی؟
شکنتلا: (ہنسی) میں قریب آؤں یا آپ۔
جے دیو: دونوں ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں......کہ نہیں؟
شکنتلا: ہاں!
جے دیو: تمھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ تمھاری صورت پرانی فلموں کی ایک نازنین ہیروئن سے ملتی ہے۔
شکنتلا: کوئی کہہ رہا تھا کہ میری صورت آج کی کسی ہیروئن سے ملتی ہے۔(تلخ ہنسی) ملتی بھی ہو......تو کیا؟ گاہک کیا زیادہ پیسے دیتا ہے کبھی؟ کبھی نہیں! (آہ بھر کر) وہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں دلوں پر راج کرتی ہے اور میں تھوڑی دیر کے لیے گاہک کے ذہن پر چھا کر۔ ایک پھلجھڑی کی طرح بجھ کر کالی ہو جاتی ہوں۔
جے دیو: گہری باتیں کر رہی ہو تم! کیا نام ہے تمھارا؟
شکنتلا: گلابی لڑکی!......مخملی عورت!
جے دیو: اصلی نام اگر بتانا نہیں چاہتی تو......
شکنتلا: (سخت لہجہ) باتوں میں اُلجھنا چاہو، تو تمھاری مرضی۔اگر مجھے باتوں میں الجھانا چاہتے ہو تو میری مرضی چلے گی۔
جے دیو: یعنی؟
شکنتلا: دوسرا گاہک تلاش کروں گی۔اور تمھیں ایک دو گالیاں دوں گی۔
جے دیو: آپ سے تم پر کیوں آ گئی؟
شکنتلا: بابو، میں دھندہ کرتی ہوں۔اصلیت تو وہی ہے۔
جے دیو: یہ لو، دو سو روپے......اور دوں؟
شکنتلا: (ہنسی) بابو جی! ناراض ہو گئے۔ابھی لیٹ کر آپ کی ناراضگی دور کر دوں گی۔آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ شکنتلا نے کسی راجا دُشنت کا ہاتھ تھام لیا تھا۔بولو کہاں چلنا ہے......ہوٹل یا......؟
جے دیو: یہاں بیٹھ کر، مجھ سے باتیں کرنا تمھیں اچھا نہیں لگتا۔

شکنتلا: (قہقہہ) باتیں کر کے اگر......

جے دیو: (بات کاٹ کر) ہاں! باتیں کریں گے۔

شکنتلا: (ہنسی) سودا برا نہیں ہے۔

جے دیو: بلکہ میرے لیے تو فائدے مند سودا ہے۔

شکنتلا: کیسے سوداگر ہو آپ؟

جے دیو: سپنوں کا سوداگر...... کیا تم سپنے نہیں دیکھتی؟

شکنتلا: ہاں! اکثر......!

جے دیو: وہی تو...... دراصل دبی خواہشیں ہی تو خوابوں کو جنم دیتی ہیں۔ کاش یہ ہوتا اور وہ نہ ہوا ہوتا۔

شکنتلا: (آہ بھر کر) بابو جی، ہوتا وہی ہے جو بھگوان چاہتا ہے۔ اور پھر جس گاؤں میں جانا نہیں اُس کے بارے میں سوچنا کیوں؟ یہ تصویریں دیکھ لو۔ میری ہیں۔ اِن کو دیکھ کر (ہنسی) شاید باتیں کرنا بھول جاؤ...... کیوں؟...... ارے آپ قریب آ کر تو دیکھ لو...... ان تصویروں کو۔ یا پھر...... مجھے!

جے دیو: دیکھ لوں گا۔ دیکھ لوں گا۔ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو، سنجیدگی سے۔

شکنتلا: سوال میرے ماضی کے بارے میں ہے کیا؟

جے دیو: نہیں۔ تمھارے مستقبل کے بارے میں۔

شکنتلا: ڈرامت دینا۔

جے دیو: یہ کیا۔ میں نے سنجیدگی سے جواب دینے کے لیے کہا، تم رنجیدہ کیوں ہو گئی؟ تمھارا رنگ کیوں اُڑ گیا ہے۔ سنو! میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں تمھیں ایک کروڑ روپے دے دوں تو...... تو تم کیا کرنا چاہو گی۔

شکنتلا: (آہ بھر کر) بوند بوند پانی کی تلاش کرنے والوں کو میٹھی جھیل کے خواب کیوں دِکھا رہے ہو؟ آخر کیا چاہتے ہو؟

جے دیو: صرف اتنا کہ اگر تمھیں ایک کروڑ روپے مل جائیں تو......

شکنتلا: (شرارتی ہنسی) بابو جی! گھما پھرا کر کیوں اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہو...... میں جانتی ہوں کہ آپ میری ہم شکل فلم ایکٹریس کو اپنی بانہوں میں لینا چاہتے ہو۔

جے دیو: ایسی کوئی بات نہیں۔

شکنتلا: آپ ایک جسم فروش کی بات تو سن لیجیے۔ میں جانتی ہوں کہ میرے جسم سے باس آتی ہے۔ الجھے ہوئے بالوں میں جوئیں بھی ہیں۔ دانتوں میں پان کا رنگ لگا ہوا ہے۔ منہ سے بدبو آتی ہے۔ میں کیا کروں۔ بابو جی میں کیا کروں۔ (آہ بھر کر) میرے گاہک مجھ سے بھی بدتر حالت میں ہوتے ہیں۔ آپ ایسا کرو مجھے آج دو سو روپے دے دو، میں کل صبح صابن، خوشبو والا تیل،

دانت منجن، شیمپو وغیرہ خرید کر شام کو ایک دلہن کی طرح سج دھج کر آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر یہاں ملوں گی۔ (ہنسی) پھر جہاں مرضی ہو، لے جانا۔ (آہ بھر کر) اگر بھروسہ ہے تو...... ورنہ جو میرے پاس اس وقت ہے، اُس کو قبول کر لو۔

جے دیو: یہ لو۔ چار سو روپے۔ لیکن اب میرے سوال کا جواب دو...... کہ اگر تمھیں ایک کروڑ روپے مل جائیں تو تم کیا کرنا چاہو گی؟

شکنتلا: تو......تو...... بتا دوں۔ یہ گندہ دھندہ بند کر دوں گی۔ میں ایک چھوٹا سا گھر خرید لوں گی، جس میں مَیں کم از کم دس سال کا راشن خرید کر رکھ دوں گی۔ اپنے بیمار پتی کا مکمل علاج کراؤں گی۔ اپنے دونوں بیٹوں کو حلوائی کی دُکان سے آزاد کر کے اسکول میں داخل کرا دوں گی۔

جے دیو: اور کیا کیا کرنا چاہو گی؟

شکنتلا: (آہ بھر کر) میرا پتی ٹھیک ہو جائے گا، تو......تو کہیں، کسی ایسی جگہ...... (آہیں بھر بھر کر) ایسی جگہ، ایسی جگہ جہاں نہ سوکھا پڑتا ہو، اور نہ سوکھی ندیوں میں اچانک اتنا پانی آتا ہو...... جو کناروں، اپنے ہی کناروں کو کاٹ کھاتا ہو، وہاں تھوڑی زمین خرید لوں گی۔ اور ہم دونوں کھیتی باڑی کریں گے۔ ایک بیلوں کی جوڑی، ایک گائے، اور اپنے دو کمرے، جن میں برسات میں اپنی ہی جگہ قائم اور دائم رہنے کی طاقت ہو! اور دونوں بچوں کو پڑھاؤں گی...... ہاں اپنے پتی کے لیے ایسی ہی چمڑے کی جیکٹ...... (ہنسی) تب کھانسی کی چھٹّی ہوگی۔ یہ گرم ہوتا ہے نا؟ آپ چپ ہو گئے۔ کیوں؟ گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟...... اپنا پیسہ واپس لینا چاہتے ہو...... تو لو...... مگر پچاس روپے میں کاٹ لوں گی۔

جے دیو: نہیں نہیں۔ (کرید کر) شکنتلا جی! ایسی بھی کیا بات ہے، بلکہ مجھ سے دو تین سو روپے اور لو۔ بدلے میں صرف یہ بتا دو کہ کیا تم اپنے بیمار پتی کو چھوڑ کر میرے ساتھ میرے گھر میں رہ سکو گی۔

شکنتلا: اپنے پتی کو چھوڑ دوں؟ (بے ساختہ رو کر) جس کی خاطر میں ایک آگ کے دریا میں کود پڑی ہوں، اُس کو چھوڑ دوں؟ نہیں نہیں...... بابو میں یہ دھندہ مرضی سے نہیں، مجبوری سے کر رہی ہوں۔ نہیں نہیں میں اُس کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتی۔ پتی کی سیوا کروں گی تو شاید...... سونا تپ کر کندن بن جائے۔ (آواز کی گونج)

(گونج کا Fade Up اور پھر آخری سین کا Fade In)

آخری سین

نٹ راج: (ہنسی) اپنے 'جے' کی فلم کی گونج دُور رہ کر بھی پاس پاس، آس پاس سنائی دے رہی ہے۔

پدما: گویا آپ کو بھی جے دیو کی فلم اچھی لگی؟

نٹ راج: اور نہیں تو کیا۔ آخر نٹ راج کے شاگرد کی تخلیق ہے (ہنسی) اچھا میں فون رکھ دیتا ہوں۔ Synopsis لکھ کر صبح Submit کر لوں گا۔ Now Relax۔

پدما: (ہنسی) ایک سوال پوچھوں انکل!

نٹ راج: ہاں پوچھ لو۔

پدما: انکل! آپ لوگ ان لوگوں کو Critisize کرتے آئے ہو جو ملک کی غریبی، مفلسی کو اپنے کینوس پر اُتار کر فارن ممالک میں دِکھاتے آئے ہیں۔

نٹ راج: ہاں! کیوں یاد دلا رہی ہو، ان باتوں کو؟

پدما: وہ اس لیے کہ جے دیو پر بھی حالات کو Sensitive کر کے پیش کرنے کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔ کہیں یہ خدشہ ہی گرہن پر ایک گرہن تو نہیں۔

نٹ راج: ہاں..... ہو سکتا ہے! لیکن جو 'جے' نے دِکھایا ہے وہ سچ ہے! اور جیسے دِکھایا ہے وہ صحیح ہے۔ 'جے' کو فون دو۔ میں سمجھا دوں گا۔

OO

ہم تینوں

سین - ا

(ایک خوبصورت ڈرائنگ روم۔کم۔ ڈریسنگ روم کمرے کے ایک کونے میں رام ناتھ اخبار پڑھ رہا ہے۔اور بار بار اپنی عینک صاف کرتا رہتا ہے۔ڈاکٹر وِجے اور اس کی بیوی ڈاکٹر آشا کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔دونوں جلدی میں ہیں اور باہر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔اور اپنے کاغذات یا فائل یا بیگ وغیرہ اٹھاتے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔اور دادی کو آواز دیے جا رہے ہیں)

آشا: اُف! آج پھر دیر ہوگئی۔

وِجے: اورنہیں تو کیا۔یہ سب تمھاری وجہ سے ہو رہا ہے۔

آشا: میری وجہ سے کیوں۔میں کب کی تیار ہو چکی ہوں۔

وِجے: (قہقہہ) کیا ڈھونڈ رہی ہو۔

آشا: (ہنسی) مل گئی۔

وِجے: کمرے کی چابی نا؟

آشا: ہاں۔لیکن تمھیں کیسے معلوم؟

وِجے: روز ہی تو ایسا ہوتا ہے (قہقہہ) اچھا چلو۔Let us hurry

(رام ناتھ اخبار ہٹا کر بہت ہی غور سے اور نہایت دلچسپی سے دونوں کی باتیں سن رہا ہے۔اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ہے)

وِجے: دادی ماں! دادی ماں!

رام ناتھ: دادی ماں۔دادی ماں۔ہم سے بات کرو۔Grand Son

وِجے: ارے دادا جی۔آپ۔یہاں۔آج سیر پر نہیں گئے؟

رام ناتھ: گئے تھے۔لیکن جلدی واپس لوٹ آئے۔

آشا: کیوں دادا جی۔

رام ناتھ: بہو رانی ایک سوال پوچھ لوں۔

آشا: ہاں، ہاں۔ضرور پوچھ لیں۔

رام ناتھ: تم اپنی دادی کو دادی ماں۔ دادای ماں کہہ کر آوازیں دیتے رہتے ہو۔

آشا: ہاں۔

وِجے: (ہنسی) کیوں دادا جی؟ کیا بات ہے۔

رام ناتھ: بات ہے۔ اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔

آشا: تو پھر پوچھ لیجیے نا۔

رام ناتھ: وہ اگر دادی ماں ہے۔ تو پھر میں دادا باپ کیوں نہیں۔

آشا: (قہقہہ) تو یہ بات ہے۔ ٹھیک ہے اب جب آواز دینی ہو تو دادا باپ ہی کہیں گے۔ (قہقہہ)

رام ناتھ: سچ۔! تو پھر میں چھپ جاؤں۔

آشا: (قہقہے قہقہے) ہاں چھپ جائیے۔ لیکن شام کو۔

رام ناتھ: سچ۔

(دادی کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سب کو قہقہہ لگاتے دیکھ کر پہلے وہ بھی قہقہہ لگاتی ہے۔ مگر پھر اچانک Conscious ہو کر کچھ کچھ سنجیدگی سے اور کچھ کچھ ناراض ہو کر پوچھتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ وہ ناشتہ بھی لگا دیتی ہے۔ جبکہ وِجے آشا جلدی جلدی ٹوسٹ منہ میں ڈالتے ہوئے عجلت میں گھر سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں)

دادی: کیا ہوا۔؟

رام ناتھ: کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا ہے۔

دادی: (غصّے سے) لیکن کچھ تو ہوا ہے۔

آشا: دادای ماں۔ کیا ہے کہ..... (قہقہہ)

وِجے: میں بتا دیتا ہوں۔

رام ناتھ: نہیں نہیں۔ میں بتا دیتا ہوں۔ ہوا یوں کہ ہم۔ ہم سب۔ اپنی ہنسی روک نہیں سکے۔ (قہقہہ)

دادی: ہونہہ۔ ہنسی کوئی گھوڑی ہے جو لگام کھینچ کر روکی جا سکے۔

وِجے: ارے ارے۔ دادای ماں۔ آپ تو ناراض ہو گئیں۔ نانا، نا۔

آشا: دادی ماں آپ جب تک مسکرائیں گی نہیں، ہم ہسپتال نہیں جائیں گے۔

دادی: (بے ساختہ) ارے ہسپتال جائیں تمھارے دشمن۔

رام ناتھ: (قہقہہ، قہقہہ) لو سنو، لو سنو۔ ارے بھاگیہ وان۔ ڈاکٹر ہسپتال نہیں جائیں گے تو کہاں جائیں گے۔ (دادی کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ مسکرا دیتی ہے)

وِجے: That is it۔

آشا: اچھا دادی ماں۔ ہم جا رہے ہیں۔

دادی: لیکن آج کل تو چھٹیاں ہوتی تھیں۔

رام ناتھ: کیسی چھٹیاں۔

دادی: سردیوں کی چھٹیاں۔

رام ناتھ: (قہقہہ) یہ دونوں اسکول کے بچے نہیں ہیں۔ نہ ماسٹر ہیں۔ (قہقہہ)

وِجے: دادی ماں ڈاکٹروں کی چھٹیاں کہاں ہوتی ہیں۔

دادی: (چونک کر) جانتی ہوں۔ تمھارا باپ بھی یہی کہا کرتا تھا۔ (آہ بھرلیتی ہے۔)

آشا: دادی ماں۔ Please (آشا دادی کو Console کرتی ہے جبکہ "باپ" کا لفظ سنتے ہی رام ناتھ بھی چونک پڑتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے)

وِجے: دادی جی۔ دادا جی۔ کہاں کھو گئے؟ آپ کو میری قسم .Please be Cheerful۔

رام ناتھ: وِجے۔!

وِجے: ہاں ہاں۔ کہیے۔ کیا بات ہے۔

رام ناتھ: (بات کاٹ کر) کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ تم لوگ جاؤ...... دیر ہو رہی ہے۔

آشا: (بات کا رُخ بدلنے کی خاطر) دادی جی۔ دادا باپ۔ (رام ناتھ مایوس ہے دادی بھی مایوس ہے)

آشا: یہ لیجیے۔ آج کا اخبار۔

رام ناتھ: (چونک کر) آج کا اخبار؟ پھر یہ کب کا اخبار ہے۔

وِجے: (قہقہہ) ارے دادا جی۔ یہ پچھلے منگل کا اخبار ہے۔ (قہقہہ)

دادی: (ہنسی) اتنا بھی دیکھ نہیں سکے۔ (قہقہہ)

رام ناتھ: (تلخ لہجے میں) اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ ویسے دیکھ لو۔ کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ پچھلے منگل کو دہشت گردوں نے دس لوگوں کو مار ڈالا تھا اور اس منگل کو بھی اتنے ہی لوگ قتل کر دیے گئے ہیں۔ لگتا ہے قیامت کا دن بہت قریب آ رہا ہے۔

دادی: تم کوئی اچھی خبر نہیں سنا سکتے۔

رام ناتھ: اچھی خبر! (قہقہہ) اچھی خبر!! بھئی وہ تلاش کرنی ہوگی۔ ایسا کرو پچھلے تین چار مہینے کی اخباریں لا کر دو۔ ڈھونڈ لیں گے...... اچھی خبر تمھارے لیے...... ایک اچھی خبر......

آشا: دادی جی۔ (قہقہہ) کیا خوب What a sence of humour۔

وِجے: اچھا دادی جی (قہقہہ) .O.K دادا جی، دروازہ بند کر دو ہم جا رہے ہیں۔

دادی: کھلا رہنے دو بیٹا۔ وہ آ رہے ہوں گے۔

آشا: کون۔

دادی: چنوّ اور منوّ۔ (سب قہقہے لگاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وِجے اور آشا چلے جاتے ہیں۔)

سین -۲

(ہسپتال کے کمرے میں آشا اور وِجے باتیں کررہے ہیں)

آشا: جب بھی میری Out Door ہوتی ہے بس یوں لگتا ہے جیسے سارا شہر بیمار ہے۔(وِجے کھانستا ہے)

آشا: اور شاید تم بھی۔(قہقہہ)

وِجے: گلے میں خراش ہے۔آنکھوں میں جلن۔

آشا: وِجے Be careful۔

وِجے: یہ سب تب سے ہے جب سے ہم بار بار Road Blockades میں پھنس جاتے ہیں۔

آشا: یہ Road Blockades کیوں ہوجاتے ہیں۔

وِجے: Because of Population explosion۔ایک تو Blockades اور پھر آگے پیچھے دائیں بائیں دُھواں ہی دُھواں۔لگتا ہے Pollution ہی ہمارا مقدر بن چکا ہے۔(دونوں کھانا کھاتے ہیں۔)

آشا: سنا ہے کل وہ Gang پکڑا گیا ہے جو Old Persons کو Target بنا کر لوٹتے ہیں۔

وِجے: لوٹتے ہی نہیں بلکہ قتل بھی کردیتے ہیں۔Soft Target جو ٹھہرے۔چوروں ڈاکوؤں کی باتیں رہنے دو۔آج کل عام لوگ بھی بوڑھوں کو لوٹتے ہیں۔Emotional وار کرکے۔Sympathy کا نقاب پہن کر۔

آشا: سچ پوچھو تو مجھے دادا دادی کی فکر لگی رہتی ہے۔

وِجے: مجھے بھی۔ہر وقت پریشان رہتا ہوں۔کاش ممی ڈیڈی میری بات مان لیتے۔

آشا: آخر وہ۔دادا دادی کے ساتھ Adjust ہونے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

وِجے: شاید اس لیے کہ وہ چاہتے ہی نہیں ہیں۔

آشا: یہ Generation گیپ ایک کھائی ہے جو باپ کو بیٹے سے الگ کردیتی ہے۔

وِجے: ڈیڈی اور دادی جی کے درمیان Communication Gap ہوجاتا ہے۔آمنے سامنے ہوں تو لگتا ہے سب کچھ ٹھیک ہے۔الگ ہوگئے تو بس ایک دوسرے کے بارے میں Critical ہوتے ہیں۔

آشا: کاش ایسا نہ ہوتا۔دادی Reconcile نہیں کرپارہی ہے۔

وِجے: دادا جی کا بھی یہی حال ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے احساسات اور جذبات کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

آشا: ڈیڈی کو دادا دادی کی یادیں آتی ہوں گی۔

وِجے: بہت، بہت۔بہت یاد آتی ہے۔بہت چاہتے ہیں وہ دونوں کو۔مگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر کھڑے

ہوکر ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہیں، جیسے ندی کے دو کنارے دریا کی موجوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ (وجے Emotional ہو جاتا ہے۔)

آشا: یہ کیا؟ تم بھی؟

وِجے: ہاں، میں بھی۔ جب ہم گھر پر نہیں ہوتے ہیں تو دادا دادی ایک دوسرے کو کوستے رہتے ہیں۔ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اگر دادا جی کے دوست ہمارے گھر آنا بند کردیں گے، تب ان کا کیا ہوگا۔ بہت اکیلے رہ جائیں گے وہ۔

آشا: چنوّ منوّ کی بات کر رہے ہو۔

وِجے: ہاں۔ لیکن تم ان کا ایسے ذکر مت کرو۔ شیام ناتھ اور گوپی ناتھ کہو تو بہتر۔ دونوں اچھے لوگ ہیں۔ شیام ناتھ کا بیٹا شہر کا ڈی سی ہے۔ گوپی ناتھ کا بیٹا انجینئر ہے۔

آشا: وہ ان کے بیٹوں کی پہچان ہے۔ اور وہ دونوں (غصّے سے) Parasites ہیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں سنا سنا کر، اپنی بہو بیٹیوں کی باتیں سنا کر دادا دادی کے زخموں کو ہرا کر دیتے ہیں۔ اپنے گھر میں لگی آگ سے ہمارے گھر کو جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

وِجے: یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ Like a Typical Woman۔

آشا: ہاں، ایک عورت ہی ایسی باتیں سمجھ سکتی ہے۔ میرا بس چلے تو دونوں کو گھر میں گھسنے ہی نہ دوں۔

وِجے: اوہو۔ Take it easy دادا جی کو ان کی کمپنی پسند ہے۔ So it should be O.K. for us

آشا: (بھڑک کر) گھر جل کر خاک ہو جائے اور ہم تماشائی بنے رہیں۔

وِجے: آشا، Try to understand دادا دادی ہم سے اس لیے خوش ہیں کہ ہم دونوں ان کی ہاں میں ہاں مِلاتے ہیں۔ ان کے Ego کو Satisfy کرتے ہیں۔ ان کو بات بات پر یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ جو بھی کرتے ہیں، ٹھیک ہے۔ واجب ہے، تسلّی بخش ہے۔ اور اگر ہم بھی Contradictions کریں۔ تو نتیجہ Confrontations ہوگا۔ یا پھر ڈیڈ لاک یعنی وہی جو ڈیڈی اور دادا جی کا مقدر بن گیا ہے۔ Understand (دونوں تھوڑی دیر کے لیے گہری سوچ میں ڈوب جاتے ہیں اور پھر گھڑی دیکھ کر کمرے کے باہر جاتے ہیں۔)

سین-۳

(دادا اور دادی اپنے ڈرائنگ روم میں گم سم بیٹھے ہیں۔ دونوں مایوس ہیں۔ دادا دیوار پر لگے ایک بندر کی تصویر کو ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا ہے۔ اور دادی معنی خیز نظروں سے دادا (رام ناتھ) کو دیکھ رہی ہے)

دادی: کیا ہوا۔ تم ٹھیک تو ہو۔

دادا: (ہنسی) یہ تصویر دیکھ رہا تھا۔

دادی: کونسی تصویر۔

دادا: بندر کی تصویر۔

دادی: (خوش ہو کر) بیٹے نے وہاں ٹانگ دی ہے۔ اس لیے دیکھ رہے ہو۔

دادا: ہاں! مگر! مگر نہیں۔ (بات کاٹ کر) (ہنسی) میں دیکھ رہا تھا کہ اگر اس بندر کی داڑھی مونچھ صاف کی جائے تو یہ بندر۔ (قہقہہ) ایک انگریز نظر آئے گا۔

دادی: (قہقہہ) (قہقہے کے ساتھ آنسو بہتے ہیں۔) (آنسو کو روک کر) وِجے کو اُس کے ڈیڈی کا خط ملا ہے۔

دادا: (تلخ لہجے میں) اپنے بیٹے کا نام لینا نہیں چاہتی۔

دادی: وہ تمھارا بیٹا ہوگا، میرا نہیں! ہوتا تو میرے پاس رہتا! ماں اگر ڈائن بھی ہو تب بھی بیٹا ماں کی گود میں سر رکھ لیتا ہے۔

دادا: (بات کا رُخ بدلنے کی خاطر) لو۔ لو۔ اچھی خبر مل گئی۔ سنو، سنو۔ وِجے کی دادی!

دادی: (بوکھلا کر) کرشن کی ماں نہیں کہہ سکتے۔

دادا: (تلخ ہنسی) (دونوں چند لمحوں کے لیے خاموش ہوتے ہیں)۔ وہ، وہ۔ اچھی خبر سناؤں۔

دادی: سناؤ۔

دادا: خبر یہ ہے کہ، خبر یہ ہے کہ، کہ، غضب ہو گیا۔

دادی: کیا، کہیں وہ شیام ناتھ۔

دادا: نہیں، نہیں۔

دادی: تو کیا گوپی ناتھ مر گیا؟

دادا: نہیں نہیں۔ دونوں ٹھیک ٹھاک ہیں۔

دادی: پھر!

دادا: خبر یہ ہے کہ کسی گاؤں میں ایک بلی اور کبوتر ایک ساتھ رہتے ہیں۔

دادی: تو کیا ہوا۔ میں سمجھی۔

دادا: اوہو۔ تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ بہت گہری بات ہے۔

دادی: گہری بات ہے؟

دادا: ہاں۔ دیکھو انسان انسان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا ہے۔ بیٹا، باپ کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا۔ بہو ساس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی۔ لیکن ایک بلی ہے جو کبوتر کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے۔ تم چپ کیوں ہو گئی۔

دادی: گہری بات سمجھ گئی ہوں۔

دادا: سمجھ گئی نا۔ (دونوں Emotional ہو جاتے ہیں)

دادا: کاش تم بھی بلّی ہوتی۔

دادی: اور، اور تم کبوتر ہوتے۔ (دونوں ایک بار پھر Emotional ہو جاتے ہیں) (کال بیل کی آواز دونوں کو چونکا دیتی ہے)

(دادی دروازہ کھول دیتی ہے اور گوپی ناتھ کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر کچھ کچھ غصّے کے تاثرات اور کچھ کچھ شرارت کے تاثرات اُبھرتے ہیں۔) گوپی ناتھ دادی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر دادی کے ساتھ نظریں نہیں ملاتا ہے اور آوازیں دیتا ہے)

گوپی ناتھ: ماسٹر جی! ہیڈ ماسٹر جی!!

دادی: (طنزاً) بھائی صاحب۔ آپ اپنی عینک گھر میں بھول آئے ہیں کیا؟

گوپی: نہیں تو بھابی۔

دادی: پھر پہن کیوں نہیں لیتے۔ وِجے کے دادا تو آپ کے سامنے ہیں۔

دادا: (قہقہہ) گوپی! میں یہاں ہوں۔ (قہقہہ)

گوپی: (خوشی سے اُچھل کر) ماسٹر جی۔!

(گوپی ماسٹر جی کو گلے سے لگانے کی کوشش کرتا ہے اور یوں صوفے کے ساتھ ٹکرا کر گر جاتا ہے)

دادا: گوپی، گوپی۔ دیکھ کر چلا کر۔ تم بوڑھے ہو۔ بچے نہیں۔

گوپی: ماسٹر جی، دل اُداس ہو تو اُجالے بھی تاریکیوں کا لبادہ پہن لیتے ہیں۔

دادا: کیوں۔ کیا ہوا۔

دادی: ہوا کیا ہوگا۔ وہی جو روز ہوتا ہے۔ بہو نے دھکّے دے کر گھر سے نکال دیا ہوگا۔

گوپی: (اپنے آنسو روک کر) آپ کو کیسے پتہ چلا۔ سمجھ گیا۔ سمجھ گیا۔ ڈاکیہ نے کہا ہوگا۔ کم بخت کے پیٹ میں بات رہتی ہی کہاں ہے۔

دادی: بس بس۔ بس کرو۔ ڈاکیہ کیوں ہمیں بتا دیتا۔

گوپی: پھر...... پڑوسیوں نے بتا دیا ہوگا۔ وہ ہیں ہی ایسے بدخو، بددماغ، بے ہودہ، نامعقول۔

دادی: پڑوسیوں نے بھی نہیں بتایا۔

گوپی: پھر۔

دادا: گوپی۔ گوپی! ہوش کی باتیں کیا کرو۔ تم خود ہی تو بتاتے رہتے ہو۔

گوپی: بتا کہاں دیتا ہوں۔ اپنے دُکھڑے سناتا رہتا ہوں۔ ہائے ہائے۔ جو ہم پہ گزرتی ہے وہ کسی پر نہ گزرے۔

دادا: گوپی جب تم اُداس ہوتے ہو تو تم اچانک شاعر بن جاتے ہو۔

گوپی: کیا! واقعی! کچھ شعر پیش کروں۔

دادی: رہنے دو۔ بھائی صاحب۔ گلا بھر آیا تو غضب ہوگا۔

دادا: پکوڑے کھائے گا۔

گوپی: ہاں کھالوں گا ماسٹر جی۔ ایک مدت ہوئی پکوڑے کھائے ہوئے۔ (گنگنانے لگتا ہے) ایک مدت ہوئی۔

(دادی چائے اور پکوڑے لاتی ہے اور نہایت تلخ لہجے میں گوپی ناتھ سے پوچھتا چھ کرتی ہے)

دادی: اس عمر میں کیوں لڑتے جھگڑتے ہو۔ کچھ تو شرم کرو۔

گوپی: (ڈرامائی انداز میں) میں کہاں لڑتا ہوں۔ میں کمزور ہوں۔ لاچار ہوں۔ بے بس ہوں۔ اسی لیے ٹھوکریں کھاتا ہوں۔ بھابی نہیں چاہیے ایسی زندگی۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ روز ماسٹر جی کے درشن کرتا ہوں۔ آپ کی پُرسکون زندگی دیکھ لیتا ہوں۔ اور یوں زندگی سے پیار کرنے لگتا ہوں۔ ورنہ جینے کی تمنا نہیں ہے۔

دادا: گوپی! مرنے کا ارادہ ترک کردے۔

گوپی: ٹھیک ہے ماسٹر جی۔ میں وہی کروں گا جو آپ چاہتے ہیں۔

دادا: پکوڑے کھالے۔ چائے پی لے۔ اور جا شیام ناتھ کو اپنے ساتھ لے آ۔

گوپی: نہیں، نہیں۔

دادا: کیوں نہیں۔

گوپی: وہ اکڑتا ہے۔ مجھ پر اپنی افسری کا رُعب ڈالتا ہے۔ تھا نائب تحصیلدار اور ریٹائر ہوتے ہی اپنے آپ کو تحصیلدار کہتا ہے۔ بات بات پر انگریزی بولتا ہے۔ (قہقہہ) باتیں ایسی کرتا ہے جیسے سڑک پر ناچ رہا ہو۔ بلکہ گھومنے والی کرسی پر بیٹھا Dictation دے رہا ہو۔ اسی لیے تو......

دادی: پاگل ہو گیا کیا؟

گوپی: پاگل ہی سمجھو بھابی۔ ہر وقت بڑبڑاتا رہتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے لوگوں کے انٹرویو لیتا رہتا ہے۔ (قہقہہ) بہو بیٹا ٹوکتے ہیں تو چلاّ چلاّ کر محلے کو سر پر اُٹھاتا ہے۔ (قہقہہ) پاگل ہے۔ آپ لوگ اس کو کیسے برداشت کر لیتے ہو۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔

دادی: سارے شہر میں ایک ہی تو اچھا آدمی ہے۔

گوپی: کون، کون؟

دادا: گوپی، اشارہ تمھاری طرف ہے۔

گوپی: شکریہ، شکریہ۔ دراصل ایک اچھا انسان ہی اچھے انسان کو پہچان لیتا ہے۔

دادا: (طنزیہ قہقہہ) جی ہاں، جی ہاں۔

(کال بیل بج اُٹھتی ہے)

دادی: کون......

آواز: It is me — میں ہوں بھابی صاحبہ۔

(شیام ناتھ کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ دادی کے چہرے پر غصّے اور شرارت کے ملے جلے تاثرات)

دادی: (طنزاً) آیئے۔ آیئے۔ بس آپ ہی کی کمی تھی۔

شیام ناتھ: نمسکار، نمسکار۔ کیسے ہیں آپ لوگ۔

دادی: بس پربھو کی مہر ہے۔ آپ ٹھیک ہیں۔

شیام: زندہ ہوں بس یہی تسلی ہے۔ Otherwise life is just a punishment- Alas

(گوپی اور دادا شیام ناتھ کو دیکھ کر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہیں اور مسکراتے ہیں)

(گوپی اپنی ہنسی دبوچ لینا چاہتا ہے)

دادا: گوپی، دل کھول کر قہقہہ لگاؤ۔ ہنسی کو دبوچ لوگے تو بعد میں تلملا جاؤ گے۔

شیام ناتھ: عادت سے مجبور ہے بے چارہ۔ نمسکار، نمسکار۔ ہیڈ ماسٹر صاحب ...... How are you?

How is life? Do you get letters and drafts from your son?

دادا: شیام ناتھ۔ ایک ہی سانس میں اتنے سوال پوچھ لوگے تو ہچکی آ جائے گی۔

گوپی: اور نہیں تو کیا۔

شیام: (غصّے سے) تم کیوں بول پڑے۔ Why do you pock your nose

گوپی: چپ انگریز کا رُعب ڈال رہا ہے۔ ہونہہ۔

دادا: گوپی۔

گوپی: ماسٹر جی...... ہینڈ ماسٹر جی۔ اس سے پوچھ لو۔ اتنی تیز زبان چلا سکتا ہے تو گھر میں بولتی بند کیوں ہو جاتی ہے۔

شیام: Shutup

(دادی جو کمرے سے باہر گئی تھی چائے لے کر کمرے میں لوٹ آتی ہے)

دادی: چائے، چائے۔ (دونوں شیام ناتھ اور گوپی خاموش ہو جاتے ہیں)

دادی: پکوڑے لاؤں۔

گوپی: ہاں۔

شیام: (قہقہہ) جنم جنم کا بھوکا ہے۔ جب میرا پی اے تھا فائلیں کھاتا تھا۔

گوپی: کیا کہا۔ پی اے؟ ارے پاگل نائب تحصیلدار اور ریٹائرڈ...... میں ڈی سی کا پی اے تھا۔ اور تم ہمارے ماتحت کام کرتے تھے۔

شیام: ہیڈ ماسٹر صاحب۔ اس کا کروچ کو روکیں۔ ورنہ۔

گوپی: ورنہ کیا۔ ورنہ کیا کرو گے۔ یہ میرے دوست کا گھر ہے۔ ہاتھ لگا کر تو دیکھ لو۔

شیام ناتھ: ہیڈ ماسٹر صاحب۔ آپ خاموشی سے تماشہ کیوں دیکھ رہے ہیں۔

دادا: کیا کروں۔ Cross Firing ہو رہی ہے۔ اور کیا کر سکتا ہوں۔

شیام: چلو کچھ نا کریں۔ بس ایک سوال کا جواب دیں۔ آپ جیسے Intellectual آدمی ایسے بے ہودہ شخص کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ یہ شخص نہ گھر کا ہے نہ گھاٹ کا ہے۔ He is dhobi's dog

(گوپی ناتھ بار بار شیام ناتھ کی بات کاٹنا چاہتا ہے مگر دادا جی کی ہدایات پر ہر بار اپنے غصّے پر قابو پا کر شیام ناتھ کو ایسے دیکھتا رہتا ہے جیسے بلّی چوہے کو دیکھ رہی ہو)

شیام ناتھ: نہ بیٹے کے ساتھ چین سے رہتا ہے اور نہ بیٹی کے ساتھ سکون سے رہ سکتا ہے۔ بس دونوں کو Frustrate کرتا ہے۔ جو اپنے بچوں کا نہ ہو سکا آپ کا کیسے ہو سکتا ہے۔

گوپی: (غصّے میں چلّا چلّا کر) اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ شامو! ساری دنیا جانتی ہے کہ تم صبح شام اپنے اکلوتے بیٹے سے لڑتے ہو۔ تمھاری بہو تمھیں کوستی رہتی ہے۔ گھر میں کوئی تمھاری عزّت نہیں کرتا ہے۔

شیام: Shutup۔ بہت برداشت کر چکا ہوں۔ سر سے اوپر پانی جا چکا ہے۔ ہیڈ ماسٹر جی کا لحاظ کرتا ہوں ورنہ I Would Shoot you. You are a devil . You are an idot بول۔ بول کس نے کہا ہے تم سے۔ یہ سب۔ بول، بول۔

دادا: شیام ناتھ۔ شیام ناتھ غصّے کو پی جاؤ۔ غصّے کو پی جاؤ۔

دادی: ورنہ یہ پانی کا جگ پی جاؤ۔ ہاں ہاں پی جاؤ۔

شیام: بھابی صاحبہ۔ آپ بھی۔

گوپی: (قہقہہ) ہاں، ہاں، پی جاؤ۔ اور کوئی راستہ نہیں بچاؤ کا (قہقہہ)

شیام: خاموش۔ I Will kill you لیکن پہلے یہ بتا دو کہ کس نے تمھیں میرے گھر کے بارے میں یہ سب بتا دیا ہے۔ Tell me or else I will pull your tongue.

دادی: بھائی صاحب۔ کون بتا دے گا۔ آپ خود ہی تو بتاتے رہتے ہیں۔ صبح و شام۔

شیام: What? Me! No- Never

دادا: شیام ناتھ Yes. yes you

گوپی: شامو:

دادا: (غصّے سے) گوپی!

گوپی: آپ نے مجھے ڈانٹا۔ ہیڈ ماسٹر پنڈت رام ناتھ صاحب جی۔ آپ سے ایسی اُمید نہ تھی۔ افسوس، افسوس، افسوس۔ میں جا رہا ہوں۔ آواز بھی دو۔ میں ہرگز نہیں آؤں گا۔ (گوپی بوکھلا کر نہایت Emotional انداز میں چلا جاتا ہے)

(دادا۔ دادی اور شیام ناتھ گوپی ناتھ کو دیکھتے رہتے ہیں)

دادی: بھائی صاحب!

شیام ناتھ: ہاں بھائی صاحب۔ اچھا ہوا جو آپ نے اس Badman کو پہچان لیا۔

دادا: گوپی اچھا آدمی ہے۔

شیام ناتھ: کیسے؟

دادی: تو کیا آپ بھی ناراض ہو کر جا رہے ہیں۔

شیام ناتھ: yes, yes اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ Good Bye مسٹر رام ناتھ ریٹائرڈ اسکول ماسٹر۔ افسوس کہ آپ نے ایک ریٹائرڈ تحصیلدار کو فقط ایک معمولی کلرک کی خاطر Secrifice کیا۔

What a sad affair I am lost.

My God! I have been ditched. I am going.

دادا: شیام ناتھ: (غصّے سے) شیام ناتھ۔

دادی: پلٹ کر مت دیکھو بھائی صاحب۔ اب اس کمرے میں بہت ہی گرم ہوائیں چلنے کا امکان ہے۔

(دادی شیام ناتھ کے جاتے ہی دروازہ بند کر دیتی ہے)

سین-4

وِجے کے کمرے میں شیام ناتھ کا بیٹا ہے۔ اور دونوں بہت ہی سنجیدہ گفتگو کر رہے ہیں۔

وِجے: آپ نے خود تکلیف کیوں کی۔ آپ فون کر دیتے۔

ڈی سی: نہیں، وہ کیا ہے۔ پاپا کچھ زیادہ ہی Tempermental ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم لوگ ان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ ان کو Neglect کرتے ہیں۔

وِجے: لیکن وہ یہاں نہیں آئے ہیں۔

ڈی سی: پھر کہاں گئے ہوں گے۔ گھر میں کہہ گئے ہیں کہ Checkup کے لیے ڈاکٹر وِجے کے پاس جا رہا ہوں۔ خیر۔

وِجے: Have a cup of tea.

ڈی سی: No thanks. ویسے ڈاکٹر وِجے آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کے دادا جی Problematic نہیں ہیں۔ پاپا تو بس ہم میں کیڑے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی میری غیر موجودگی میں میرے Staff کو بھی Humilate کرتے ہیں۔ کیا کریں۔ I feel helpless۔ خیر، اگر آپ کے گھر ہوں تو Please فون کر دینا۔ I am worried۔

وِجے: ہاں ہاں۔ میں فون کروں گا۔

(ڈی سی چلا جاتا ہے تو آشا کمرے میں داخل ہوتی ہے)

آشا: میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ پانچ بج گئے ہیں۔ دادا جی پریشان ہوں گے۔ کہو تو

کافی پی کر جائیں۔ کیوں کیا ہوا۔ آپ کہاں کھو گئے ہو؟

وِجے: سوچ رہا تھا کہ یہ دنیا کس قدر نرالی ہے۔ رنگ برنگی ہے۔

آشا: کیا ہوا؟ (کافی بناتی ہے)

وِجے: شیام ناتھ جی کے بیٹے تھے۔

آشا: ڈی سی صاحب نا۔ میں نے پہچان لیا تھا۔

وجے: اپنے پاپا کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

آشا: کیوں۔

وِجے: گھر سے روٹھ کر نکلے ہوں گے۔ بتا کے گئے ہیں کہ ہسپتال جا رہا ہوں۔

آشا: اور پہنچ گئے ہوں گے (ہنسی) As usual

وِجے: ہاں ویسا ہی لگتا ہے۔

آشا: آج گوپی ناتھ کی بہو بھی ہسپتال آئی تھی۔

وِجے: علاج کروانے یا۔

آشا: آپ کا اندازہ صحیح ہے۔ بس گھنٹہ بھر مجھے اپنی رام کہانی سناتی رہی۔ (قہقہہ)

وِجے: کیا ہوا۔

آشا: ایک مزیدار بات سناؤں گی۔ اپنے گوپی ناتھ جی اپنے چھ سالہ پوتے کو Dictation دیتے ہیں۔

وِجے: (کافی کا Sip لے کر) وہ اچھی بات ہے۔

آشا: (قہقہہ) ہاں ہے تو اچھی بات مگر جانتے ہو کیا لکھاتے ہیں۔

To Deputy Commissioner good kindly refer to the office. Letters. dated. (قہقہہ)

وِجے: ایسے لوگ قابل رحم ہوتے ہیں۔ قابلِ مذاق نہیں۔ گوپی ناتھ نے عمر بھی ڈی سی کے Dictation لیے ہیں۔ اب Sub- Conscious Mind میں چھپی۔ ڈی سی بن جانے کی خواہش پوری کر رہا ہوگا۔ اسی کو تو Catharsis کہتے ہیں۔ اچھا یہ بتا دو۔ کہیں وہ بھی تو نہیں گھر سے روٹھ کے نکلا ہے۔

آشا: (قہقہہ، قہقہہ) ہاں ہاں۔

دونوں: As usual (قہقہے)

(دونوں اپنا سامان اٹھا کر کمرے کے باہر چلے جاتے ہیں)

سین - ۵

(دادی ڈرائنگ روم میں اکیلی بیٹھی ہے۔ وِجے اور آشا کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔)

وِ جے: دادی ماں۔کیسی ہیں آپ؟

آ شا: دادی ماں۔آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہیں۔

دادی: اور کیا کروں۔

وِ جے: کیوں دادا جی کہاں گئے؟

دادی: بیٹا، آج کا دن ہی منحوس تھا۔آدھا دن شیام ناتھ اور گوپی ناتھ کی لڑائی میں گزر گیا اور آدھا دن اپنی پریشانی میں۔

وِ جے: کیوں کیا ہوا؟

آ شا: دادا جی ٹھیک تو ہیں نا؟

دادی: ان کی وجہ سے ہی تو پریشان ہوں۔

آ شا: کیوں؟

وِ جے: دادی ماں، ڈیڈی کا خط آیا ہے کیا؟

دادی: ہاں، خط میں کیا لکھا تھا یہ بتایا نہیں۔ہاں وہ جو ڈرافٹ کرشن نے بھیجا تھا وہ پھاڑ کر چلے گئے۔ کہاں۔بتا کے نہیں گئے۔

وِ جے: جس بات کا ڈر تھا وہی ہو گیا۔

آ شا: مجھے بھی بتا دو۔آخر بات کیا ہے۔

وِ جے: میرے منع کرنے کے باوجود ڈیڈی نے دادا جی کو ڈرافٹ بھیجا ہے۔

آ شا: اس میں حرج ہی کیا ہے۔کیا بُرا کیا ہے انھوں نے۔

وِ جے: دادا جی سمجھ رہے ہیں کہ ڈیڈی ان کو Compensate کر رہے ہیں۔

دادی: میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔جاؤ اپنے دادا جی کو ڈھونڈ کر لاؤ۔

وِ جے: دادی جی آپ فکر نا کریں۔میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہوں گے۔

آ شا: کہاں ہوں گے؟

وِ جے: وردھ آشرم میں گئے ہوں گے۔پچھلی بار میں وہیں سے لایا تھا۔

دادی: وردھ آشرم میں؟

(دادی بہت زیادہ دکھی اور Humilate ہو کر رو پڑتی ہے)

دادی: یہ سب کرشن کی وجہ سے ہوا ہے۔کیسا بیٹا ہے وہ! اتنا بھی نہیں سوچتا کہ ہم پر کیا گزر رہی ہوگی۔ ایک تو ہزاروں میل کی دوری......اور پھر یہ ستم۔(وِجے اور آشا دادی کو تسلیاں دے رہے ہیں)

دادی: تمھارے دادا بھی تو سیدھے انسان نہیں ہیں مجھے سمجھاتے رہتے ہیں اور خود......اُف، کیسا باپ ہے وہ! اتنا بھی نہیں سوچا کہ تم لوگوں پر کیا گزرے گی۔اُف، یہ کیا ہو گیا؟

آ شا: دادی ماں آپ پریشان نا ہوں۔

وِجے: آشا تم دادی ماں کا خیال رکھو۔ میں دادا جی کو لے آتا ہوں۔

(وِجے نہایت Panic میں نکل پڑتا ہے آشا دادی کو دلاسہ دے رہی ہے)

سین ۔ ٦

ایک بہت بڑے کمرے کے ایک کونے میں تین بوڑھے بیٹھے ہیں۔ دادا جی۔ شیام ناتھ اور گوپی ناتھ۔ وہ باتیں کررہے ہیں۔ وِجے ان کو دیکھ لیتا ہے مگر وہ اس کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ وِجے دروازے کے قریب کھڑا ہو کر ان کی باتیں غور سے سن رہا ہے۔ اور نہایت تذبذب میں ہے۔

دادا: یہ لڑنے جھگڑنے کا وقت نہیں ہے۔

شیام ناتھ: Correct I agree with you.

دادا: آپسی جھگڑے ختم کر کے ہمیں ایک ہو کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

گوپی: کیوں۔ ملک خطرے میں ہے کیا؟

شیام ناتھ: نہیں بے وقوف۔ ہم تینوں خطرے میں ہیں۔

دادا: لفظ، بے وقوف کا استعمال غلط ہے۔ غلطی ہوگئی۔

گوپی: تم سے کہہ رہے ہیں شامو۔

دادا: شامو! یہ بھی غلطی ہے۔ خیر غور سے سن لو۔

(شیام ناتھ اور گوپی ناتھ دونوں بہت ہی غور سے دادا کی باتیں سن رہے تھے)

دادا: ہم تینوں زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔

شیام ناتھ: گوپی ناتھ۔ درست۔

دادا: اپنی ہی اولاد کے پیدا کردہ حالات کے شکار ہیں۔

شیام ناتھ: It is all correct. I am convinced. No more evidence is needed.

دادا: اب میری دُکھ بھری کہانی سن لو۔ بیٹے کو ڈاکٹر بنایا۔ جانتے ہو کیسے؟ چھ چھ Shifts میں بچّوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ وہ ایک خواب تھا۔ پورا ہو گیا۔ مگر اب تمنا تھی کہ وہ میرے بُڑھاپے کا ساتھی بن جائے۔ بن گیا زن مرید۔

گوپی: زن مرید کیا ہوتا ہے؟

شیام: بیوی کا غلام۔

گوپی: یعنی کہانی وہی ہے جو میری داستان ہے۔ کھیتی میں نے لگائی اور فصل اور کوئی کھا رہا ہے۔ بیٹے کو ڈاکٹر بنایا، عیش کر رہی ہے میری بہو۔ بیٹی کو وکیل بنایا، عیش کر رہا ہے میرا داماد۔ اور میں سڑک کا پتھر ہوں۔ دونوں ٹھوکریں مار رہے ہیں۔

شیام: ٹھوکریں! بالکل صحیح لفظ استعمال کیا ہے تم نے گوپو..... گوپی ناتھ۔ I am impressed۔ I۔

گوپی: (شیام ناتھ کے ماتھے کو چوم کر) بات تمھاری سمجھ میں آ تو جاتی ہے، مگر دیر سے۔

شیام: Let me complete۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ مجھے بھی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ ہائے کوئی نہیں ہے میرا اس جہاں میں۔

دادا: گویا ہم تینوں کا ایک ہی حال ہے۔

گوپی: بے شک۔

شیام: Of course. Of course۔ لیکن ایک فرق ہے۔

دادا: وہ کیا؟

شیام: میرا بیٹا بہت Intelligent ہے۔
Through out first class first. Like father like son.

گوپی: میرا بیٹا ایک بہت بڑا انجینئر ہے۔ فارن سے نوکری کی آفرز آ رہی ہیں۔

دادا: تو کیا ہوا۔ میرا بیٹا پچھلے چار سال سے نیویارک میں ہے۔

شیام: ہمارے پڑوس میں ایک Cook رہتا ہے۔ کسی ہوٹل میں کام کرتا ہے۔ سنا ہے آج کل امریکہ میں ہے Cook!

دادا: کیا مطلب؟

گوپی: (غصّے سے) شاموتم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ میرے بیٹے کے پاس دو کاریں ہیں۔ ایک اپنی، ایک سرکاری۔

دادا: آج کل بوٹ پالش کرنے والے بھی کاریں خرید رہے ہیں۔

گوپی: تو کیا۔ تو کیا۔ آپ... تم... تم... میرے بارے میں یہ رائے رکھتے ہو۔ شرم آنی چاہیے تمھیں۔

دادا: تمیز...... تمیز۔ آپ سے تم پر آ گئے۔

شیام: اور نہیں تو کیا کہے گا۔ تم نے بات ہی ایسی کی ہے رامو۔

دادا: ارے او۔ دل بدلو۔ اب گوپی کے وفادار بن گئے۔

(وِجے یہ سن کر فوراً کمرے کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تینوں وِجے کو دیکھ کر چونک پڑتے ہیں۔ اور خاموش ہو جاتے ہیں)

وِجے: یہ کیا دادا جی۔ آپ بھی۔

دادا: وِجے، چلو گھر چلیں۔

وِجے: ہاں، چلو انکل۔ شیام ناتھ، انکل سنا ہے آپ بھی گھر سے ناراض ہو کر نکلے ہیں۔

شیام ناتھ: یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔

وِجے: گوپی ناتھ انکل آپ کا بھی ذاتی معاملہ ہوگا، ہے نا۔

گوپی ناتھ: یقیناً۔ اور سنو، آگے کچھ مت کہنا۔ میرے بیٹے یا بیٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے بُرا

کوئی نہیں ہوگا۔

شیام: Same here understand Dr. Vijay.

وِجے: (قہقہہ) .Very Good Very Good سچ پوچھیے تو میں آپ سے آپ کے گھر کے بارے میں کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا ہوں۔ لیکن صرف ایک سوال کا جواب دیں۔ پہلے آپ تینوں اپنے نالائق بیٹوں کی وجہ سے ایک ہوگئے تھے۔ اور اب آپ تینوں اپنے لائق بیٹوں کی وجہ سے الگ ہورہے ہیں۔ برسوں کے رشتوں ناطوں کو مسل کر۔ ہے نا؟ لگتا ہے آپ شطرنج کھیل رہے تھے۔ پہلے نالائق بیٹے میرے تھے اور اب لائق بیٹے میرے ہیں۔ اب مجھے بتایئے وہ لائق ہیں یا نالائق۔ آپ میرے سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے۔ کیونکہ آپ خود نہیں جانتے کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے۔ آپ تینوں اپنے بچوّں سے پیار کرتے ہیں۔ وہ بھی آپ سے پیار کرتے ہیں۔ کرتے ہیں نا؟ (تینوں ہاں میں سر ہلاتے ہیں)

وِجے: ایسا ہے تو پھر یہ دوری کیوں؟ آپ کے اور آپ کی اولاد کے درمیان کوئی کھائی یا دراڑ نہیں ہے۔ صرف غلط فہمی کی دھند ہے۔ آپ اچھے ہیں تو اولاد بُری کیسے ہوسکتی ہے۔ باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے عکس ہوتے ہیں۔ ہوتے ہیں نا؟

شیام ناتھ: بہت گہری بات کی ہے وِجے بیٹا۔ گوپی، تم کچھ سمجھے یا نہیں۔

گوپی ناتھ: میں سب سمجھ گیا۔

دادا: تو کیا میں ناسمجھ ہوں۔

وِجے: نہیں، آپ بہت سمجھ دار ہیں۔ چلیے گھر چلتے ہیں۔

گوپی: ہاں، ہاں چلو۔ چائے آپ کے گھر میں ہی پی لیں گے۔

شیام: اور پکوڑے بھی کھالیں گے۔

وِجے: آپ میرے ساتھ نہیں آرہے ہیں۔

گوپی: اور میں؟

وجے: آپ بھی نہیں۔ اپنے اپنے گھر جائیں گے آپ تینوں۔

دادا: ہاں! اپنے اپنے گھر جائیں گے ہم تینوں۔ (قہقہہ)

قہقہے...... قہقہے...... قہقہے

OO

قہر

[اپنی پیاری بیٹی آشا (مرحومہ) کے نام جو ۳رفروری ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئی تھی]

اہم کردار

(۱) ڈاکٹر وِجے
(۲) آشا: وِجے کی بیوی
(۳) پوشی: اِس نوجوان جوڑے کی لاڈلی بیٹی
(۴) لکشمی: ایک خوبصورت مگر میلی کچیلی نوکرانی
(۵) نارائن: لکشمی کا شرابی شوہر
(۶) ایک آدمی جو نارائن کا ساتھی ہے
(۷) چار بچے: عمر نو، سات، پانچ اور تین

بیرونی لوکیشن: ایک دریا کے کنارے پر آباد ایک شہر

سین - ۱

(ایک بیڈروم۔ پلنگ پر 'وجے' بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے۔ نہایت رُومانی انداز میں اپنی بیوی 'آشا' سے باتیں کر رہا ہے۔ پلنگ پر اس کے ساتھ ان کی بیٹی 'پوشی' سو رہی ہے جبکہ آشا ایک نائٹ گاؤن پہن کر بار بار اپنے کھلے بالوں کے مچل کر آگے آنے پر قابو کرنے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ وجے اُس کی کوشش پر نثار ہونے کا تاثر دے رہا ہے۔ پس منظر میں مدھم موسیقی۔ آشا اُٹھنے کی کوشش کرتی ہے تو وجے اُس کا ہاتھ تھام کر جانے نہیں دے رہا ہے)

وِجے: ایک اور پیالی پینے کو جی چاہتا ہے۔

آشا: (پیار بھرے لہجے میں) تین کپ پی چکے ہیں آپ!

وِجے: (ترنم میں) صبح کا وقت ہو۔

آشا: تو......؟

وِجے: تو نہیں......اور۔ (ترنم میں) ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہو۔ عاشق معشوقہ کی آنکھوں میں، جھانک کر، اپنے پیار کی گہرائیوں میں، ڈبکیاں لگا کر، تشنگی محسوس کر رہا ہو۔

آشا: (ہنسی کے ساتھ ترنم میں) چائے کا کپ مانگ رہا ہو۔

وِجے: چائے تو ایک بہانہ ہے۔ مطالبہ کچھ اور ہے۔ پاس بیٹھی رہو تو دل بہل جائے گا۔ اُبلتے ہوئے

چشمے کا پانی چھلک کر باہر آ جائے گا۔

آشا: لکشمی چائے دینے آتی ہے تو چائے کڑوی دوائی کی طرح پی جاتے ہو! لگتا ہے (شریر نگاہوں سے وِجے کو دیکھ کر) ارادے نیک نہیں ہیں۔ (پیار سے) اُٹھو...... اُٹھو۔ اسپتال جانے کی تیاری کرو۔ مجھے بہت کام کرنا ہے۔ آج لکشمی بھی نہیں آئی۔

وِجے: اسپتال جانے کا ارادہ نہ ہو تو؟

آشا: پوشی جاگ پڑی تو......؟ (قہقہہ) آپ کے مطالبے میں لوجک نہیں ہے۔

(وجے اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا سکتا ہے اس لیے منہ سے چائے ایک فوارے کی طرح باہر آ جاتی ہے اور آشا کے گاؤن پر گر جاتی ہے)

وِجے: یہ لفظ لوجک بھی ایسے ہی تمھارے منہ سے بے قابو ہو کر۔ (ہنسی پر مشکلاً پا کر) نکل جاتا ہے۔

آشا: (ناراض ہو کر) یہ طعنہ ہے یا تفریح کی کوشش ہے؟

وِجے: تمھاری ہی بات دہراتا ہوں۔

If 'A' is not 'B' then 'B' can't be 'A'.

آشا: خوشبو اگر بدبو نہیں ہو سکتی تو بدبو بھی خوشبو نہیں ہو سکتی۔ That is logic۔ بدصورتی اگر خوبصورتی نہیں ہے۔

وِجے: (بات کاٹ کر) تو خوبصورتی بدصورتی نہیں ہو سکتی۔ (قہقہہ) آشا! ایک یونانی مفکر نے کہا ہے کہ بھگوان نے دنیا اور دُنیا کی ہر چیز بے جان یا جان دار چیز جیومیٹری کی مدد سے بنائی ہے۔ لیکن یہ لوجک ہم نے خود بنا ڈالا ہے۔ اپنی مرضی سے اپنی ضروریات کو ذہن میں رکھ کر۔ میاں بیوی کے رشتوں میں لوجک کا دخل نہیں ہے۔ جذبات منطق پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

(رومانٹک انداز میں)

لوجک کے معاملات میں عقل کو رکھ شریکِ کار

دلوں کے احساسات میں دل کو ہی رکھ شریکِ کار

آشا: اگر ایسا ہے تو لکشمی جو کہہ رہی ہے وہ غلط ہے! اور جو اُس کا بیمار پتی کہتا رہتا ہے، وہ صحیح ہے!

وِجے: وہ بھی کیا۔ (ناراضگی کے جذبے کے ساتھ) بیوی کو میری طرح جذبات کی رو میں بہہ کر۔ قریب قریب رہنا چاہتا ہے۔

آشا: لوجک کو نظر انداز کر کے۔ چند لمحات کی خوشی کی خاطر زندگی کے اَنگِنت غم کے لمحات کو جنم دیتا ہے۔ چار بچّے پیدا کر چکا ہے اور پانچواں لکشمی کے پیٹ میں۔

وِجے: (غصّے سے لحاف پھینک کر) مجھے بچّے پیدا کرنے کی بیماری نہیں ہے۔

آشا: اُس کی بیماری کا نام غربت ہے۔ اور (سنجیدہ ہو کر) جو لوجک کی ایک Explaination ہے۔ شاید وہ بھی بارش کے سہانے ماحول کی شکار ہو چکی ہو گی۔ اور اب تک نہیں آ سکی ہو گی۔ (بڑبڑا

کر) آپ بھی تو اسپتال نہیں جا رہے ہو غالباً؟

وِجے: نہیں! ڈیوٹی پر جانے پر ذی ہوش انسان کی Priority ہونی چاہیے۔ (بڑبڑا کر) یہی تو یہ اَن پڑھ لوگ سمجھتے ہیں۔

آشا: ہاں! وہ تو ہے! لیکن (سوچ میں ڈوب کر) لکشمی اگر اَن پڑھ ہے تو...... دھارمک کتھائیں، جو بات سے بات جوڑ کر سناتی رہتی ہے۔ وہ...... کیا سن کر سمجھتی ہے۔ یا پڑھ کر سناتی رہتی ہے۔ (لکشمی کے بارے میں سوچ رہی آشا بڑبڑاتی رہتی ہے اور پلنگ کی چادر کی سلوٹیں درست کر رہی ہے)

Cut To

سین - ۲

(ایک خستہ حال کمرے کے دروازے پر نارائن لکشمی کو دروازے سے باہر جانے سے روک کر زبردستی اپنے سینے سے لگانے کی وحشیانہ کوشش کر رہا ہے)

نارائن: کتھائیں سنانے کی بجائے ایک بیوی کا فرض تو نبھالو۔ بیوی!

لکشمی: کام کاج کرتے نہیں! دن بھر نعرے لگاتے رہتے ہو۔ اور شراب پیتے رہتے ہو؟ مجھے کام پر جانے دو! (غصے سے) کیسے نارائن ہو تم!

نارائن: (نشے میں چوُر چوُر ہو کر) جس کی تم کتھائیں سناتی رہتی ہو۔

لکشمی: (نارائن کی گرفت سے مشکلاً آزاد ہو کر) وہ بھگوان ہیں! ہر جاندار کو کھلاتے ہیں اور تم اپنے بچوں کو بھی کھلا پلا نہیں سکتے۔ تمھارے نعرے، کھوکھلے نعرے، تمھیں شراب دِلا کر تمھارے ہوش و حواس چھین کر تمھیں تمھاری ذمّے داریوں سے آزاد کرا دیتے ہیں۔ لیکن مجھے میری ممتا اپنی ذمّے داریوں سے آزادی نہیں دلا سکتی۔ مجھے جانے دو، ورنہ میرے بچّے بھوکے رہیں گے! وہ بچّے جو تمھاری جنسی بھوک کی پیداوار ہیں (چلا کر) بھوکے رہیں گے!

نارائن: (گرج کر) اس ملک میں کوئی بھوکا نہیں رہے گا۔ نہ امیر رہیں گے اور نہ کہیں کاخِ امرا نظر آئیں گے۔ (قہقہہ) تم کیا مجھے بے وقوف سمجھ رہی ہو؟ نوکری کو ٹھوکر مار کر۔ میں! میں اپنی یونین کا سب سے بڑا لیڈر بن گیا ہوں! ہماری تحریک رنگ لا رہی ہے۔ بلکہ لا چکی ہے۔ دیکھتی رہو۔ کیا سے کیا ہو کر رہ جائے گا۔ سب! سب!! سارے ملک میں ہڑتال، ورنہ دنگے فساد ہوں گے۔ (فاتحانہ قہقہہ) پھر حکومت ہماری ہوگی۔ یعنی ہم اپنا حق لے کر رہیں گے۔ اور دو ہزار کی نوکری کو چھوڑ دینے والا، تمھارا پتی۔ بلکہ نوکری کو ٹھوکر مارنے والا یہ نارائن، ایک منسٹر بن جائے گا۔ ملک کے غریبوں کا مسیحا! بس صبح کا انتظار کرتی رہو جو کبھی تو آئے گی۔

لکشمی: (غصے سے) پہلے اپنے گھر کا مسیحا بن کر تو دکھا دو!

(ایک کار رُک جاتی ہے اور ایک آدمی کار سے اُتر کر رین کوٹ پہن کر چل پڑتا ہے)

(نارائن لکشمی کے بال کھینچ کر دبوچنے کی کوشش کرتا ہے اور جونہی اُس پر قابو پالیتا ہے ایک آدمی رین کوٹ پہن کر کمرے میں داخل ہو جاتا ہے)

آدمی: یہ کیا کر رہے ہو نارائن؟ اپنا کام کرنا بھول گئے کیا؟

لکشمی: (نارائن سے الگ ہو کر) اچھا ہوا جو تم اس وقت آ گئے۔ ورنہ (بے ساختہ روتے ہوئے) کل یُگ میں یدھشٹر ہی درو پدی کو ننگا کرنے والا تھا...... وہ بھی اپنے ہی بچوں کے۔

آدمی: بھابھی۔ ہم اوروں کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا دینے والے لوگ ہیں...... اچھا ہوا جو اپنوں کے کام آ گئے! (ہنسی)

(بچّے جاگ پڑتے ہیں) نارائن چلو۔ کسی نے میری کار دیکھ لی تو......

نارائن: (کرید کر) تم اس وقت۔ یہاں؟ سمجھا، کہیں جانا ہے۔

آدمی: (لکشمی سے مخاطب ہو کر) تم کہاں جا رہی ہو؟ بچّے اکیلے ہیں۔

لکشمی: کام پر جا رہی ہوں۔ روز ان کو اکیلا چھوڑ کر جاتی ہوں۔

آدمی: کہاں؟

نارائن: ڈاکٹر وِجے کے گھر۔ (طنزاً) ان کی لاڈلی بیٹی کی خاطر اپنے چار بچوں کو بھگوان کے سہارے چھوڑ کر۔ اُس کی گھر والی کالج میں پڑھاتی ہے اور اُن کی لاڈلی بیٹی کی رکھوالی کرنے...... ساتھ میں گھر کی بھی۔

آدمی: (طنزاً) گویا جو کام پالتو کتّے کرتے ہیں۔ (طنزاً مسکراتے ہوئے) بھگوان کی لیلا؟ نیلا، پیلا کیسے ہو سکتا ہے؟ (قہقہہ) بھابھی! تم کیسی ماں ہو؟ دوسرے کے بچّے کی پرورش کی خاطر اپنے بچوں کی جڑیں کاٹ رہی ہو۔

نارائن: ایسی ہی عورتیں ہماری جدوجہد کو کمزور کر رہی ہیں۔

آدمی: (غصّے سے) آج تم وہاں نہیں جا سکتی۔ بارش ہو رہی ہے۔ سیلاب آ جائے تو یہ سارا علاقہ ڈوب جائے گا! ان حالات میں...... تم ان بچوں کو کن کے سہارے چھوڑ کر جا رہی ہو؟

لکشمی: (بوکھلا کر) اپنے باپ کے سہارے! (غصّے سے) گھر میں بیٹھ جائے تو......!

آدمی: واہ بھابھی! واہ! حیران ہوں کہ ایک شیر کی شیرنی ایسی باتیں کر رہی ہے۔ ہمارے بے غرض لیڈر کے پاؤں میں خود غرضی کی بیڑیاں ڈال رہی ہو۔

لکشمی: (بوکھلا کر) کام نہیں کروں گی تو چولھا کیسے جلاؤں گی۔ تمھارے بے غرض لیڈر جب نوکری کرتے تھے تب میں گھر سے باہر بھی نہیں جایا کرتی تھی۔ پوچھ لو؟ بھاگوت پڑھا کرتی تھی!

(آدمی لکشمی کی باتوں کو نظر انداز کر کے نارائن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نہایت سنجیدگی سے باتیں

کرتا ہوانظر آتا ہے۔)

(لکشمی ان کے قریب جا کران کی گفتگو کا آخری حصہ سن لیتی ہے)

آدمی: (دھیمے لہجے میں) بجلی اور واٹر سپلائی تو ہمیں فوری طور پر متاثر کرنی ہیں۔

نارائن: ایسا کریں گے تو ہاہا کار مچ جائے گا۔ تب جب نہر کا پانی بے قابو ہو جائے گا اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ (فاتحانہ قہقہہ) سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ میرے ہاتھ میں میرے افسر کی موٹی گردن ہوگی۔ سالا سیب جیسا میٹھا پھل کھا کر مجھ سے کڑوی باتیں کیا کرتا تھا۔ اگر نہر ٹوٹ گئی تو؟ سالے کی اب کمر ٹوٹ جائے گی۔

(آدمی اپنے ساتھ لایا ہوا رین کوٹ اور ربر کے Long Boots دیتا ہے اور دونوں کمرے سے نکل جاتے ہیں جبکہ لکشمی گویا سکتے میں آجاتی ہے۔ بچوں کے رونے کی آوازیں سن کر وہ Hystarically چیخ پڑتی ہے)

سین - ۳

(زبردست بارش کا ایک منظر۔ پس منظر میں گرج رہے، بادلوں کی ڈراؤنی آواز)

سین - ۴

(ڈاکٹر وِجے اپنے اسپتال کے کیبن میں فون پر باتیں کر رہا ہے)

وِجے: اسپتال میں بہت زیادہ انتظامات تو نہیں ہیں۔ ہاں فرسٹ ایڈ...... مگر آپریشن وغیرہ نہیں ہو پائے گا۔ ٹھیک ہے ڈی سی صاحب، میں ایمرجنسی میٹنگ میں آرہا ہوں۔

سین - ۵

(آشا دروازے پر دستک سن کر دروازہ کھول دیتی ہے۔ اور لکشمی کو اپنے چار بچوں کے ساتھ دیکھ کر چونک پڑتی ہے۔ بچے مکمل طور پر بھیگ گئے ہیں اور یہی حال لکشمی کا ہے)

آشا: گویا تمھارا علاقہ خالی کروا دیا گیا ہے؟

لکشمی: (حیران ہو کر) ہمیں کسی نے بھی، علاقہ یا گھر خالی کرنے کو نہیں کہا......

آشا: (ڈانٹ کر) پھر گھر چھوڑ کر کیوں آئی، جب سیلاب آرہا ہے۔ چلو مانا کہ تمھیں پوشی کی...... لیکن اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لے کر آنا۔ جہاں تمھاری فرض شناسی کا ثبوت ہے وہاں تمھاری نادانی کو بھی ظاہر کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ خیر اس گھر میں تم جیسی عورت اور ماں کو پناہ دینا ایک نیک کام ہے اور میں تمھیں شاباشی دوں گی۔

سین -٦

(آشا کے چہرے پر Obligation کے تاثرات اُبھرتے ہیں۔ وہ خود بچوں کے بھیگے کپڑے اُتار کر کمبل سے ڈھانپ کر قہوہ پلاتی ہے اور لکشمی کو اپنے کپڑے دے دیتی ہے اور سبھی ایک ہی کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں)

آشا: جو بھی کیا، اچھا کیا۔ لیکن جو کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا نا۔

لکشمی: کیوں؟ کوئی خطا ہوئی ہے مجھ سے؟

آشا: (بوکھلا کر) اور نہیں تو کیا؟ یہ دھارمک کتابیں پڑھ کر ایک وفادار بیوی۔ یعنی ساوتری نے ستیہ وان کو مہا کال سے بچا دیا اور ستی ساوتری بنا دیا۔ (غصے سے) ارے اگر اسکول میں دس جماعتیں پڑھ لی ہوتی تو رکشے میں اپنے بیمار پتی کو ساتھ لے آتی۔

(لکشمی بے ساختہ رو پڑتی ہے اور دونوں کی Mute گفتگو کا منظر اور آشا بار بار چونک پڑتی ہے)

آشا: ہے رام! تو یہ بات ہے! یہ لوجک نہیں ہے۔ (آہ بھر کر) کیا کریں، ایک خود غرض انسان اپنے مقصد کے لیے ایک Human Bomb بنا سکتا ہے تو ایک جنونی انسان کو اپنی چابی پر ریموٹ سے کام کرنے والا روبوٹ بنا سکتا ہے۔ خیر کچھ کھلا دو اور چاروں کو سلا دو۔ میں کپڑوں کا کچھ انتظام کرلوں گی۔

(کال بیل کی آواز سن کر وہ کمرے سے نکل جاتی ہے)

سین -٧

(دروازہ کھلتے ہی وجے کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اُس کی حالت خستہ ہے اور وہ بہت زیادہ Panic میں ہے)

وجے: چار فٹ پانی میں چل کر آ رہا ہوں۔ حیران ہونے کی بات نہیں، سیلاب کا پانی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اور ہمیں فوراً یہاں سے نکل کر کہیں آسرا ڈھونڈنا پڑے گا۔ Be Fast، Come On۔ (پوشی کو اپنے Toy Room سے گود میں اُٹھا کر) چلو۔

آشا: سیلاب کا پانی یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ بارش کا پانی ہے، نشیبی علاقے میں چلا جائے گا تو......

وجے: (غصے سے) ہاں! دریا میں چلا جائے گا۔ مگر دریا کا رُخ بدل دیا گیا ہے۔

آشا: کیسے؟

وجے: ایک شیطان نے بند کی گئی نہر کھول دی تو......

(لکشمی لرز اُٹھتی ہے)

آشا: پھر تو لکشمی کا کیا ہوگا۔ اس کے چار بچوّں کا کیا ہوگا۔

وِ جے: وہ علاقہ ڈوب چکا ہے۔ چلو! اتنا وقت نہیں ہے۔

آشا: لکشمی اپنے بچوّں کے ساتھ ہمارے گھر میں ہے۔

(وجے آشا کا ہاتھ کھینچ کر دروازے کی طرف لے جاتا ہے)

وجے: (آواز دے کر) بچوں کو لے کر نکل جاؤ۔

آشا: کیا ہم ان کو اپنی گاڑی میں نہیں لے جاسکتے؟

وِ جے: ہاں! مگر میری کار یہاں سے چار کلومیٹر دُور ہے۔

Inset

لکشمی: (خود کلامی) گویا نارائن نے......

آشا: بچےّ لے کر سڑک پر پہنچ جاؤ۔

سین - ۸

(دونوں پوشی کو اُٹھا کر، زبردست بارش میں چار فٹ پانی میں لڑکھڑاتے ہوئے باتیں کر رہے ہیں)

آشا: نہر میں دریا کو ڈالنے والا ہے کون؟

وِ جے: ایک معطّل کیا گیا شرابی ملازم۔

آشا: اگر اُس کا نام نارائن ہے تو وہ لکشمی کا پتی ہے۔

وجے: گویا وہ بیمار نہیں تھا۔

Cut To

سین - ۹

(لکشمی کے چاروں بچےّ رو رہے ہیں اور ہر کوئی ضد کر رہا ہے کہ وہ ماں کی گود میں بیٹھ کر جائے گا یا جائے گی۔ بڑی لڑکی بغیر کپڑوں کے خود چلنے کو تیاّر نہیں اور لکشمی خود دیکھ رہی ہے کہ کسی بھی بچےّ سے اُن پر ڈالے گئے کمبل اُن سے نہ سنبھالے جا رہے ہیں اور نہ اُٹھائے جا رہے ہیں۔ اس لیے وہ چاروں کو اپنے کندھوں پر اور گود میں اُٹھا تو لیتی ہے مگر اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ دھڑام سے گر جاتی ہے اور بار بار کوشش کرنے کا ہر بار یہی انجام ہوتا ہے اور کمرے میں پانی داخل ہو جاتا ہے)

Cut To

سین -۱۰

(زبردست بارش اور ایک اُونچائی پر ایک بڑے ہوٹل کا منظر)

سین -۱۰-اے

(ہوٹل کے کمرے کی اَدھ کھلی کھڑکی سے سیلاب کا بھیانک منظر دیکھ رہے آشا اور وجے اپنی معصوم بیٹی پوشی کے سوالات کے جوابات دے رہے ہیں۔

پوشی: لکشمی آنٹی مجھے بہت پیار کرتی ہے۔ وہ میرے ٹوائے روم میں رکھے میرے سارے کھلونوں کو سنبھال لے گی نا۔

آشا: (آہ بھر کر) ہاں بیٹی!

پوشی: (ہنسی) لکشمی آنٹی کے بچّے اچھے ہیں، لیکن ان کے پاپا بُرے ہیں۔ وہ کیوں نہیں آتے اپنے بچوّں کے ساتھ۔

آشا: (چونک کر) ایسا کیوں کہہ رہی ہو پوشی؟

پوشی: لکشمی آنٹی میری Dolls کو ڈوبنے نہیں دے گی! اپنے بچوّں کو بھی پکڑ کر رکھ لے گی! میں وہاں ہوتی تو مجھے بھی ڈوبنے سے بچا لیتی۔

(آشا کے چہرے پر پھیکی مسکراہٹ۔ مگر Body Language سے اُس کے تذبذب کی عکاّسی۔ وہ Attention Demanding پوشی سے بھی باتیں کر رہی ہے)

آشا: تمھارے پاپا اچھے ہیں! کیوں؟

پوشی: کیونکہ لکشمی آنٹی کے بچوّں کے باپو برے ہیں۔

آشا: برے ہیں! کیوں؟

پوشی: اچھےّ ہوتے تو میرے پاپا کی طرح ان کو گود میں اُٹھا کر، ہمارے گھر لے آتے۔

آشا: (خودکلامی) Logically Posh is Correct۔

(پوشی اپنی ماں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی خاطر باتوں کا سلسلہ جاری رکھتی ہے)

پوشی: ممی! جب بھی بارش ہوتی ہے پاپا خوش ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن آج وہ Unhappy کیوں ہیں؟

آشا: بارش رحمت بھی ہے! اور زحمت بھی ہے! یعنی قدرت کے کارناموں کے دو رنگ۔

(وجے کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ بہت Tense ہے۔ آشا کی باتیں سن کر وہ Irritate ہو جاتا ہے)

وجے: (بوکھلا کر) یہ سات سال کی بچّی تمھاری Logical باتیں نہیں سمجھ پائے گی۔

آشا: نہیں سمجھ پائی نا۔ تو...... میں...... سمجھا دیتی ہوں۔ بارش کیوں ہوتی ہے، پہلے یہ سمجھا دیتی ہوں۔

'ب' سے بھاپ۔ بھاپ سے بادل۔ بادل سے بارش بلکہ برف بھی۔ دونوں سے ندی، نالے، دریا — سمجھ گئی نا؟ سنتی رہو تو سمجھ پاؤ گی۔ اور اُن سے ہریالی، کھیتی باڑی، باغ بغیچے، اناج، پھل، پھول یعنی راحت —— یعنی خوشی! خوشحالی! یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں مگر جب پانی سیلاب بن کر......

(وجے کے چہرے پر تذبذب اور افسردگی کے تاثرات ہیں۔ مگر اچانک آشا کی باتیں سن کر وہ غصّے سے گرج کر اس پر برس پڑتا ہے)

وِجے: سات سال کی بچّی کو تمھاری یہ اعلیٰ معیار کی Philosphical باتیں سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ (چلاّ کر) بلکہ مجھے بھی تمھاری Logic سمجھ نہیں آرہی ہے۔ اب اس لفظ سے الرجی ہونے لگی ہے۔ کیا اس زمانے میں Logic کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔ نہیں، نہیں! Exploitation نے Logic کو زنگ آلود کر دیا ہے، بلکہ چھلنی کر دیا ہے۔

(آشا وِجے کی کیفیت بھانپ لیتی ہے اور لب سی کر سب سن لیتی ہے)

آشا: (خود کلامی) یقیناً کچھ ہوا ہے یا کچھ ہونے والا ہے۔ (آہ بھر کر) گھر اُکھڑ گیا۔ ہم سب اُجڑ گئے۔ اس سے بدتر کیا ہو سکتا ہے۔

وِجے: اب تو تمھارا فلسفہ سن سن کر وہ قصّہ یاد آتا ہے۔ مریض کا سر انگاروں پر رکھ کر اُس کے پاؤں برف میں رکھ دو۔ پھر دیکھو مریض کا Average Temperature نارمل ہوگا۔

Logically it can't be challenged.

پوشی: (بے ساختہ ہنسی) پھر وہی لاجک کی لڑائی! کون ہے یہ لاجک؟

(آشا اپنی ہنسی روک نہیں پاتی مگر وجے کھڑکی سے جھانک کر سیلاب زدہ علاقہ دیکھ کر لرز اُٹھتا ہے۔ سیلاب زدہ علاقے کے کچھ ڈراؤنے منظر، Insets۔ آشا بھی وِجے کی پیٹھ کے ساتھ چپک کر یہ مناظر دیکھ لیتی ہے)

آشا: (آہ بھر کر) ہمارے علاقے نے پانی کا کفن اوڑھ کر گہرے پانی میں اپنے آپ کو دفن کر دیا ہے۔

وِجے: ہاں!

آشا: ہمارے گھر کی دیواریں مضبوط ہیں۔ گر نہیں سکتیں۔

وِجے: (تلخ مسکراہٹ) ایک آدمی کی لاش سڑک پر پڑی تھی۔ گولی ماتھے میں لگی تھی۔ ایک تماشائی نے کہا کہ یہ تو اللہ کی مہر ہے کہ آنکھ بچ گئی۔

آشا: لکشمی کا کیا حال ہوا ہوگا۔

وِجے: مر گئی۔ اور میں نے ہی پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ بچّے شاید کیچڑ میں دبے پڑے ہیں۔

آشا: لکشمی کا پتی؟ (تجسس کے ساتھ) بیمار تھا!

وِجے: بیمار؟ (غصّے سے) وہ خود ایک مہلک بیماری ہے جو معاشرے کو کھوکھلا کر دینے کو...... (تلخی سے)

اپنا مقصد بنا رہا ہے۔ نہر اُسی نے توڑ دی ہے۔

آشا: گویا زندہ ہے؟

وِجے: ہاں! اپنے لوجِک پر قائم ہے۔

آشا: مطلب؟

وِجے: (آہ بھر کر) یعنی قاتل اگر مقتول نہیں ہے تو مقتول قاتل کیسے ہوسکتا ہے۔ (طنزاً) اگر 'A'، 'B' نہیں ہے تو 'B' کیسے 'A' ہوسکتا ہے۔ تمھارے ہی فلسفے کو اپنا چکا ہے۔

(آشا خاموشی سے وِجے کی باتیں سن رہی ہے)

وِجے: ایک شرابی کو اپنی ایک سنگین غفلت کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا گیا تھا — اور وہ ایک لیڈر بن گیا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ایک اپنے بنائے گئے منطق، لوجِک کو عملی شکل دینے کی خاطر ایک Revolutionary کی آڑ میں ایک خطرناک Reactionary بن گیا۔ کوئی ریلوے لائن کاٹ کر قتلِ عام کرتا ہے، اور اس شیطان نے دریا کا پانی نہر میں ڈال کر یہ تباہی کردی۔

آشا: یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس کا خاندان بھی......

وِجے: ہاں! سرکار سے معاوضہ مانگ رہا ہے اور مجھے بلیک میل کرنے کی دھمکی دے چکا ہے۔

آشا: (غصے سے) کیوں؟ کیوں؟؟ بھول گیا کہ میں اُس کے بچوں کو پالتی تھی۔

وِجے: اُسی بھول کی سزا دینے کی خاطر، مجھ پر ایک Criminal کیس کرنے کی دھمکی دے چکا ہے۔

آشا: کس لوجِک پر؟

وِجے: لوجِک یہ ہے کہ میں اس کی بیوی اور اُس کے بچوّں سے اپنے گھر کا کام کرایا کرتا تھا۔

آشا: بیوی کو ہم تنخواہ دیا کرتے تھے۔ رہی بات بچوّں کی......نو سال کی لڑکی، سات سال اور پانچ سال کے لڑکوں اور تین سال کی بچّی کیا کام کرسکتے ہیں؟ اس الزام میں کوئی لوجِک نہیں ہے۔

وِجے: اپنے سانچے میں ہر کوئی لوجِک کی اپنی Shape دے سکتا ہے۔

(آشا سکتے میں آجاتی ہے)

آشا: (دبی دبی آواز میں) یہ......یہ......میں نے نہ کبھی کہیں پڑھا ہے اور نہ کبھی سوچا ہے۔

وِجے: کتابی باتوں کا ذکر......کبھی فرصت مل جائے، تو سوچ لیں گے۔ اس وقت یہ سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ رقم کا انتظام کیسے کروں؟

آشا: رقم؟ کس لیے؟

وِجے: نارائن کو دینے کے لیے۔ للکشمی کی لاش برہنہ تھی اور ہمارے گھر میں مل گئی ہے۔ اُس کی بیٹی بھی ننگی ملی تھی۔

آشا: ہاں تو وہ اس لیے کہ بھیگے کپڑے اُتار کر میں نے کمبل سے ڈھانپ دیا تھا۔

وِجے: (بوکھلا کر) اب لوجِک کی باتیں کرنے سے پہلے یہ سن لو کہ مجھ پر الزام لگایا ہے ایک پتی نے کہ

اس کی بیوی کے ساتھ...... بلکہ اِس سے سنگین الزام یہ ہے کہ میں اس کی بیٹی کے ساتھ بھی......

(وجے جملے پورے کرنے کی بجائے بلک بلک کر رو پڑتا ہے)

وِجے: سچ کیا ہے، سارا شہر جانتا ہے۔ صحیح کیا ہے، اُس کی پہل سرکار بھی نہیں کر رہی ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا، ورنہ رُسوائی میری بھی جان لے گی۔

(پوشی اپنے والدین کو آنسو بہاتے دیکھ کر قریب آ کر اپنی معصومیت کا مظاہرہ کرتی ہے)

پوشی: چھی! بچّوں کی طرح رو رہے ہو۔ وہ بھی لوجِک کے لیے؟ یہ لاجک کیا کوئی کھلونا ہے یا کوئی پوکی مان (Pociman)۔

آشا: ایک قہر ہے جو ہم پر ٹوٹ گیا ہے۔

پوشی: کوئی بات نہیں۔ میرے پاس جوڑنے والی ٹیوب ہے۔ چلو گھر چلیں...... لیکن پانی میں کیسے چلیں گے۔ مجھے ڈک کی طرح تیرنا نہیں آتا۔ آپ کو تیرنا آتا ہے؟

(وجے اور آشا دونوں سکتے میں آ جاتے ہیں۔)

OO

نادان

اہم کردار

• پروفیسر:	عمر ۵۰ سال	• راجو:	پروفیسر کا بیٹا، عمر ۱۸ سال
• سنی:	راجو کا دوست، عمر ۱۸ سال	• دوارکا:	نوکر، عمر ۳۰ سال

سین-۱

(پروفیسر اپنے ڈرائنگ رُوم میں اخبار پڑھ رہا ہے۔ دستک کی آواز سن کر وہ دروازہ کھولتا ہے۔ سنی کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

سنی: نمستے انکل۔

پروفیسر: نمستے۔

سنی: انکل، کیسے ہیں آپ؟

پروفیسر: (سوال ٹال کر) دہلی سے کب آئے؟

سنی: اسٹیشن سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔

پروفیسر: ہاتھ منہ دھولو۔ ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔

سنی: راجو ابھی سو رہا ہوگا۔ میں ذرا—

پروفیسر: بیٹھے رہو سنی بیٹے۔ اوپر جانے کی ضرورت نہیں۔

سنی: کیوں؟ راجو گھر میں نہیں ہے کیا؟

پروفیسر: (گویا ٹوٹ چکا ہو) وہ تو— وہ گھر میں ہو کر بھی گھر میں نہیں ہوتا ہے۔

سنی: گویا؟

پروفیسر: (آہ بھر کر) ہاں بیٹا۔ نہ حال بدلا ہے اور نہ حالات۔ یہ مکان ایک قید خانہ بن گیا ہے۔ ایک قیدی میں ہوں جو بیٹے کی فکر میں قید ہے۔ اور دوسرا راجو ہے۔ (رو پڑتا ہے) کتنا ذہین اسٹوڈنٹ تھا۔

سنی: تھا؟— تھا معنی؟

پروفیسر: اب وہ — وہ نہیں رہا۔ کب آتا ہے۔ کب جاتا ہے۔ کہاں جاتا ہے — مجھے بتا کے نہیں جاتا۔
سنی: نہیں انکل یہ کیسے ہوسکتا ہے۔
پروفیسر: ایسا ہورہا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایڈمیشن نہ ملنے کا صدمہ اس کو۔
سنی: انکل، مجھے بھی ایم بی بی ایس کی سیٹ نہیں ملی۔ اب کیا کروں۔ چند روز بہت روتا رہا۔ پھر سوچا کچھ اور کیا جائے۔
پروفیسر: راجو حساس ہے۔ یہ برداشت نہیں کرسکا کہ پوزیشن لے کر بھی رہ گیا۔ مَیں بھی کچھ کر نہیں سکا۔ رِٹ کی تھی۔ سو وہ بھی۔
سنی: انکل، جس لیے میں یہاں آیا۔ وہ بتانا ہی بھول گیا۔
پروفیسر: کیا بات ہے۔ خیریت ہے نا۔
سنی: ہمارے ایڈریس پر راجو کی یہ رجسٹری آئی ہے۔
پروفیسر: (چونک کر) یہ ہائی کورٹ سے آئی ہے۔ ہمارے وکیل نے بھجوادی ہوگی۔ ارے واہ۔ ارے واہ۔ راجو۔ راجو۔ دیکھا۔ مَیں جانتا تھا کہ اس ملک میں قانون ہے۔ دیکھ۔ دیکھ۔ تمھارا ایڈمیشن ہو چکا ہے۔
سنی: (خوش ہو کر) یاہو — یاہو — میں راجو کو لے آؤں گا۔

سین -۲

پروفیسر: سنی! تم اکیلے؟
سنی: انکل! یہ راجو کو — ! راجو کو کیا ہو گیا ہے انکل۔ لمبے بال۔ لمبی داڑھی مرجھائی ہوئی آنکھیں۔ میلے دانت سوکھے ہونٹ پچکے گال۔ کیا وہ بیمار ہے۔
راجو: ڈیڈی — دِکھاؤ — دِکھاؤ —
سنی: سنبھل کر راجو — ! تم لڑکھڑا کیوں رہے ہو۔
پروفیسر: آ — پردے کے پیچھے کیوں چھپ گیا۔ آ — قریب آ —
سنی: انکل راجو چل کیوں نہیں سکتا۔
پروفیسر: شاید خوشی کی وجہ سے —
راجو: ڈیڈی۔ مجھے بچاؤ —
پروفیسر: بھگوان نے ہماری سُن لی ہے۔ تمھیں کل ہی دہلی جانا ہوگا۔ مَیں بھی ساتھ چلوں گا۔
سنی: انکل، راجو کا جسم کیوں لرز رہا ہے۔ یہ کپکپی کیوں ہے — کیا ہوا راجو کو — ؟
پروفیسر: دوارکا — دوارکا — جلدی سے پانی لے آ —
دوارکا: صاحب، یہ پانی سے نہیں، سوئی لگانے سے ٹھیک ہوجائے گا۔

پروفیسر: کیا بک رہا ہے۔

راجو: دوارکا، دوارکا— سوئی لے آ ؤ جلدی۔

میں نے دہلی جانا ہے۔ مَیں نے ڈاکٹری کی ٹریننگ کرنی ہے۔ پہلے ایم بی بی ایس۔ پھر ایم۔ ڈی— پھر ڈی ایم—

سنی: انکل— یہ کیا— راجو ڈرگس لے رہا ہے— اور آپ کو معلوم نہیں—؟

پروفیسر: مَیں— مَیں سمجھتا رہا کہ صدمے نے ذہنی طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ نہیں سمجھ پایا کہ راجو—

سنی: یہ کیا کر رہے ہیں آپ— چٹھی پھاڑنے لگے—

پروفیسر: اب اس نادان کو ایڈمیشن مل کر بھی کوئی میڈیکل کالج میں داخل نہیں ہونے دے گا!

OO

پوشی

اہم کردار

- ایک صحافی: عمر ۶۰ سال
- صحافی کی بیوی: عمر ۵۵ سال
- صحافی کی پوتی، نام پوشی، عمر ۸ سال

سین-۱

(صحافی اپنے اِرد گرد رکھے کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر کچھ تلاش کر رہا ہے اور بہت پریشان ہے)

صحافی: نہ جانے کہاں گئے — ! چھت اُٹھا کر لے گئی یا فرش نگل گیا۔ کیا مصیبت ہے۔

بیوی: کیا کھو گیا؟ (مذاقاً) عینک تو پہن رکھی ہے، وہ تو نہیں (ہنسی)

صحافی: کیا مصیبت ہے یہ کوئی مذاق کرنے کا وقت ہے۔ (ہڑبڑا کر) اُف۔ کب کتابت ہوگی۔ کب پُروف ریڈنگ اور کب خبریں شائع ہوں گی۔

بیوی: اچھا اچھا خبریں کھو گئیں۔ میری مانو — کل کی خبریں آج دو۔ آج کل ایک جیسی خبریں تو ہوتی ہیں۔ کچھ فرق ہو تو اگلے دن لکھ دینا۔ تحقیقات کرنے پر پتہ چلا کہ خبر جھوٹی تھی۔ (ہنسی)

صحافی: (غصّے سے) یا تو میری مدد کرو — ورنہ خاموش رہو۔

بیوی: یہ لو!

صحافی: یہ بجلی کا بل ہے۔

بیوی: اور یہ۔

صحافی: کیا مصیبت ہے — یہ فون کا بل — یہ راشن کارڈ۔

بیوی: (ناراض ہو کر) چلاّ کیوں رہے ہو پوشی کے نانا!

صحافی: (چونک کر) پوشی ! — پوشی کہاں ہے؟

بیوی: برآمدے میں کھیل رہی ہے۔

صحافی: مر گئے — وہی کاغذات کا پلندہ لے گئی ہوگی کاغذ کی کشتیاں بنانے کی خاطر۔

سین -۲

(پوشی کے اِرد گرد کاغذات ہیں اور وہ چند فوٹو دیکھ رہی ہے)

صحافی: تو میرے کاغذات مہارانی اُٹھا کر لائی ہے۔

پوشی: میں پوشی ہوں نانو — مہارانی نہیں۔

صحافی: لے۔ یہ کاغذات اور فوٹو مجھے دے۔

پوشی: نہیں — نہیں دُوں گی۔

صحافی: یہ بہت ضروری کاغذات ہیں میرے بچّے۔ میں تمھیں بہت سارے کورے کاغذ دُوں گا۔

پوشی: نانو — نانو پہلے یہ بتاؤ ضروری کیا ہوتا ہے۔

صحافی: ضروری! ضروری، ضروری ہوتا ہے۔ یعنی تمھارے کام کا نہیں ہوتا ہے۔

بیوی: پوشی۔ یہ فوٹو اور کاغذات نانو کو دو۔ مَیں تمھیں آئس کریم کھلا دوں گی۔

پوشی: سچ!

صحافی: ہاں ہاں۔ یہ کاغذات مجھے دو — پلیز پوشی۔

پوشی: پہلے بتا دو اِس پیج پر کیا لکھا ہے۔ گنتی یا اَکھشر؟

صحافی: (آہ بھر کر بڑبڑاتے ہوئے) تباہی کے الفاظ۔ بربادی کی گنتی۔

بیوی: کیا ہوا؟ تمھارا چہرہ کیوں لٹک گیا۔

صحافی: وہی جو ہونا نہیں چاہیے۔ مگر روز ہوتا ہے۔

بیوی: سر درد؟

صحافی: نہیں۔ فساد!

پوشی: نانو، نانو یہ فساد کیا ہوتا ہے؟

صحافی: فساد، فساد ہوتے ہیں۔
یعنی ہندو مسلمان کو مارتا ہے۔ پھر مسلمان، ہندو کا گھر جلاتا ہے۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے بچّوں کو مارتے ہیں۔

پوشی: (خوفزدہ ہو کر) نانو — ہم — ہندو ہیں — یا مسلمان؟
(ایک فوٹو دکھا کر) یہ ہندو ہے یا مسلمان؟ بولو نا نانو — ؟ بولو نا نانو — ؟

OO

تماشہ

(ایک ٹی وی ڈرامہ)

سین -۱

(ایک ہسپتال Chest Diseases Hospital ۔ہسپتال کے Entrance برآمدے یا Reception Hall میں دونوجوان گلے میں پھولوں کی مالائیں پہن کر فرش پر دُبک کر بیٹھے ہیں۔دونوں دھرنے پر بیٹھے ہیں۔ان کی حرکتوں سے لگ رہا ہے کہ اُن کو سردی بہت تنگ کررہی ہے اور وہ دونوں بہت Uneasy محسوس کررہے ہیں مگر مجبور ہیں۔وہ باتیں کررہے ہیں مگر ڈر ڈر کر دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھ کر۔ بار باراُن کی معنی خیز نظریں سامنے ایک کونے میں بیٹھے چارچھوٹے چھوٹے بچوں پررُک جاتی ہیں۔بچے سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں)

ایک: (آہ بھرکر) آدھادن بیت گیا۔آدھارہ گیا!

دوسرا: (بے ساختہ ہنسی) کیابات ہے گوپال؟ (ہنسی) یوں کہہ رہے ہو جیسے قیدیوں کی آدھی سزا کٹ گئی ہو جیسے!

پہلا: کچھ کہا بھی نہ جائے۔

دوسرا: (قہقہہ) اورچپ رہا بھی نہ جائے۔یہی نا؟

پہلا: اورنہیں تو کیا! دھرنے پر بٹھا دیا گیا ہے۔کیوں کس لیے۔

دوسرا: چیل کی نظر کس پر ہوتی ہے؟

پہلا: چوزے پر—

دوسرا: (ہنسی) چیل اگر گوری شنکر ہے تو چوزہ کون ہوگا؟

پہلا: ڈاکٹر آنند—اورکون—؟

دوسرا: ہاں!

پہلا: کیوں؟ کچھ معلوم ہے۔

دوسرا: فقط اتنا کہ ڈاکٹر یونین سے ٹکر لے رہا ہے۔اور (قہقہہ) بقول گوری: جو ہم سے ٹکرائے گا، ریزہ ہوکر بکھر جائے گا۔

پہلا: ہونہہ، کہانی وہی پرانی—مطلب کچھ—مقصد کچھ، ارادے کچھ—عمل کچھ—ہونہہ—

دوسرا: روئی کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہے ہو۔ مگر سامنے بولتے نہیں۔

پہلا: میں کچھ بولوں یا نہ بولوں اس وقت تم بولنا بند کرو۔

دوسرا: کیوں!

پہلا: کوئی آ رہا ہے۔

دوسرا: اب کیا کروں — (ہنسی) باتیں ہضم کرتے کرتے بدہضمی ہوگئی تو......

پہلا: وہی کر جیسا کرنے کو کہا گیا ہے۔

دوسرا: یعنی؟

پہلا: انقلابی باتیں کر، جوشیلے لہجے میں۔

دوسرا: کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔

پہلا: خوش قسمت ہو۔

دوسرا: مطلب؟

پہلا: (تلخ ہنسی) جو کچھ نہ سمجھے۔ وہ خوش قسمت ہے Ignorance is certainly a bliss
(بوکھلا کر) وہ جو لیڈر...... (طنزاً) گوری شنکر — صدرِ محترم نے لکھ کر دیا ہے۔

دوسرا: (کاغذ کا ایک ورق جیب سے نکال کر پہلے ہنستا ہے پھر پڑھتا ہے) لو پڑھ کر سناتا ہوں۔:

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخِ اُمرا کے درودیوار ہلادو

اُس کے بعد ایک دو نعرے: ہم کیا چاہتے ہیں، انصاف — لے کر رہیں گے — لے کر۔ تم کیوں مسکرا رہے ہو؟

پہلا: (قہقہہ) ارے طوطے۔ یہ آخری سطر شعر کا حصّہ نہیں ہے۔ (ہنسی کو روک کر) ہمارے لیے مسیحا کی ہدایت ہے۔ (قہقہہ) ہدایت؟ نہیں حکم، آرڈر۔

دوسرا: (غصّے سے) یار یہ مسیحا ہمارا لیڈر ہے یا افسر؟ ہمیں اشاروں پر نچا رہا ہے — کٹھ پتلیوں کی طرح — پہلے یہ کہہ کر اسٹرائک کروادی کہ ڈاکٹر آنند نے پارو کے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے — ڈاکٹر اپنے آپ کو ڈکٹیٹر سمجھتا ہے — اور اب — اب کہہ رہا ہے کہ وہ پارو میں زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے۔ اس لیے اسٹرائک......

پہلا: یہ پارو کون ہے؟

دوسرا: خدا جانے —!

تیسرا: کیوں بھئی خدا کیوں یاد آیا؟

پہلا: خدا کی نہیں میاں — بعد از خدا کی بات ہو رہی تھی۔

تیسرا: (ہنسی) گویا اپنے ہر دل عزیز نیتا، مسیحا جی کی بات ہو رہی ہے — ہے نا؟

دوسرا: ہاں، ہاں ہاں — وہ ہی تو ہمارے لیے سب کچھ ہیں —
پہلا: گھوم پھر کر آئے ہو۔ کچھ نئی تازی سُناؤ۔
تیسرا: مسیحا صاحب آرہے ہیں، آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ اخبار والے آچکے ہیں۔ ٹی وی والے بھی آرہے ہوں گے — یوں سمجھ لو آج ڈاکٹر آنند کا رام نام ست ہے، ہو رہا ہے — (قہقہہ) کہہ رہا تھا کہ سالا میرے اسٹور کی چیکنگ کروادے گا — مجھے جیل بھجوادے گا۔ ہونہہ —
دوسرا: (چاپلوسی کے انداز میں) ایسا بولتا ہے۔
چوکیدار: گوری شنکر بولتا نہیں، بھونکتا ہے — پاگل کتّے کی طرح۔ جانتا نہیں کہ پاگل کتّے کو گولی سے اُڑایا جاتا ہے — ہونہہ گوری شنکر کو چوکیداری سے ہٹا کر یمراج کو آواز دی ہے۔
دوسرا: ہمارے لیے کیا حکم؟
چوکیدار: دونوں ڈٹے رہو۔ میں فون کرکے آتا ہوں۔

(تیسرا آدمی آجاتا ہے)

چوکیدار: ارے بھئی تم کہاں گئے تھے؟
تیسرا: وہ......! ......وہ......کام کرنے ......سنا ہے کوئی آرہا ہے۔
چوکیدار: چوکس رہنا۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی اور سے ملے۔ مجھ سے ملانا ہوگا — لازماً بھی اور احتیاطاً بھی۔
(چوکیدار چلا جاتا ہے۔ باقی تینوں بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں)

سین -۲

تیسرا: گوپال۔ سُنا ہے تو شاعر ہے۔
دوسرا: ایسی شاعری کرتا ہے کہ......
تیسرا: (بات کاٹ کر) کچھ تیار ہو — کوئی چیز — تو سُنا دینا۔ مسیحا جی کے بھاشن سے پہلے۔
دوسرا: ہے...... ہے نا...... گوپال سنا دے نا — وہ نظم — دل و دماغ ہلا دینے والی۔
پہلا: (گنگنا کر) تیز ہوا کے جھونکوں سے
درخت تھرتھراتا ہے
ہر شاخ کانپتی جاتی ہے
اور پتے گرتے جاتے ہیں
جیسے ایک بیوہ کے آنسو
ارتھی پر گر جاتے ہیں!
تیسرا: نہیں نہیں — یہ نہیں — کچھ ایسا ہو جو انقلاب کے شعلوں کو ہوائیں دیں۔ (طنزاً) یہ شاعری یہاں

نہیں چلتی ہے — ایسا کرو — جیسا لیڈر نے لکھ کر دیا، وہی رٹ لو — اور اونچی آواز میں سُنا دو۔ یوں کیا دیکھ رہے ہو — کہو۔ ہاں — ! (ہنسی) تم دونوں ایسے بیٹھے ہو جیسے کہہ رہے ہو دے داتا کے نام تجھ کو اللہ رکھے۔ زیادہ پڑھائی کے جراثیم روک رہے ہیں تو مار ڈالو اُن کو — (ہنسی) ایک کام یاد آیا — بیٹھے رہو۔ میں ابھی آتا ہوں — !

(تیسرا آدمی دونوں کو ٹال کر چلا جاتا ہے)

دوسرا: اچھا ہوا جو یہ سنگ چور چلا گیا۔

پہلا: سنگ چور؟ کیا ہوتا ہے؟

دوسرا: ایک سانپ ہوتا ہے، دیکھنے میں خوبصورت، معصوم۔ لیکن کاٹے تو پتّھر کو بھی چور چور کر دیتا ہے۔

پہلا: وہ قریب آ رہا ہے۔ یہ اِس کے ساتھ کون ہے؟ اور کوئی بات کرو۔

دوسرا: بات کروں گا تو دل کی ہی بات کروں گا — سرگوشیوں میں سہی۔ گوپال تمھاری شاعری مجھے پل دو پل کے لیے ہلا دیتی ہے — قسم سے۔

پہلا: اور میں اپنے لوگوں کی بدحالی دیکھ کر ہل جاتا ہوں۔ کبھی کبھی ٹوٹ کر بکھر بھی جاتا ہوں۔

دوسرا: میں بھی دردناک منظر دیکھ کر کانپ اُٹھتا ہوں — قسم سے —

پہلا: ایسا ایک دردناک منظر ہمارے سامنے ہے — وہ دیکھو۔ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بچّے!

دوسرا: ہسپتال کے برآمدے میں کیا کر رہے ہیں؟ تعجّب ہے۔

پہلا: ایک عورت یہاں چھوڑ گئی تھی — لوٹ کر نہیں آئی — جانے کیوں؟

دوسرا: برف گر گئی تو سرد ہوائیں اِن بچوّں کا کفن بن جائیں گی۔ ہے نا؟

پہلا: ان کا بھی حال وہی ہے
جو ہے ہم دونوں کا حال
کب تک جی سکیں گے ہم سب
جب قدم قدم پر کھڑا ہے کال
(آہ بھر لیتا ہے)

دوسرا: گوپال کیا ہماری یہ اسٹرائک، یہ دھرنے واقعی ہمیں گرم وردی دلائیں گے؟

پہلا: معلوم نہیں — ! شاید — شاید نہیں — ! سردی کی لہر قہر بن کر ہم دونوں کو ختم ہی نہ کر دے!

دوسرا: کچھ لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے تو نہیں — ؟

پہلا: اُن سے زیادہ لوگ باہر سے آ کر دھرنے میں شامل ہو رہے ہیں۔

دوسرا: گویا — ؟

پہلا: ٹھیک سمجھے — سب کچھ طے شدہ پلان کے تحت ہو رہا ہے۔ اور آج بڑے بڑے لیڈر بھی آ رہے ہیں۔

دوسرا: مسیحا آرہا ہے—کوئی اور آئے یا جائے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔
پہلا: ہاں، اُس کو تو ایسے ہی دھرنوں کی بھوک ہے۔ اور شاید ضرورت بھی! لگتا ہے ڈاکٹر آنند کی بربادی کا وقت آ گیا!
دوسرا: تمھیں بھی افسوس—ہو—رہا—ہے نا؟
پہلا: ہاں—نہیں—ہاں ہاں—نہیں—! چپ، کوئی سن لے گا—

(دونوں چپ ہو جاتے ہیں)

Cut To

سین-۳

(ہسپتال کے لمبے برآمدے میں مریضوں کا آنا جانا۔ کھانسی کی کھن کھن کی آوازیں۔ چوکیدار اور روشن ساتھ ساتھ چل رہے ہیں مگر یوں ظاہر کر رہے ہیں جیسے لاتعلقی ہو۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں)

روشن: لیکن تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ میں نے تم سے کچھ بھی تو نہیں پوچھا۔
چوکیدار: (ہنسی) لفافہ دیکھ کر مضمون پڑھ لیتے ہیں صاحب جی۔
روشن: پھر بھی—
چوکیدار: ڈاکٹر آنند کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے والا مریض ہو یا مریض کا Attendant ہم اُس کو پہلی نظر میں پہچان لیتے ہیں—ظاہر ہے آپ کوئی اور ہیں (معنی خیز ہنسی)—کوئی اور کیوں—یقیناً کوئی اپنے ہی ہوں گے!
روشن: (ہنسی) ہاں بھئی—اپنے ہی تو ہیں—لیکن تم کیسے جان گئے۔
چوکیدار: (ہنسی) ایسا نہیں ہوتا تو آپ لفظ بہ لفظ ساری کہانی کیوں سُن لیتے!
روشن: ارے واہ! بہت ذہین ہو اور چالاک بھی۔ اب کیا ارادے ہیں؟
چوکیدار: بارش ہو یا برف۔ آندھی ہو یا طوفان—اُمن ہو یا افراتفری—عید ہو یا دیوالی—ہمارا دھرنا جاری رہے گا—بات سمجھ گئے نا؟ (ہنسی)
روشن: اپنے آپ پر اتنا بھروسہ ہے؟
چوکیدار: (فاتحانہ قہقہہ) بہت ہی پُرانے کھلاڑی ہیں پترکار جی۔ (ہنسی)
روشن: کوئی اور بات—چوکیدار جی—؟
چوکیدار: (ہنسی) گوری شنکر! اس یونٹ کا صدر ہوں۔ (ہنسی) سمجھ گئے نا؟ اور جو بھی میں نے کہا ہے وہ سب—سب—بلکہ اور بھی کچھ لکھ کر دوں گا—اپنی یونین کے پیڈ پر—مہر لگا کر—(ہنسی) بات سمجھ گئے نا؟ پترکار جی! اور ہاں۔ آج مسیحا جی—اُن کو تو آپ—(فاتحانہ قہقہہ) ہمارے

نیتا جی بات سمجھ گئے نا؟ (ہنسی) آرہے ہیں — پول کھولنے ڈھول بجانے ہم ملادیں گے آپ بات کرلینا — شیر ہیں مگر دوستوں سے پیار کرتے ہیں۔ بات سمجھ گئے نا — (ہنسی)

روشن: (ہنسی) بالکل سمجھ گئے — سوفیصدی سمجھ گئے — یہ بتادو کہ وہ......وہ......اُس عورت کا کیا نام بتایا؟

(دونوں ڈاکٹر آنند کے کمرے کے باہر رُک جاتے ہیں اور سرگوشیانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں)

چوکیدار: یوں تو کئی ہیں — بے کس، بے بس مظلوم عورتیں — یہ بھی تو نام ہی ہیں نا؟ ہاں تازہ ترین ٹارگیٹ کا نام ہے پارو — خوبصورت جوان پارو — بے چاری پارو — بات سمجھ گئے نا؟

روشن: بے چاری پارو! یہی نا؟ (ہنسی)

چوکیدار: (Excite ہوکر) ہاں۔ ہاں۔ ہاتھ ملایئے — ہماری دوستی پکّی۔ (ہنسی) اب یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ آپ ہماری بات سمجھ گئے۔ (قہقہہ) ہے نا؟ میں آس پاس ہی رہوں گا۔ آپ مل آیئے — لیکن اتنا یاد رکھیے کہ جب چوہا پھندے میں پھنسا ہوا ہوتا ہے تب وہ یوں دیکھتا رہتا ہے کہ دیکھنے والے کو ترس آتا ہے۔ بلکہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ لیکن جب آزاد کردو تب پھر در و دیواروں کو کترتا رہتا ہے۔ (غصے سے) اِسے کچل دینا صاحب۔

(روشن چوکیدار کی باتیں غور سے سُن کر آنند کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور چوکیدار آگے نکل جاتا ہے۔ اُس کے چہرے پر فاتحانہ چمک ہے)

سین ۔۴

(ڈاکٹر آنند اپنے کمرے میں ایلیمونیٹر پر ایک ایکسرے دیکھ رہا ہے۔ دستک کی آواز سن کر جونہی وہ روشن کو دروازے پر دیکھتا ہے تب وہ بہت خوش ہوکر اس کو ویلکم کرتا ہے)

روشن: میں اندر آسکتا ہوں — ڈاکٹر آنند!

آنند: (چونک کر) ارے واہ — ! روشن تم؟

روشن: (مزاحیہ انداز میں) اب میں کیا جواب دوں (ہنسی) ہاں میں (قہقہہ)

آنند: یقین نہیں آتا!

روشن: گلے لگ جاؤ تو یقین آجائے گا — (قہقہہ) میرے یار! اچھا ہوا جو تم کمرے میں مل گئے۔ ورنہ اِس بار پھر سے تمھیں تلاش کرنے کا ارادہ تو نہیں تھا۔

آنند: تلاش؟

روشن: اور نہیں تو کیا — ایک گھنٹے سے تمھیں ہسپتال کے ہر گوشے میں تلاش کرتا رہا۔ سفر تمھارے کمرے سے شروع ہوکر یہاں ہی ختم ہوتا رہا۔

آنند: I am sorry ۔ میں Out Door ڈیوٹی پر تھا۔

روشن: مجھے دِکھائی کیوں نہیں دیے۔

آنند: وہاں مریضوں کے گھنے جنگل میں ڈاکٹر کہاں نظر آتا ہے۔

روشن: ارے ارے یہ ویزٹنگ کارڈ کیوں پھینک رہے ہو — میرا کارڈ ہے یار۔

(آنند کارڈ کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور ہنس پڑتا ہے)

آنند: روشن کار...... (ہنسی) کیا تمھارا نیا نام کرن سنسکار ہوا ہے؟

روشن: شاعر ہونے کا یہی تو فائدہ ہے۔ اپنے ہی نام کو توڑ کر ایک تخلّص جوڑ دو اور نیا نام اپنا کر مزے لو۔

آنند: مطلب؟

روشن: آج کل کے دَور میں کسی اجنبی سے ملو تو نام کی وجہ سے فرقہ پرستی یا پھر ذات پات کے چکّر میں پھنس جانے کا خدشہ بلکہ خطرہ بھی رہتا ہے۔ اس لیے میں روشن علی ہوں یا روشن کمار یہ چھپایا جاسکتا ہے۔

آنند: (سنجیدہ ہوکر) روشن تم نے ہلکے پھلکے انداز میں ایک بات بہت ہی گہری کہہ دی۔

روشن: (ہنسی) میری گہری بات سن کر، میں جانے کیوں تمھاری آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبا جارہا ہوں۔

آنند: میں کچھ سمجھا نہیں —؟ کیا مطلب؟

روشن: تم Depress کیوں ہوگئے؟

آنند: ہندو مسلمان، برہمن ہریجن کے چکرویوہ میں داخل ہونے کے راستے سبھی اپنی اپنی جھنڈیاں دِکھا کر بتلا تو دیتے ہیں — مگر (آہ بھر کر) باہر نکلنے کا دروازہ کہیں نظر نہیں آتا۔

روشن: موڈ آف ہوگیا؟

آنند: ڈاکٹر ہوں نا — جان لیوا بیماری کا ذکر ہی فکر کے دلدل میں لے جاتا ہے۔

روشن: (ہنسی) Take it easy میرے یار — فکر کی وجہ کچھ اور تو نہیں —؟ نہیں نا؟ لو تمھیں اپنے تخلص کا راز بتاتا ہوں — میں نے دیکھا کہ آج کل بیشتر لوگ آل اِن وَن ہوتے ہیں۔ شاعر، مصوّر سیاست دان وغیرہ وغیرہ۔ ایک ساتھ — یعنی یہی کامیابی کی پہچان ہے — (قہقہہ) اب میں جب بھی کسی محفل میں جاتا ہوں کار کے آگے ایک لفظ جوڑ کر کلاکار فنکار اداکار چترکار صداکار گلوکار پترکار وغیرہ وغیرہ سمجھا جاتا ہوں — It suits me حالانکہ میں وہ ہوتا نہیں جو سمجھا جاتا ہوں — مگر عزّت و شہرت ملتی رہتی ہے، تم بھی اپنے نام کے ساتھ گار جوڑ دو — فائدے میں رہو گے — ڈاکٹر آنندگار —!

آنند: (قہقہہ) گار؟

روشن: ہاں، تاکہ تم بھی خدمت گار، پروردگار......

آنند: گنہگار بھی — (قہقہہ) (Inset میں دو نرسیں کمرے میں جھانک کر چلی جاتی ہیں)

روشن: (قہقہہ) ہاں گنہگار بھی — اگر خدانخواستہ حالات ناساز گار ہوں تو...... (سنجیدہ ہو کر) آنند، یہ تمھاری نرسیں کمرے میں جھانک کر کیا مجھے......؟

آنند: (بات کاٹ کر) حیران ہو رہی ہیں شاید۔

روشن: کیوں؟ — کیوں یار؟

آنند: (آہ بھر کر) میرے کمرے سے قہقہوں کی آوازیں سُن کر......

روشن: کوئی خاص وجہ؟ — تم جواب نہیں دینا چاہو تو رہنے دو — Just Relax۔

آنند: میرے کمرے میں — (آہ بھر کر) بلکہ سارے ہسپتال میں ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے — کھانسی کی کھن کھن!

روشن: آج کچھ اور بھی سنائی دے رہا ہے — نعرے —!

آنند: ہاں، میرے خلاف دھرنے پر بیٹھے لوگ زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں — روشن دھرنے آج کل کا وہ طلسمی چراغ ہے جو ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے۔ بس جو مانگو لو وہ ملے گا (غصّے سے) چور کو چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو چور کی مانگ ہے کہ اُس کو پکڑنے والے کو نکال دو — یعنی مجھے نکال دو — نوکری سے !Stupid Blackmailer

روشن: (معنی خیز نظروں سے آنند کو دیکھ کر) یونینوں کا زمانہ ہے۔ اِن سے اُلجھنا ننگی ۴۴۰ وولٹ تار کو چھُونا ہے۔

آنند: یونینس ہوتی ہیں کامن کاز کے لیے — ذاتی کاز کے لیے نہیں۔ یونینس بُری نہیں ہوتیں — ہماری بھی یونین ہے۔ Good Causes کے لیے۔ لیکن ایسے لوگ یونین کی آڑ میں اپنے کالے کرتوت کرتے ہیں۔ دُھند پھیلا کر اپنے خطرناک چہروں کو چھپا لیتے ہیں — اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔

(کھانسی کی نمایاں آواز)

آنند: کون؟

پارو: (کھانسی پر مشکلاً قابو پا کر) نمستے۔

آنند: (غصّے سے) کل بُلایا تھا تو آج آ گئی۔ ایکسرے رُوم کے باہر انتظار کرنے کو کہا تھا۔ تو یہاں چلی آئی۔

پارو: بچّے ساتھ تھے — اُن کو برآمدے میں...... (کھانسی کا زبردست دورہ)

آنند: (غصّے سے) مجھ سے ملنے آئی تھی یا میلہ دیکھنے چل پڑی تھی۔ بچّوں کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی پارو؟

روشن: (چونک کر خود کلامی) تو یہ ہے پارو — فتنے کی جڑ!

آنند: روشن تم کس سوچ میں پڑ گئے —؟

روشن: دیکھ رہا تھا۔
آنند: کیا؟ Wait a minute۔ پاروتم یہ چٹھی لو اور اپنا ایکسرے لے آؤ۔
روشن: اتنی خوبصورت عورت کا بدصورت حال۔
آنند: بدحال کہو— بلکہ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے۔ چہرہ دیکھا۔ ۲۵ سال کی عمر میں یوں دِکھائی دے رہا ہے جیسے پانی کے چند قطروں کے لیے ترستا ہوا دھان کا پودا۔
روشن: (خود کلامی) لگتا ہے سینچائی کا ارادہ ہے۔
(روشن آنند کا جواب سن کر Stunt ہو جاتا ہے)
آنند: تم Stunt ہو گئے؟ ہاں، ہر حسّاس انسان کی ایک جیسی کیفیت ہوتی ہے ایسے لوگوں کو دیکھ کر مجھے ایک دوہا یاد آ رہا ہے:

تہہ کے اوپر حال وہی، جو تہہ کے نیچے حال
کیسے بچ سکے گی مچھلی، جب جل ہی سارا جال

روشن: لگتا ہے اس کی فکر نے تمھیں بے چین کر دیا ہے— ہے نا۔
(آنند روشن کا سوال سن کر پہلے React کرتا ہے مگر بعد میں آہ بھر کر معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بہت ہی نرم لہجے میں جواب دیتا ہے)
آنند: ہاں— اِس بدنصیب عورت کے ساتھ میری Emotional Involvement ہے۔
روشن: میں سمجھ سکتا ہوں— بلکہ تمھاری کیفیت بھانپ سکتا ہوں۔
آنند: روشن؟
روشن: کہو۔
آنند: رہنے دو— چائے پی لوگے۔
روشن: کون پلائے گا— تمھارا Lower Staff اسٹرائک پر ہے۔
آنند: میں اپنے لیے تھرماس میں چائے لاتا ہوں۔ تم چائے پی لو— اور میں......
روشن: کچھ کہنا چاہتے ہو مگر کچھ بھی کہتے نہیں۔ کیا بات ہے یار— کہہ بھی دو جو کہنا ہے— میں تمھارا دوست ہوں۔
آنند: کہہ دوں— بُرا تو نہیں مانے گا۔
روشن: نہیں— بولو—
آنند: یہ عورت قابلِ رحم ہی نہیں۔ بلکہ قابلِ توجہ بھی ہے۔ اِس کا کیس بگڑ گیا ہے۔ اسٹاف اسٹرائک پر ہے— اور بے چاری کو کوئی رپورٹ نہیں دے گا۔
روشن: کیوں— وہاں ڈاکٹر تو ہوگا۔
آنند: ہمارا ایک چوکیدار ہے— گوری شنکر— شہر میں ایک دُکان ہے، وہ چلاتا ہے۔ موٹر سائیکل پر ہسپتال

آتا ہے— اور یہاں لیڈری کرتا ہے۔ بہت ہی خطرناک آدمی ہے اور چیل کی طرح ہر کمرے پر نظریں جما کر رکھتا ہے— مقصد دوائیاں چُرا کر بیچنے کا دھندا ہے۔ یعنی بینک کی بجائے ہسپتال لوٹتا ہے۔ نرسیں ڈاکٹر، سبھی اُس سے ڈرتے ہیں۔

(یہ کہہ کر آنند گیند کی طرح اُچھل کر چل پڑتا ہے مگر دروازے کے قریب پہنچ کر رُک جاتا ہے اور پلٹ کر روشن سے پھر باتوں کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔ روشن آنند کی یہ کیفیت دیکھ کر مشکوک نظروں سے آنند کے ارادوں کو جاننے کی کوشش میں آنند کے جانے کے بعد ایک گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے)

آنند: روشن— دراصل......

روشن: رُک کیوں گئے؟

آنند: دراصل پارو— احساس کے رشتوں کی کہانی ہے۔ کیا نام دوں۔ کہاں سے شروع کروں، رہنے دو۔ پھر کبھی— یہ کہانی پھر کبھی— (تلخ ہنسی) ایک بے نام کی کہانی— روشن۔ Please don't mind it۔ میں خود جا کر رپورٹ دیکھ کر آؤں گا— میرا آدھا Lower Staff اسٹرائک پر ہے۔ جو ہیں اُن کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ بے چاری کو ڈاج کر دیں گے— یہ لوگ...... یہ لوگ...... مار پیٹ بھی کر سکتے ہیں— کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ باہر سے لوگوں کو لے آتے ہیں— چوکیدار اسی کام میں تو ماہر ہے نا! میں جاتا ہوں اور— اور (کچھ کہتے ہوئے کنفیوز ہو جاتا ہے) تم تب تک چائے پی لو— میں— میں چلتا ہوں— چائے پی لینا!

(آنند چلا جاتا ہے)

روشن: (خود کلامی) آنند کو اچانک کیا ہو گیا—؟ یوں گھبرا گیا ہے گویا سائیکلون آنے کی اطلاع مل گئی ہو! سچ مچ گھبرا گیا ہے یا گھبراہٹ کا بہانہ کر کے بھاگ گیا ہے!؟ کہیں آنند میرے یہاں آنے کے مقصد کے بارے میں کچھ سونگھ تو نہیں گیا ہے— اگر ایسا ہے تو Complaint میں جان ہے۔ مگر کیا آنند اِس حد تک گر سکتا ہے؟ اپنے پیشے سے پیار کی خاطر شادی کے بندھن کو بیڑی سمجھنے والا ایک Patient کے ساتھ— چھی چھی۔ آنند تم کیا تھے— اور کیا بن گئے!

Cut To

سین - ۵

(آنند ایکسرے روم میں ایک کولہو کے بیل کی طرح چکّر لگا رہا ہے۔ ڈاکٹر اجیت جب کمرے میں داخل ہوتا ہے تب آنند یوں چونک پڑتا ہے گویا بھوت دیکھا ہو مگر اجیت کو دیکھ کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے)

اجیت: ایسا کیا ہوا جو آپ یہاں ایکسرے روم میں، چپ چاپ بیٹھے ہیں؟

آنند: وہی جس کا مجھے ڈر تھا— نان کو آپریشن۔ پارو کا کل ایکسرے ہوا ہی نہیں— وہی لوگ— وہی کرتوت۔

روشن: کیا ہوا آنند؟ مجھے دیکھ کر تم پریشان ہو گئے یا حیران؟

آنند: تم گئے نہیں؟

روشن: بارش تھم جائے تو چلا جاؤں گا— کیوں کیا ہوا؟ Any Problem بولو کیا ہوا۔

آنند: کچھ نہیں— ہماری ایک Usual پرابلم۔

اجیت: Unusual حالات پیدا کرنے کے لیے۔ Concerning us only۔ ڈاکٹر آنند Patient کہاں ہے؟

آنند: اندر گئی ہے— ایکسرے کے لیے۔ اچھا ہوا جو ڈیوٹی پر رحمان صاحب تھے۔ ورنہ آج بھی کام نہیں ہوتا۔

اجیت: میں دیکھ آتا ہوں کہ ایکسرے ہوا بھی یا نہیں۔

آنند: ٹھیک ہے— دیکھ آؤ— پلیز۔

میں— Oh I am sorry۔ اجیت اِن سے ملو یہ ہیں۔

روشن: میں روشن کار...... پیشے کے اعتبار سے پولیس کی نوکری کرتا ہوں۔ شاعری سے لگاؤ ہے۔ یہاں ایک مشاعرے میں شرکت کرنے آیا ہوں۔

آنند: اجیت میں روشن کے ساتھ جا رہا ہوں— ایکسرے دیکھ کر مجھے فون کرنا— میری بات سمجھ رہے ہونا— سمجھ گئے نا—؟

روشن: (خود کلامی) کچھ کچھ میں بھی سمجھنے لگا ہوں— مگر کیا کروں دماغ کی بات دل نہیں مانتا ہے۔

آنند: روشن کہاں کھو گئے؟ (ہنسی) شعر کی تلاش میں نا؟

روشن: (ہنسی) ہاں، شعر کی تلاش میں۔ جذبات، خیالات، واقعات اور احساسات کے گہرے پانی میں غوطے لگاتے ہوئے— ڈر رہا ہوں کہیں ڈوب نہ جاؤں—

(دونوں ایکسرے کمرے سے نکل جاتے ہیں)

سین-٦

(روشن اور آنند ہسپتال کے برآمدے میں چل رہے ہیں۔ چوکیدار دھرنے پر بیٹھے دونوں نوجوانوں کو کچھ اشاروں میں ہدایات دے کر ایک مکّار لومڑی کی طرح دور کھڑا رہ کر دھرنے والوں کا Reaction دیکھنے کے لیے Watch کرتا ہے لیکن جونہی ڈاکٹر آنند اُن کے پاس رُک جاتا ہے دھرنے والے دونوں خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر چوکیدار کو غصہ آتا ہے)

چوکیدار: (خودکلامی) یہ کیا۔ دونوں کچھ نہیں بولے۔ ارے سالو۔ کچھ تو بولو— سانپ سونگھ گیا کیا؟ نئے آدمیوں کو دھرنے پر بٹھا کر میں نے غلطی کی ہے— خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ لازماً— ورنہ جیتی ہوئی بازی ہار جاؤں گا۔

(آنند بچوّں کو دیکھ کر دھرنے پر بیٹھے نوجوانوں سے باتیں کرتا ہے۔ روشن اور چوکیدار معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر سن رہے ہیں)

آنند: یہ بچےّ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

پہلا آدمی: ایک عورت چھوڑ کر جانے کہاں چلی گئی۔

دوسرا آدمی: چاروں بچوّں کا رنگ نیلا پڑ گیا ہے۔ کہیں ٹھٹھر کر مر نہ جائیں۔

آنند: (غصّے سے) یہ دِکھائی دے رہا ہے تو کچھ کرتے کیوں نہیں یا کسی کی جان بچانے کے لیے بھی اسٹرائک ہے۔

پہلا: ہم کر ہی کیا سکتے ہیں جناب۔

آنند: اسٹور سے چار پانچ کمبل نکال کر اِن پر ڈال دو۔ کچن سے چائے لاکر اِن کو پلا دو۔

دوسرا: بہتر جناب۔

پہلا: یہ ثواب کا کام ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ماں کو بچوّں کی فکر ہی نہیں۔

آنند: ان کی ماں ایکسریکمرے میں ہے۔ بہت ہی خستہ حالت میں ہے۔

دوسرا: آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟

آنند: پارو کی بات کر رہا ہوں۔ چونک کیوں پڑے؟

دونوں: نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔

آنند: پھر جایئے— بچوّں کی مدد کیجیے— (غصّے سے) جایئے۔

(آنند آگے نکل جاتا ہے تو چوکیدار روشن کے ساتھ ساتھ چند قدم چل کر سرگوشیانہ انداز میں ایک جملہ پاس کرتا ہے)

چوکیدار: یہ اُسی عورت، پارو کے بچےّ ہیں۔

(چوکیدار یہ کہہ کر آنند کو Provocative Looks دے کر آگے نکل جاتا ہے۔ آنند کی یہ کیفیت روشن نوٹ کر لیتا ہے۔ اور دونوں ہسپتال کے لمبے برآمدے میں آہستہ آہستہ چل کر باتیں کرتے ہیں)

روشن: آنند، تم بہت زیادہ Tense ہو۔ You can't deny it۔

آنند: ہاں، میں Tense ہوں۔

روشن: Tension کی وجہ میں تو نہیں؟

آنند: نہیں تو۔ روشن پاروتی کی حالت بہت Critical ہے۔ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ Improvement

کی بات کیا کروں مجھے لگ رہا ہے کہ اُس کی حالت بد سے بدتر ہو چکی ہے —شاید آپریشن......

روشن: (بات کاٹ کر) سرد ہوائیں بتا رہی ہیں کہ آج برف باری ہوگی۔

آنند: برف ہو یا بارش غریبوں کے لیے قہر ہے۔ مجھے پارو کے بچّوں کا خیال آتا ہے۔

روشن: تمھاری تڑپ دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے وہ تمھارے اپنے بچّے ہوں۔ آنند یہ پارو ہے کون؟

آنند: کون ہے۔ کہاں سے آتی ہے۔ یہ مجھے معلوم نہیں۔ تین مہینے پہلے اس ہسپتال میں آئی تھی۔ تب حالت قدرے بہتر تھی—

Flash Back

سین -۷

(ڈاکٹر آنند کا او پی ڈی روم۔ ارد گرد بہت زیادہ بیمار۔ تقریباً سبھی کھانس رہے ہیں۔ آنند پارو کی فائیل اٹھا کر ایکسرے دیکھ لیتا ہے۔ پھر معائنہ کرتے ہوئے پارو کے چہرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے باتیں کرتا ہے۔ پارو میلے کچیلے لباس میں بھی بہت خوبصورت نظر آرہی ہے)

آنند: کیا نام ہے؟

پارو: پاروتی —پارو!

آنند: عمر؟

پارو: ۲۵ سال......(کھانسی)

آنند: نبض دیکھ لوں۔ سانس لو—لمبا سانس— پھر— پھر— کھانسنے سے چھاتی میں تکلیف ہو رہی ہے نا؟

پارو: ہاں۔ بہت زیادہ، بخار بھی رہتا ہے۔

آنند: کیسے معلوم؟

پارو: بدن ٹوٹا ہوا لگتا ہے۔

آنند: کب سے؟

پارو: چھ سات مہینے سے۔

آنند: ہسپتال والوں نے جو دوائی دی تھی، وہ لیتی ہو؟

پارو: ہاں۔ (کھانسی)

آنند: تھوک کے ساتھ خون آتا ہے؟

پارو: کل کام کرتے کرتے بہت کھانسی آئی۔ پھر......(کھانسی) پھر خون کی اُلٹی آئی۔

آنند: کیا کام کرتی ہو؟

پارو: لالہ جی کے کارخانے میں کام کرتی ہوں۔

آنند: کام کیا کرتی ہو۔ یہ بتادو؟

پارو: نسوار اور تمباکو کا کام۔

آنند: Oh my God--! کریلے کے اوپر نیم کا پانی۔

پارو: (کھانسی) میں کچھ سمجھی نہیں۔

آنند: کتنے بچے ہیں۔

پارو: چار۔

آنند: تمھارا مرد کیا کام کرتا ہے۔

پارو: وہ......وہ......(کھانسی کا زبردست دورہ) معاف کرنا۔ (کھانسی کا زبردست دورہ) معاف کرنا۔

آنند: کوئی بات نہیں۔

پارو: آپ ناراض تو نہیں۔

آنند: نہیں— ہاں افسوس ہے کہ اُلٹی کیوں آ گئی؟ دیکھو اتنے خوبصورت چہرے پر خوف یا ڈر کے تاثرات اچھے نہیں لگتے۔

(ڈاکٹر آنند اپنے کوٹ پر لگے پارو کے اُلٹی کے دھبے دیکھ کر کوٹ اُتارتا ہے اور جب وہ پھر پارو کو Attend کرتا ہے— فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے— آنند ریسیور اٹھاتا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر شرما ہے)

سین-۸

ڈاکٹر شرما: ڈاکٹر صاحب آپ یہاں آئیں پلیز— ایک سیریس پرابلم ہے۔

آنند: بھئی یہاں سو سے زیادہ بیمار ہیں— ان کو چھوڑ کر۔

ڈاکٹر شرما: سر آئی سی یو میں رکھے Patient کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے۔

آنند: Have you not put him on Oxygen?

شرما: Not yet Sir.

آنند: (غصے سے) کیوں؟ (چلا کر) جب میں نے کہا تھا— پھر......Why don't you reply?

شرما: Sir the concerned man is ......۔

آنند: (بات کاٹ کر) ڈاکٹر شرما میں جانتا ہوں کہ وہ اسٹرائک پر ہے۔

شرما: کمرہ Locked ہے۔

آنند: (غصے سے) تالا لگا ہے تو تالے کی چابی لے لو۔

شرما: سر یونین والے......

آنند: اُن کو ارجنسی اور ایمرجنسی کو سمجھنا چاہیے— نہیں سمجھتے ہیں تو سمجھا کر اسٹور کی چابی لے لیجیے۔

شرما: نہیں مان رہے ہیں سر۔

آنند: بیمار آکسیجن کے بغیر دَم توڑ دے گا۔

شرما: آپ یونین والوں سے خود بات کریں۔

چوکیدار: ہم سے بات کرنا چاہتے ہو ڈاکٹر؟

آنند: کون چوکیدار؟

چوکیدار: گوری شنکر — نام یاد نہیں رہتا کیا — ؟ یا پھر ہم سب وہاں آ کر سب کے نام تمھارے ماتھے پر لکھ دیں۔

آنند: ایک یونین لیڈر کو تمیز و تہذیب کا خیال رکھنا چاہیے۔ آئی سی یو میں بیمار آکسیجن......

چوکیدار: بیمار سے ہمدردی کا ڈرامہ مت کرو۔ اُس کی حالت کیوں خراب ہوگئی؟ تمھاری لاپروائی کی وجہ سے۔ تم تو خود دیکھنے بھی نہیں آئے۔

آنند: یہاں او پی ڈی میں بھی تو مریض ہی مریض ہیں، گوری۔

چوکیدار: گوری شنکر — یونین پریزیڈنٹ۔

آنند: (بوکھلا کر) ٹھیک ہے — صدرِ محترم — چابی دلا دو — ورنہ......

چوکیدار: ورنہ کیا کرو گے — آندھی کو روک سکو گے۔

آنند: مضبوط دیواریں آندھی کا رُخ موڑ دیتی ہیں — سمجھنے کی کوشش کرو۔

چوکیدار: ہم طوفان بن کر دیواروں کو اکھاڑ پھینک دیں گے۔

آنندہ: دھمکا رہے ہو۔

چوکیدار: نہیں فی الحال سمجھا رہا ہوں — آکسیجن چاہیے تو اسٹور کیپر کی شہ رگ پر رکھا اپنا ہاتھ اٹھا دو۔ جو ہو رہا ہے وہ ہونے دو۔ تمھارے گھر سے تو کچھ نہیں جا رہا ہے۔ (ڈاکٹر آنند کو غصہ آتا ہے)

آنند: تم آئی سی یو میں کیا کر رہے ہو — تمھاری ڈیوٹی گیٹ پر ہے۔

چوکیدار: تم سے یہی بات کہنے آیا ہوں۔ اسٹور چیک کرنے کا آرڈر واپس لو — اور چابی لو —

آنند: گویا یہ ہائی جیکرس کی طرح سودے بازی کر رہے ہو۔

چوکیدار: ہم جو کرتے آئے ہیں۔ وہی کریں گے — اچھا کیا ہے بُرا کیا ہے۔ اس کا فیصلہ ہم ہی کرتے آئے ہیں۔ کہو، کیا کرنا چاہتے ہو۔ جنگ یا سمجھوتہ؟

آنند: ڈاکٹر شرما کو فون دو!

شرما: Yes Sir

آنند: تالا توڑ دو — (چلا کر) یہ ایک انسان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔

شرما: سر، یہ لوگ — Sir they are aggresive۔ بدتمیزی پر اُتر آئے ہیں۔

آنند: (غصے سے) ڈرامہ رہا تو رہنے دو۔ — میں آ رہا ہوں۔ انتظار کرو۔ تالا میں توڑ دوں گا۔

سین -۸- اے

(ڈاکٹر آنند فون چھوڑ کر جونہی کمرے کے باہر جانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ پارو رو پڑتی ہے)

آنند: میں تھوڑی دیر بعد دیکھ لوں گا۔ انتظار کرو۔

پارو: میں بچوں کو سڑک پر چھوڑ آئی ہوں۔

آنند: (غصے سے) تو میں کیا کروں—!

(ڈاکٹر آنند کی آواز سن کر کمرے میں بہت سارے مریض زبردستی داخل ہوتے ہیں۔ اور ڈاکٹر آنند کے چہرے پر چند مردانہ وزنانہ آوازیں سن کر غصے اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات)

ایک آواز: یہ ڈاکٹر ہے یا جلاّد۔

دوسری آواز: اتنے بیماروں کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے؟

آوازیں اور شور: ڈاکٹر بھگوان کا رُوپ ہوتا ہے۔ یہ تو شیطان ہے۔ بے رحم ہے۔ افسر شاہی کا نمونہ، غیر ذمّے دار ہے، مغرور ہے، عورتوں کے ساتھ بدسلوکی، یہ نا قابلِ برداشت ہے۔ گھیراؤ کرو— جانے مت دو— کاش کوئی اخبار والا یہاں موجود ہوتا۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔

(ڈاکٹر آنند کا کلوز اپ)

Flash Back Ends

سین -۸- بی

(آنند اور روشن آنند کے کمرے میں باتوں کا سلسلہ شروع کرتے ہیں)

روشن: پھر؟

آنند: میں نے تالا توڑا— چوکیدار اور اسٹور کیپر نے خوب Exploitation کی۔ ہنگامہ برپا ہوا۔ کہا گیا میں نے پارو سے بدتمیزی کی اور پھر ڈر کے مارے بھاگ گیا۔

روشن: پھر......؟

آنند: آئی سی یو والا مریض مرتے مرتے بچ گیا۔ اور اُس کے Attendants نے مجھے تب Suspend ہونے سے بچایا تھا۔ (تلخ ہنسی) اِس بار بھگوان جانے کس کے کندھے پر بندوق رکھ کر مجھ پر وار کریں— بچ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ (آہ بھر کر) But I care a fig about it

بقول غالب:

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں!
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

(فون کی گھنٹی)

سین -۹

(آنند اور اجیت کی گفتگو)

آنند: ہیلو!

اجیت: ڈاکٹر آنند، آپ کا خدشہ.....اب کیا کہوں۔

آنند: مطلب؟

اجیت: (آہ بھر کر) Most vulnerable left long۔

آنند: ایک اور دردناک کہانی۔ میں حیران ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔

اجیت: ایک اور افسوسناک خبر ہے۔ شنکر کی حالت اور بھی بگڑ گئی ہے۔

آنند: پھر خون کی اُلٹی آ گئی کیا؟

اجیت: ہاں۔خون میں بدبُو ہے۔ میں اُس کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ پارو کو آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔

(آنند فون چھوڑ دیتا ہے اور بہت ہی Frustrated ہے)

آنند: دونوں ہی شنکر ہیں۔ ایک مریض شنکر ہے اور دوسرا گوری شنکر۔

روشن: تم مجھ سے بات کر رہے ہو یا......؟

آنند: (آہ بھر کر) اپنے آپ سے بات کر رہا ہوں۔تم سے بھی۔ بلکہ سارے جہاں سے کہہ رہا ہوں۔

روشن: مگر کیا؟

آنند: ایک وہ ہے جس کی حالت بگڑتی ہی جا رہی ہے ـــ مریض شنکر! دوسرا وہ بھی تو ہے جو حالات بگاڑتا جا رہا ہے ـــ لیڈر گوری شنکر!

روشن: آنند ایسا کیا ہوا جو تم Disturb ہو گئے۔

آنند: بے چاری پارو۔ آپریشن ہوگا۔

روشن: ڈاکٹروں کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ (ہنسی) Waht do you say Anand?

آنند: آپریشن کرنا ایک ڈاکٹر کی ذمّے داری ہے۔ جذباتی مجبوری نہیں۔

روشن: If I am not mistaken Anand.۔تم اپنے سرکاری کام کو کچھ Personalise کر رہے ہو۔

آنند: ڈاکٹر اور مریض کا ایک پرسنل رشتہ ہوتا ہے۔ ایک کو زندگی ملتی ہے دوسرے کو کامیابی یا دِلی سکون۔

روشن: (ہنسی) شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔By the Way یہ عورت جانے کیوں ہسپتال کے ہر طبقے اور ہر گوشے میں گفتگو کا موضوع بن گئی ہے۔تم بتا سکتے ہو کیوں؟

آنند: میں ڈاکٹر ہوں، رپورٹر نہیں۔ مرہم لگاتا ہوں زخموں کو کریدنا میرا کام نہیں۔تم جاننا چاہتے ہو تو جاننے کی کوشش کرو۔ اور اپنے تخلص کار کے آگے لفظ' جان' جوڑ کر روشن جان کار بن جاؤ۔

روشن: (قہقہہ) پوچھتا چھ اس کمرے سے، یعنی تم سے شروع کرتے ہوئے۔ آنند! یہ تو بتاؤ پارو کا پتی کہاں ہے؟

آنند: معلوم نہیں۔

روشن: کون ہے؟

آنند: مجھے کیا معلوم۔

روشن: ہے بھی یا نہیں؟

آنند: (غصے سے) Don't be stupid۔ By the Way Roshan تم نے یہ سوالات پوچھے کیوں؟

روشن: تمھارا دِل کیا کہتا ہے۔

آنند: یوں تو دوست سے باتیں کرو تو دِل کو شریکِ کار رکھنا چاہیے۔ لیکن پولیس والے سے باتیں کرنی ہوں تو دماغ سے کام لینا ہوگا۔

روشن: دماغ کیا کہہ رہا ہے؟

آنند: یہ کہ سوالات پوچھنے کا کوئی مقصد ہے۔

روشن: ہو بھی سکتا ہے۔

آنند: پھر میرا جواب یہ ہے کہ ڈاکٹر کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُمید کا سہارا لے کر اگلے کو بچاؤ۔ اور پولیس والے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ شک کا سہارا لے کر اگلے کو پھنساؤ۔

روشن: مجھ پر بے وفائی کا الزام لگاتے ہوئے تمھاری زبان جلی نہیں؟

آنند: چوکیدار سے میرے بارے میں اُلٹی سیدھی باتیں سن کر تمھارے کانوں میں گرم تیل نہیں پڑا۔

روشن: گویا تمھیں معلوم تھا کہ......

آنند: (بات کاٹ کر) شک تھا اب یقین ہو گیا۔

روشن: کچھ کہنا چاہو گے؟

آنند: نہیں (طنزاً) دوست بن کر میرے خلاف لگائے الزام کی تحقیقات کرنے آئے ہو، تو کرو۔

روشن: (غصے سے Sharply React کرتے ہوئے) میں سمجھ رہا تھا کہ میں چالاک بن کر اپنا سرکاری کام کر رہا ہوں۔ کلیجہ پھٹا جا رہا تھا کہ بھولے بھالے دوست پر شک کا جال کیوں پھینکا ہے۔ لیکن اب یہ جان کر کہ تم تو سب کچھ جان کر انجان ہونے کا ڈرامہ کر رہے تھے یقین ہو گیا کہ......

آنند: رُک کیوں گئے؟

(پارو کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ وہ کھانس رہی ہے۔ اُس کا میلا آنچل خون سے تر ہو گیا ہے۔ آنند پارو کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے۔ جبکہ روشن آنند کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ مگر جونہی آنند آگے بڑھ کر لڑکھڑاتی ہوئی، نہایت Vulnerable Condition میں کھانستی ہوئی پارو کو سہارا

دیتا ہے۔ تب وہ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ خاموش ہو جاتا ہے اور پھر دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔

روشن: (غصّے سے) یہ کہ دھواں نظر آئے تو آگ لگنے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اچھا ہوا جو......

(روشن خاموش ہو جاتا ہے اور آنند پارو کو سہارا دے کر اپنے کمرے میں رکھے ہوئے Consultation Bed کی طرف لے جاتا ہے۔ روشن یہ دیکھ کر باہر جاتے ہوئے رُک جاتا ہے اور پلٹ کر بیٹھ جاتا ہے)

آنند: یہ ایکسرے مجھے دو۔ اور تم لیٹ جاؤ...... لیٹ جاؤ۔

(آنند پارو کو پانی پلا کر Illuminator پر پارو کا ایکسرے دیکھ کر بہت ٹینس ہو جاتا ہے اور بوکھلا کر پارو سے باتیں کرتا ہے)

آنند: پارو تمھارا ایکسرے بتا رہا ہے کہ تم نے دوائیاں نہیں کھائی ہیں۔

پارو: (کھانسی) کھائی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی گولیاں بھی اور......

آنند: (غصّے سے) تم جھوٹ بول رہی ہو۔ (چلاّ کر) جھوٹ بول رہی ہو تم۔ تم نے انجکشن بھی نہیں لگائے ہیں۔

پارو: نہیں ڈاکٹر صاحب (کھانسی کا زبردست دورہ)

آنند: (بوکھلا کر) اب روتی رہو۔ تم نے عذاب کو آواز دے کر بلایا ہے۔

روشن: آنند۔ ایک بات کہوں؟

آنند: (طنزاً) فرمایئے اور اس بات کو بھی دوسری باتوں سے جوڑ کر وہ بات پیدا کیجیے جس سے میرے اسٹاف کو اسٹرائک کرنے میں آسانی ہو۔ اور آپ کو اپنی تحقیقاتی سیکریٹ رپورٹ بھیجنے میں دقت نہیں ہوگی۔

روشن: تمھیں کیا لگتا ہے، میں ایسا کر سکتا ہوں؟ (ہنسی)

آنند: (طنزاً) کون کیا کر سکتا ہے اِس کے بارے میں کوئی سوچتا ہے کیا۔ ہوتا وہی ہے جو کروایا جاتا ہے۔ یونین والوں سے یا تم سے جوشیلی تقریریں، جھوٹی تحریریں، گمراہ کن پروپیگنڈے اور تمھاری رپورٹیں۔ مرض سے بے خبر۔ مریضوں سے لاتعلقی۔ اور سچائی پر جھوٹ کا پردہ۔ اور نعروں کے شور سے دبائی جا رہی مریضوں کی آہ وزاریاں!

(کھانسی کا زبردست دورہ)

آنند: اس عورت کو دیکھو۔ اِس کی خاطر میں دُشمن بن گیا ہوں۔ اور یہ خود اپنی دشمن بن گئی ہے! ورنہ ایک معمولی سا شیڈ و تھا۔ اب تک ٹھیک ہونا چاہیے تھا۔ دیکھو، اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔ گویا میں ڈاکٹر نہیں جلاّد ہوں۔ (غصّے سے) دوائیاں کھائی ہوتیں تو......

پارو: میں دوائی کھاتی رہی ہوں۔ انجکشن لگاتی رہی ہوں۔

آنند: پھر غذا نہیں لی ہوگی۔ دودھ، انڈے، گوشت کھانے کی میں نے تاکید کی تھی...... کی تھی نا؟

پارو: (رو پڑتی ہے) مشکل سے ایک وقت کی روٹی ملتی ہے۔ (کھانسی) وہ بھی اگر کام پر جاسکوں تو (کھانسی) ورنہ...... (کھانسی کا دورہ)

(آنند پارو کو دوائی دیتا ہے۔ اور باتوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے)

آنند: ورنہ......؟

پارو: ورنہ میں تلخ گھونٹ پی لیتی ہوں۔ اور بچے میری دی ہوئی گالیاں کھاتے ہیں۔

آنند: میں بیماری کا علاج کرسکتا ہوں، غریبی کا نہیں۔

روشن: تمھارا مرد کیا کوئی کام نہیں کرتا ہے؟

پارو: کرتا تھا۔ بہت کام کرتا تھا۔ بخار میں بھی رکشہ چلاتا تھا، مگر اب...... (کھانسی)

روشن: آنند! خون کی اُلٹی کیا ظاہر کررہی ہے؟

آنند: (آہ بھر کر) روشن! تم خون دیکھ رہے ہو۔ پولیس افسر جو ہو۔ میں زخم دیکھ رہا ہوں، ڈاکٹر جو ٹھہرا۔ تم اپنی رپورٹ پوری کرو آفیسر۔ اور مجھے......

روشن: گویا (سرگوشیانہ انداز میں) گویا......

آنند: ایک پھیپھڑا چھلنی ہوگیا ہے۔ فوری طور پر آپریشن کرنا ہوگا۔

روشن: پارو سن رہی ہے۔ ذرا آہستہ آہستہ۔

آنند: موت دستک دے رہی ہو تو کیا آہستہ، کیا باآوازِ بلند۔ (آہ بھر کر) میں نے نیند کی گولی دی ہے۔ موت کو سلانے کے لیے نہیں بلکہ تکلیف کو چند لمحوں کے لیے سلانے کی خاطر۔ تم لکھ دو کہ......

(روشن آنند کو دیکھتا ہی رہتا ہے)

آنند: ڈاکٹر آنند نے عورت کو پہلے بیہوش کردیا اور پھر......

Cut To

سین - ۱۰

(چوکیدار دھرنے پر بیٹھے ہوئے آدمیوں سے باتیں کررہا ہے)

چوکیدار: حالات پوری طرح ہمارے قابو میں ہیں۔ عورت ڈاکٹر کے کمرے میں ہے۔ اور بہت اچھی بات یہ کہ پترکار بھی وہاں موجود ہے۔ وہ اپنا آدمی ہے۔ جیسے تیسے وہیں تب تک موجود رہے گا جب تک مسیحا جی کمرے میں داخل ہوکر ڈاکٹر کا...... (قہقہہ) رام نام......

تیسرا: ست ہے۔ (قہقہہ) اور پھر ہسپتال میں اپنا راج ہوگا۔

پہلا: اور ہماری مانگیں؟

دوسرا: ہماری گرم وردی؟

چوکیدار: (کچھ سوچ کر) گرم وردی ہی کیوں؟ (ہنسی) جوتے بھی...... (قہقہہ) وہ محاورے والے نہیں۔ سنو، جونہی مسیحا جی گیٹ کے اندر داخل ہوں تو تم سب دھرنے پر بیٹھے دونوں کارکنوں کے اِرد گرد جمع ہوں گے۔ سمجھ گئے؟ یہ کام یوں ہونا چاہیے جیسے بٹن دبایا اور بندوق چلی۔

تیسرا: بندوق کیوں؟ توپ چلے گی۔ (قہقہہ)

چوکیدار: ایک اور نعرہ لکھ کر تمام ساتھیوں کو دو۔ اور اِس نعرے کی گونج سیکریٹریٹ میں سنائی دینی چاہیے۔ میں نے پترکار سے بہت اچھا رابطہ قائم کیا ہے۔ (قہقہہ) آج ہماری فتح کا دن ہے۔ شام کو جشن ہوگا۔

تیسرا: ہوگا، ضرور ہوگا۔ لیکن گوری شنکر جانے سے پہلے نیا نعرہ تو بتایئے؟

چوکیدار: پارو ڈاکٹر آنند کے کمرے میں ہے۔ وہاں ہمارا ہمدرد پترکار بھی ہے۔ (قہقہہ) موقع کا فائدہ اٹھا کر یہ نعرہ کیسا رہے گا۔

'علاج کا بہانہ ہے
مقصد اپنے...... اپنے بھئی اپنے...... اپنے اپنے
دِل کو بہلانا ہے...... غریبوں کو مسلنا ہے۔'

تیسرا: ارے واہ! اور اس کے بعد وہی پرانے نعرے۔ یہ ہوئی نا بات۔ وہ بات سامنے آئے گی جو ہم لانا چاہتے ہیں۔ واہ کیا بات ہے۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگلے مسیحا تم ہو۔

چوکیدار: (فاتحانہ قہقہہ) تب یہاں کی گدی تمھیں ملے گی۔

Cut to

سین -۱۱

(چوکیدار آنند کے کمرے میں جھانک کر دیکھتا ہے اور معنی خیز نظروں سے روشن کو دیکھ کر بہت ہی Provocative لہجے میں پوچھتا ہے)

چوکیدار: ایک جوان خوبصورت عورت! ہاں پیلی ہے۔ مگر ناشپاتی تو کھانے کی چیز ہے۔ پیلا ہو یا سبز (قہقہہ) میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا افسرِ دوراں؟

(چوکیدار چلا جاتا ہے)

آنند: (آہ بھر کر) کسی کا گھر جل رہا ہے۔ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں واہ! کیا آگ سنہری ہے۔ کیا آنچ سہانی ہے۔

(آنند فون ڈائل کرتا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر اجیت ہے)

آنند: ہیلو ڈاکٹر اجیت! پارو کا آپریشن Delay نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اجیت: I do understood۔ مگر بیڈ Available نہیں۔ اور اس کڑاکے کی سردی میں، ایسے

Patient کو فرش پر بھی......

آنند: نہیں نہیں۔(غصّے سے) اگر بیڈ نہیں مل سکتا تو میرے کمرے میں ایڈمٹ کردو۔

اجیت: ایک بار پھر سوچیے۔اسٹرائک مسیحا......I mean their leader۔کے آتے ہی ٹیمپو پکڑ لے گی اور ہماری بات گھر گھر پہنچے گی۔ پھر کیا سے کیا ہوگا وہ آپ بھی Visualise کر سکتے ہیں۔

سر!.They are very very critical. Bent on doing any thing

آنند: (غصّے سے) اگر وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، تو ہم ایک ہی کام کر سکتے ہیں۔

اجیت: کیا؟

آنند: (Emotional Out Burst) انجکشن دے کر Patient کو مار کر اُس کو عذاب سے نجات دلائیں۔

اجیت: ایک منٹ سر!.........Just hold

Inset (ایک نرس اجیت کو ایک چِٹ دیتی ہے)

اجیت: سر! ہم پارو کو ابھی ایڈمٹ کر سکتے ہیں۔

آنند: Is it so?۔میں جانتا تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کروگے۔

اجیت: سر، آئی سی یو میں رکھا مریض......

آنند: آئی سی یو کا مریض؟ I am sure he is improving۔ٹھیک ہے۔اُس کو اپنے بیڈ پر شفٹ کروا دو۔اور پارو کو......

اجیت: سر، مریض مر گیا۔ابھی Massage مل گئی......

آنند: کیا؟ مر گیا؟ (آہ بھر کر) I am sad۔چلو عذاب سے آزاد ہوا۔

اجیت: میں لاش کو شفٹ کروا دوں گا۔آپ Patient کو یہاں بھیج دیں۔

(پارو پر پھر زبردست کھانسی کا دورہ۔اور خون کی اُلٹی سے آنند کے کپڑے لال ہو جاتے ہیں۔ پارو کو شرمندگی کا احساس ہوتا ہے تو آنند اُس کو تسلیاں دیتا ہے۔)

آنند: کوئی بات نہیں۔تم لیٹی رہو۔ہم تمھیں ابھی ایڈمٹ کر سکتے ہیں۔نہیں نہیں......لیٹی رہو۔

پارو: میرے بچّے! وہ چاروں!!

آنند: تم اپنی فکر کرو۔بچّوں کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔

پارو: وہ بھی بیمار ہیں۔کھانس بھی رہے ہیں۔رات کو چاروں کو ہلکا ہلکا بخار بھی رہتا ہے۔میں ان کو بھی......

آنند: (بات کاٹ کر) میں اسٹریچر بھجوا دیتا ہوں۔

روشن: تم کہہ رہے تھے کہ بیڈ Available نہیں۔

آنند: وہ......ایسا ہے کہ ہمارا ایک مریض آئی سی یو میں تھا — شنکر، وہ مر گیا۔اس لیے......اور کچھ

پوچھنا ہے تو پوچھو۔ میں جلدی میں ہوں۔

(دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور پھر دونوں ایک ساتھ چونک پڑتے ہیں کیونکہ پارو گیند کی طرح اُچھل کر تیزی سے گرتی سنبھلتی اور کھانستی کمرے سے نکل جاتی ہے۔

روشن: بھاگ کیوں گئی آنند! تمھاری Patient؟

(آنند روشن کے سوال کا جواب دیے بغیر کمرے سے نکل جاتا ہے)

سین-۱۲

(دھرنے پر بیٹھے تینوں آدمی باتیں کر رہے ہیں اور ٹھٹھر رہے ہیں)

دوسرا: میں نے کہا تھا کہ یہ سرد لہر ہمارے لیے قہر بن جائے گی۔

پہلا: وہ بچے کہاں گئے؟

دوسرا: اُن کی ماں اپنے ساتھ لے گئی۔ بچے رّوتے بلکتے تھے! اور ماں سسک رہی تھی! مگر وہ آئی سی یو کی طرف کیوں گئی، یہ معلوم نہیں! کیوں گئی ہوگی؟

تیسرا: کیونکہ آئی سی یو میں ابھی ابھی جو مریض مر گیا، وہ معلوم ہے کون تھا؟

(نعروں کی آوازیں Fade Up ہوں گی)

شور اور آوازیں: آ گیا بھئی آ گیا...... مظلوموں کا مسیحا آ گیا — ڈاکٹر آنند مردہ باد — ڈاکٹر آنند بدچلن ہے، بدکردار، معاشرے کے لیے ناسور ہے۔ بدکردار ڈاکٹر کو نکال دو۔ زہریلے پھوڑے کو کاٹ کر پھینک دو۔

چوکیدار: چُپ چُپ۔ ایک ضروری بات۔

(چوکیدار تینوں کو اپنے قریب لا کر سرگوشیانہ انداز میں ہدایات دیتا ہے)

چوکیدار: پروگرام میں تھوڑی تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ اچھے نتائج کے لیے۔ 'ڈاکٹر آنند بدچلن ہے' کی بجائے یہ نعرہ ہوگا: 'ڈاکٹر آنند قاتل ہے، خونی ہے، وحشی درندہ ہے۔'

پہلا: کسی نے پوچھا کہ ڈاکٹر نے کس کا قتل کیا تو کیا جواب دیں؟

چوکیدار: وہی تو بات ہے۔ (ہنسی) کوئی پوچھے گا تو ہم یہ بتا دیں گے کہ آئی سی یو میں جو مریض مر گیا، وہ بچ گیا ہوتا اگر ڈاکٹر آنند اُس کو خود دیکھ آتا۔ وقت پر آکسیجن دیتا۔

تیسرا: فارمولا تو اچھا ہے، مگر چلے گا نہیں! پھر — وہی ہوگا — بیوقوف کہلائیں گے۔ ایک تو اپنی بے عزّتی ہوگی اور پھر مسیحا جی بھی ناراض ہوں گے۔

چوکیدار: تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ تمہید باندھے بغیر نہیں کہہ سکتے؟

تیسرا: جو مر گیا وہ پارو کا پتی تھا اور وہ اپنا ساتھ کیسے دے گی؟

چوکیدار: چُپ چُپ۔ڈاکٹر آنند۔میں مسیحا جی کا سواگت کرنے جارہا ہوں۔اب کیا کرنا ہوگا اُن سے پوچھ کر کریں گے۔تم میرے ساتھ آؤ۔اور تم دونوں یہاں بیٹھ کر دھرنا جاری رکھو۔

(رونے دھونے کی آوازیں پس منظر میں نمایاں طور پر سنائی دیں گی)

(چوکیدار ڈاکٹر آنند کے قریب آنے سے پہلے ہی وہاں سے اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ڈاکٹر آنند کی نظریں پارو کو تلاش کر رہی ہیں۔روشن بھی بوجھل قدموں سے آنند کے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ دھرنے پر بیٹھا ایک آدمی ڈاکٹر آنند کو آواز دیتا ہے۔)

پہلا: ڈاکٹر صاحب!

آنند: کہو (غصّے سے) گالیاں دینی ہیں یا نعرے سنانے ہیں؟

پہلا: آپ کس کی تلاش کر رہے ہیں؟

دوسرا: میں جانتا ہوں۔پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ڈاکٹر صاحب پارو کی تلاش کر رہے ہیں۔ہے نا ڈاکٹر صاحب؟

آنند: ہاں! وہ کہاں ہے بتا سکتے ہو؟ بتا دو بعد میں بے شک نعرے سنا دینا۔چُپ کیوں ہو؟ ارے بھائی اُس کا فوری طور پر آپریشن ہونا ہے، ورنہ مر جائے گی۔

(نعرے نمایاں طور پر سنائی دیں گے۔نعروں کے ساتھ رونے دھونے کی نمایاں آوازیں۔

پہلا: ڈاکٹر صاحب، پارو آئی سی یو میں ہے۔

آنند: (سوچ کر) ڈاکٹر اجیت لے گیا ہوگا۔(آہ بھر کر) حالت تشویشناک تو ہے)

(آنکھوں میں اُمید کے تاثرات) پارو کو بچالینا ہوگا۔She must live۔اس کو جینا پڑے گا۔

(بڑبڑا کر) درخت اُکھڑ جائے گا تو......

(ڈاکٹر آنند کی Thought Process کے ساتھ سوزیدہ موسیقی)

(آنند کی آواز اور آنند کا Stunned چہرہ)

تیز ہوا کے جھونکوں سے
درخت تھرتھراتا ہے
ہر شاخ کانپتی رہتی ہے
اور پتّے گرتے جاتے ہیں
(آہ بھر کر) جیسے ایک طوفان میں
بچّے ماں سے بچھڑ جاتے ہیں
اور پھر کھو جاتے ہیں
(آہ بھر کر) کھو کر پھر......!

(ڈاکٹر اجیت کی آواز آنند کے احساسات کے سلسلے کو توڑ دیتی ہے)

ڈاکٹر اجیت: (چونک کر) کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب؟

آنند: پارو کی حالت......!

اجیت: (بات کاٹ کر)Pathetic......

آنند: Obviously۔لیکن۔(چونک کر) لیکن آپ!?You should have been in I.C.U.
آپریشن فوراً کرنا ہے۔(بوکھلا کر)I never expected it
(وہ نیم دوڑتا ہوا یہ مکالمے ادا کرے گا)
(اجیت آنند کی کیفیت بھانپ لیتا ہے)

اجیت: (دبی آواز میں۔ ہچکچاہٹ کے ساتھ) ڈاکٹر صاحب! لاش کو نکالنے کے بعد ہی اگر آپ آئی سی یو میں جائیں تو بہتر۔

آنند: اگر آئی سی یو میں لاش ہے۔تو پارو کہاں ہے؟

اجیت: آئی سی یو سے اپنے پتی کی لاش......

آنند: What? (Shocked)
(سوزیدہ موسیقی کاInterlude جس پر اچانک نعروں کی آواز Overlap کرے گی)
(روشن آنند کا چہرہ دیکھ رہا ہے اور وہ نعروں کی آوازیں سن کر اپناReaction دے رہا ہے)

روشن: اے آنند! — کیا ہوا؟ — تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟
(نعروں کی آوازیں نمایاں طور پر سنی جائیں گی)

آوازیں: مسیحا زندہ باد! — ڈاکٹر آنند مردہ باد! — ہمارا دشمن کون؟ ڈاکٹر آنند! قصائی آنند! — غریبوں کا خون چوسنے والا کون؟ آنند — آنند بھیڑیا! — بھیڑیے کو — جیل بھیج دو! جیل بھیج دو۔

ایک: دروازے اور مین گیٹ بند کر دیے گئے ہیں۔

دوسرا: کیا فرق پڑتا ہے؟ ہوا اور آواز کو کون روک سکتا ہے۔
(آنند Stunned ہے اور اِرد گرد لوگوں کے چہروں کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ بڑبڑا رہا ہے اور اِرد گرد کھڑے لوگ اُس کی باتیں سن کرPositive Reactions دے رہے ہیں)
وجاہت اور شجاعت کی کہانیاں حکایتیں کہلاتی ہیں! — رفاقت اور سخاوت کی کہانیاں کہاوتیں کہلاتی ہیں! — طلسمات کی کرامات کی کہانیاں داستانیں کہلاتی ہیں! — یہ کیسی کہانیاں ہیں، کیا کہلاتی ہیں؟
(نعروں کی گونج)

اجیت: ڈاکٹر صاحب! میرے خیال میں ہمیں بھاگ جانا چاہیے۔ ہماری جان خطرے میں ہے۔

دوسرا: بیچاروں کی جان بھی تو خطرے میں ہے۔

آنند: (بڑبڑا کر) لوگوں کو لوگ، گل اور بلبل کی رومانی کہانیاں سناتے ہیں! — رنگ اور خوشبو کی روحانی کہانیاں سناتے ہیں! — فطرت کی زبانی، ہوس اور حرص کی دردناک کہانیاں سناتے ہیں!

(اِردگرد لوگ سنجیدہ ہوجاتے ہیں)

آنند: (بڑبڑاتے ہوئے) حادثات کی زبانی، حالات کے صدمات کی، سوزیدہ کہانیاں سناتے ہیں۔ یہ کہانیاں کوئی کسی کو کیوں نہیں سنانا چاہتا ہے؟ شاید یہ ایک تماشہ ہے۔ہم خود ایک تماشہ ہیں! ہم خود تماشائی ہیں!!

(نعروں کی نمایاں آواز)

آنند: (آہ بھر کر) مرنے والے، خود ہی اپنی موت پر، نوحہ خوانی کریں۔ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ پھر میں کیوں! — کیوں؟ — کیوں!

(آنند ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح اپنے آپ کو خود ہی یونین والوں کے حوالے کر کے سر پکڑ کر اسپتال کی اِنٹری کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا ہے — روشن آنند کو دیکھ کر گویا مفلوج ہو جاتا ہے۔ پس منظر میں نعروں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔)

پہلا: بے وقوف — جاہل — نادان!

دوسرا: کون؟

پہلا: ہم دونوں — بلکہ ہم سب!

○○

انوکھی رات نرالی صبح

اہم کردار

- جج رگھوناتھ: عمر ۴۰ سال
- ڈاکٹر جانکی: عمر ۳۵-۳۶ سال
- دشرتھ: عمر ۷۰ سال
- بابا: عمر ۷۵ سال
- ہنومان: ۴۰ سال
- بلوا منگل: عمر ۷۵ سال
- مایا
- سوامی
- اور چند کردار جو بھٹکتی ہوئی آتماؤں کی عکاسی کر سکیں۔ یعنی وہ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں نظر آئیں گے۔ چہرے ڈھکے ہوئے ہوں یا اپنے مخصوص گیٹ اَپ میں ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام کردار جو مکالمے بولتے رہیں گے ان کی گونج ساتھ ساتھ سنائی دے گی اور پھر گونج کا Fade Out ہوگا۔ اس کے بعد ایک چونکا دینے والا Sound Effect ہوگا اور پھر دوسری آواز کا Fade In واس کی گونج کا Gradual Fade Out۔

اہم نوٹ: یہ ڈرامہ اسٹیج پر بھی کھیلا جا سکتا ہے مگر ٹیلی تھیٹر کے لیے یہ اسکرپٹ زیادہ موزوں ہے۔

اہم نوٹ: یہ ڈرامہ بطور ٹیلی تھیٹر دکھایا جائے تو بہتر کیونکہ مکالموں کے ساتھ ایکشن اور ری ایکشن ڈرامائیت کو ابھارنے میں مفید ثابت ہو سکے گی۔

اسٹیج پر یہ کمی کرداروں کی Body Language اور ڈرامے کے Salient Feature ڈرامے کے ڈائریکٹر کے اپنے Treatment و روشنی کے Effects سے Convey کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ جج رگھوناتھ کی موجودگی پر سین میں اس لیے مکالموں کے ساتھ اُس کے تذبذب، خدشات وغیرہ تاثرات کو اُس کی Body Language سے ہی ظاہر کی جا سکتی ہے۔

سین-۱

(ایک ڈرائنگ روم کمرے، میں مدھم روشنی۔ ایک کونے میں جج رگھوناتھ تذبذب میں بڑبڑا رہا ہے۔ اور پھر بے چین ہو کر ایک کولہو کے بیل کی طرح چکر لگا رہا ہے۔ اُس کی آواز میں درد اور تڑپ نمایاں طور پر ظاہر ہو رہی ہے)

رگھوناتھ: دن گزر گیا ہے! شام ہو چکی ہے! لمبے کروٹیں بدل بدل کر رات بھر مجھ سے ایک ہی سوال پوچھتے

رہیں گے! اور میں!؟ اُف، اُف! یہ ایک اُلجھن ہے؟ ایک معمہ ہے؟ یا ایک امتحان!؟

(آندھی کی آواز کا Gradual Fade In اور پھر تیز آندھی کی نمایاں آواز جو رگھوناتھ کو پہلے چونکا دے گی اور پھر ڈرا دیتی ہے۔ اور ایسی کیفیت اُس کی Body Language سے ظاہر ہو گی)

رگھوناتھ: (حیران ہو کر) یہ کیسی آندھی ہے؟! نہ کھڑکیاں بج رہی ہیں اور نہ پردوں کی جنبش نظر آ رہی۔!

(اچانک یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سناٹے نے آندھیوں کی آواز کو دبوچ لیا ہو)

رگھوناتھ: (گھبرا کر) یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہو بھی رہا ہے یا— مجھے محسوس ہو رہا ہے؟ کہیں میں اپنے آپ سے تو نہیں خوفزدہ ہو رہا ہوں؟ جانکی کا فیصلہ—!؟ اور پھر سزا؟ عبرت ناک سزا؟ کیا میں عدالت میں سُنا سکوں گا؟ میں ڈگمگا گیا تو—؟ تو کیا ہوگا۔ میں منصف ہوں اور میں جو بھی کروں گا۔ انصاف کہلائے گا۔

(جج رگھوناتھ کے تذبذب کا Projection اُس کی Body Language سے ہوگا)

رگھوناتھ: (دَبی دَبی آواز میں) یہ مجھے کیا ہو گیا؟! سب کچھ بدلا بدلا سا کیوں لگ رہا ہے؟ میں بدل گیا ہوں یا حالات بدل گئے ہیں؟

(اچانک آندھی کی آواز اُس کو ڈرا رہی ہے۔ اور اس بار وہ ایک آواز سن کر چونک پڑتا ہے کیونکہ آواز کا Multiple Echo اُبھر کر چند لمحات کے لیے ڈوب کر پھر سنائی دے رہا ہے اور آواز کے ساتھ آندھی کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے)

دشرتھ: تم بدل گئے ہو! کیونکہ تم اپنی بیوی جانکی کو سزا دے رہے ہو!

رگھوناتھ: ک......کو......کون ہو تم؟

دشرتھ: اپنے باپ کی آواز کو پہچان نہیں سکتے؟ رگھوناتھ میں دشرتھ ہوں۔ (آہ بھر کر) میں نے تمھیں سزا دی تھی!

رگھوناتھ: آپ سامنے کیوں نہیں آ رہے ہیں۔

دشرتھ: ڈر تو نہیں جاؤ گے سچ کی اصلی صورت دیکھ کر۔

رگھوناتھ: سچ دیکھ کر اگر ڈر بھی لگ جائے تو سوچ نہیں بدل جائے گی۔

سین-۲

(ایک شخص سفید پیرہن پہن کر سامنے آ جاتا ہے۔ رگھوناتھ اپنے ڈر پر مشکلاً قابو پا کر جب دشرتھ کے قریب جانا چاہتا ہے تب دشرتھ اس کو روک لیتا ہے)

دشرتھ: یہ نہیں پوچھو گے کہ میں کیوں آیا ہوں یہاں۔

رگھوناتھ: اگر آپ جانکی کی سفارش کرنے آئے ہیں تو۔

دشرتھ: (بات کاٹ کر) نہیں! میں یہ جان لینے کے لیے آیا ہوں کہ تم بھگوان رام کی طرح سیتا کو سزا دو

گے یا نہیں۔

رگھوناتھ: ثبوت اِس کے حق میں نہیں ہیں۔اس لیے سزا— دوں گا۔

دشرتھ: ایک اچھا عادل ظالم کو ظلم کرنے کے لیے مظلوم کے ساتھ انصاف ہی کرے گا۔

رگھوناتھ: کرنا ہی دھرم ہے اور کرم بھی۔

دشرتھ: گویا ایک اوتار نے جنم لیا ہے۔اسی لیے تو ہم تمھارے پاس آئے ہیں۔

رگھوناتھ: ہم۔؟

دشرتھ: ہم سب مظلوم ہیں۔اور انصاف چاہتے ہیں۔

رگھوناتھ: سب؟

(ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے اور رگھوناتھ کی Body Language سے یہ ظاہر ہوگا جیسے اُس کے احساسات کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہو)

(دشرتھ چلا جاتا ہے اور آندھی کی آواز اچانک خاموش ہو جاتی ہے)

سین ۔۳

(رگھوناتھ فون پر کسی سے بات کر رہا ہے)

رگھوناتھ: ہیلو، جی ہاں بول رہا ہوں۔جی ہاں، ڈاکٹر جانکی میری بیوی ہے۔(ناراض ہو کر) اپنائیت کی آڑ میں ایسے سوالات پوچھ کر اپنا پن لہولہان ہو جاتا ہے۔جی ہاں، کل فیصلہ سُنایا جا سکتا ہے۔

No more questions please.

(رگھوناتھ کے چہرے پر غصّے اور تشویش کے تاثّرات۔اچانک وہ بادلوں کی گرج سن کر چونک پڑتا ہے)

رگھوناتھ: (خود کلامی) اس موسم میں یکایک اتنے زور کی بارش! آج جو بھی ہو رہا ہے۔Unusual ہے۔ آندھی کی آواریں سنائی دے رہی ہیں۔مگر نہ درختوں کی شاخیں ہل رہی ہیں۔اور نہ کھڑکی کے پردوں میں جنبش ہے۔

(ہنومان چائے لے کر آتا ہے۔اور اُس کے پیچھے پیچھے جانکی آ رہی ہے جانکی مایوس ہے۔دَبی دَبی اور سہمی سی ہے۔ہنومان چائے کا کپ رگھوناتھ کو دیتے ہوئے کہتا ہے)

ہنومان: بے وقت پرندوں کا چہچہانا۔یا بن موسم کی اتنی زور کی بارش۔اچھا شگون نہیں ہوتا ہے۔

(جانکی اور رگھوناتھ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔اُن کی Body Language سے لگ رہا کہ دونوں کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کچھ کہہ نہیں پاتے ہیں)

ہنومان: بارش آگ بجھا دیتی ہے۔مگر اس بارش میں تپش کیوں ہے۔

جانکی: (درد بھری آواز میں) میں جھلس رہی ہوں۔انگاروں پر رکھے پھولوں کی طرح۔

رگھوناتھ: (آواز میں لرزش) مجھے لگ رہا ہے۔سیلاب آجائے گا۔اور دریا ایک نیا رُخ اختیار کرے گا! ہمارے گھر کو بہا کر لے جائے گا! پھر کناروں کو کاٹ کر ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر دے گا۔

جانکی: (آہ بھر کر) ورنہ ہم سب کو کاٹھ کے ٹکڑوں کی طرح بھیانک لہروں کے حوالے کر دے گا۔پھر جانے کون کہاں۔(آواز ڈوب جاتی ہے)

ہنومان: جانے کیا ہونے والا ہے۔میرے دادا کہا کرتے تھے کہ مہاراجا کے زمانے میں ایک بے گناہ کو جب پھانسی دی گئی تھی——تب——تب چند لمحوں میں کالے بادلوں نے دبوچ ڈالا تھا۔اور پھر تیز بارش۔

رگھوناتھ: (ہنومان کی بات کاٹ کر) لگتا ہے،بجلیاں ہماری ہی آشیانے پر گر رہی ہیں۔ہنومان! دیکھ کر آؤ کہ یہ بارش ہے یا بادل پھٹ کر ہمارے ہی چھت پر گر پڑے ہیں۔

ہنومان: آپ کا نوکر ہوں۔اور بھگت بھی۔

چھوٹا منہ اور بڑی بات تو ہے۔مگر کہہ دیتا ہوں۔سیتا ماتا کی طرح آپ کی بیوی بھی بے گناہ ہے۔بھگوان رام نے سیتا کو۔نہیں نہیں۔راجا رام چندر نے اپنی بیوی کو سزا دے کر جنگلوں میں چھوڑ دیا تھا۔

(فریاد کرتے ہوئے) جج رگھوناتھ! ڈاکٹر جانکی کو سزا مت دو!(روپڑتا ہے) وہ بے قصور ہے۔ بے گناہ ہے) ورنہ اِس بار جانکی زمین پھٹ جانے سے پہلے جیل کی سلاخوں سے اپنا سر لہولہان کر دے گی۔اور خون کی ہر لکیر ظلم کی داستان بیان کر دے گی۔

(جانکی پر Emotions حاوی ہو جاتے ہیں۔رگھوناتھ کی کیفیت کچھ ملتی جلتی ہے)

جانکی: (بے ساختہ رو کر) میرا جو ہو سو ہو۔مجھے ایک جال میں پھنسایا گیا ہے۔گھر کے اندر بھی حال وہی ہے جو گھر کے باہر حال ہے۔میں کیسے بچ سکوں گی۔جب دستک دے رہا ہے مہا کال۔مجھے اپنے بیٹے کے کھو جانے کی فکر دل و دماغ کو کرید رہی ہے میں ایسی بد بخت ماں ہوں جو اپنے بیٹے پر گرہن لگا چکی ہے۔(بلک بلک کر رو پڑتی ہے)

(اچانک کال بیل کی آواز تینوں کو چونکا دیتی ہے)

رگھوناتھ: (چونک کر) اِس وقت کون ہو سکتا ہے۔کہیں میرے کان تو نہیں بج رہے ہیں۔(پھر کال بیل بجتی ہے اور اس بار لمبی گھنٹی بجتی ہے)

جانکی: (اچھل کر) کوئی ہے؟ شاید منا گھر آیا ہوگا۔ہنومان دیکھ کر آؤ۔

(ہنومان دروازہ کھولنے کی خاطر کمرے سے نکل جاتا ہے)

ہنومان: بھگوان کرے منا ہی ہو۔مگر وہ ہوتا تو بیل بجانے کی بجائے دروازہ کھٹکھٹاتا۔وہ جانتا ہے کہ گھنٹی کی آواز سن کر اُس کی ماں کئی دنوں سے خوفزدہ ہو جاتی ہے۔(آواز دے کر) کون ہے؟ کون ہے؟ لگتا ہے ہم تینوں کے کان بج رہے ہیں۔(ہنومان لوٹ کر آجاتا ہے)

ہنومان: کوئی نہیں ہے۔ ہاں مگر شاید باہر کے لیمپ اُڑ گئے ہیں۔ اس لیے اندھیرا ہے۔ باہر۔ نہ جانے کیوں آج ڈراؤنا ہے۔ اندھیرا گہرا نظر آ رہا ہے۔

رگھوناتھ: (غصے سے) جو نظر نہیں آتا اُس کی گہرائی تم نے کیسے دیکھ لی۔ جانکی کے وکیل کی طرح فضول۔ بے مطلب۔ بے مقصد باتیں کر رہے ہو۔

جانکی: (بوکھلا کر) میرا وکیل جو بھی کہہ چکا ہے۔ وہ سچ ہے۔ آپ جھوٹی گواہیوں پر ایک غلط فیصلہ سُنا رہے ہو۔ تو وہ کیا کرے گا؟ (بوکھلا کر) ایک تیر انداز کے بازو بندھے ہوئے ہوں تو وہ مظلوم کی حفاظت کیسے کر سکتا ہے۔ چاہے وہ ارجن پانڈو خود ہی ہو تو۔

رگھوناتھ: ابھیمنیو کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔ ارجن کیسے بچا پاتا اپنے لخت جگر کو۔ ہمارے بیٹے کو اغوا کر دیا گیا ہے۔ وہ تبھی آ جائے گا جب ہم نہیں میں۔ اغوا کرنے والوں کی مانگیں پوری کر دوں۔

جانکی: آپ ستیہ وادی ہریش چندر کی طرح جھوٹ نہیں بولتے۔ نوشیروان کی طرح عادل ہیں۔ یہ آپ مجھے کل سزا دے کر ثابت کر سکتے ہیں اپنے بیٹے کی خاطر اُن کی مانگیں پوری کر لیں۔ کوئی آپ پر شک نہیں کرے گا۔

ہنومان: کہیں وہ سنجیونی بوٹی تو نہیں مانگ رہے ہیں۔ اپنے کسی مجرم کو بچانے کی خاطر۔

رگھوناتھ: وہ ایک مقدمے کے ثبوت مانگ رہے ہیں تاکہ کروڑوں روپیوں کے گھپلے کا کیس کمزور پڑ جائے۔ وہ بَری ہو جائے۔ (غصے کا اظہار) اور وہ مجرم ہوتے ہوئے بھی مسیحا بن سکے۔ Means I will wash their blackend faces۔ میں بیٹے کو بھی قربان کر دوں گا۔ مگر قانون کو داغ دار نہیں بنا دوں گا۔ میں ایک باپ ہونے کے علاوہ ایک جج ہوں۔ ایک سیشن جج بعد از خدا ہوتا ہے۔ کون کس دن کس وقت اور کس جگہ آخری سانس لے گا۔ یہ بھگوان جانتا ہے یا پھر ایک جج۔ ہاں، بھگوان کسی کو بتاتا نہیں ہے۔ جج کو اپنے فیصلے میں لکھنا پڑتا ہے اور بولنا بھی پڑتا ہے۔

(ہنومان کے چہرے پر زبردست غصے کے تاثرات، فون کی گھنٹی۔ ہنومان ریسیور اُٹھا کر بات کرتا ہے اور پھر ریسیور رگھوناتھ کو دے کر وہاں سے نکل جاتا ہے)

ہنومان: صاحب کا فون ہے!

سین ۔۴

(جانکی ریسیور رگھوناتھ کے ہاتھ سے لینا چاہتی ہے مگر رگھوناتھ خود بات کرتا ہے)

رگھوناتھ: (غصے سے) منا میرا بیٹا ہے۔ تو آپ کا اِکلوتا بھانجہ بھی تو ہے!

(نوٹ: ٹیلی تھیٹر کے لیے یہ ڈرامہ لکھا جائے تو یک طرفہ گفتگو کو ایک مکمل سین کی شکل دے کر دونوں کی گفتگو کو دکھایا جا سکتا ہے۔)

- ایک آئی جی کے بھانجے کا اغوا ہوا ہے۔ کیا یہ نارمل ہے؟

- مجھے آپ کی کوششوں کی Details نہیں چاہیں۔
- کمال ہے آپ سرکاری زبان بول رہے ہیں۔
- مانگ روپے نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی مانگ پوری ہونے پر منا کو لوٹانے کے ساتھ منہ مانگی رقم دینے کی آفر کر رہے ہیں۔
- کیسے مان لوں۔ کوئی آپ کی بیٹی شکنتلا کو اغوا کر کے۔ اُس کی رہائی کے بدلے کسی خونخوار پیشہ ور قاتل کو آزاد کرنے کی مانگ کرلے تو کیا آپ—؟
- ہاں، پلیز پلیز، منا کی تلاش کریں۔
- جانکی کا Conviction ہو چکا ہے۔
- ہاں فیصلہ کل—کیا؟......کیا؟
- جانکی کو باعزّت بَری کر دوں؟
- گویا آپ کی بھی مانگ۔
- بیٹا نہیں ملے گا۔ بیوی کو جیل بھیجنے کی سزا—اور میرا اپنے بارے میں فیصلہ؟ خودکشی کروں گا۔
- گناہ ہے، جُرم بھی، مگر حالات ایسے ہی واقعات بن رہے ہیں۔ مرگیا تو گناہوں کی سزا بھگوان دے گا۔
- مظلوموں کی شکلیں کیوں نا بدلیں گی۔ جب ظالم کہیں اپنی صورت بدلتا رہتا ہے۔
- ہاں آپ مجھے خودکشی کے ارادے کے لیے گرفتار کر سکتے ہیں۔ ہیلو......ہیلو......ہیلو......

رگھوناتھ: (غصّے سے بھڑک کر) تمھارا بڑا بھائی! (طنزاً) باپ جیسا بھائی......!

جانکی: (غصّے سے) میں آپ کے جوابات سن کر ان کے سوالات جان گئی ہوں۔

رگھوناتھ: (بڑبڑا کر) کنس ماما!

جانکی: وہ اپنے بھانجے کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اور آپ اپنے بیٹے کو مرنے سے بچانا ہی نہیں چاہتے ہو! کنس کو ڈر تھا کہ کرشن اُس کو مار ڈالے گا۔ اور آپ کو اپنی Reputation داغ دار ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ خدشہ ہے۔

رگھوناتھ: طعنے کیوں مار رہے ہو۔ جو بھی ہوا یا جو بھی ہونے جا رہا ہے۔ اُس کی ذمہ دار تم ہو۔ You! You! کیا ضرورت تھی ایک حاملہ عورت کو Neglect کرکے۔

جانکی: میں سو بار کہہ چکی ہوں۔ ذاتی طور پر آپ کو۔ تفتیش کے دوران پولیس کو۔ اپنے وکیل کو۔ اُن کے وکیل کو۔ آپ کو عدالت میں۔ کہ میں نے مریضہ کو Neglect نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک قیامت خیز فون سن لینے کے باوجود میں نے آپریشن مکمل کر کے ماں اور بچّے دونوں کو بچالیا ہے۔

رگھوناتھ: فون آیا تھا۔ اور اُس وقت تمھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ......

جانکی: کہ منا کو اغوا کر دیا گیا ہے۔

رگھوناتھ: پھر نرس یا اپنی کسی جونیئر کو فون اٹینڈ کرنے بھیجا ہوتا۔

جانکی: (Frustrate ہوکر) یہ بھی بار بار بتا چکی ہوں کہ ایک نرس کو بھیجا تو تھا۔ مگر وہ Insist کرنے لگی کہ فون کرنے والا مجھ سے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔

رگھوناتھ: (چلاّ کر) ہولڈ کروا دیتی۔

جانکی: (بے ساختہ رو پڑتی ہے) نرس نے کہہ دیا کہ منّا کے بارے میں ہے۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس لیے میں...... (روتی رہتی ہے)

رگھوناتھ: وہ یہ بیان دے چکے ہیں کہ تم اپنی فیس ڈبل کروانے کے لیے۔

جانکی: اُن کے بیان پر آپ کو یقین ہے میرے بیان پر نہیں!

رگھوناتھ: ان کے دس گواہ ہیں۔ تمھارا ایک بھی گواہ نہیں ہے۔ مجرم ہوتے ہوئے تم اپنی مامتا کی آڑ میں اگر دل کی بھڑاس نکال دینا چاہتی ہو۔ تو مجھے ایک ماں سے ہمدردی ہے۔

جانکی: صرف ہمدردی؟

رگھوناتھ: ایک مُجرم کیا ہوتا تو۔ وہ ایک راستہ تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ جُرموں کی شروعات تب ہوئی جب تم نے مریضہ کو آپریشن تھیٹر پر چھوڑ کر ٹیلی فون کال اٹینڈ کی۔ پھر اگر تم کو واقعی اغوا ہونے کی خبر تب مل گئی تھی۔ تمھیں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔

جانکی۔ کیا تھا۔ مگر نمبر بزی تھا۔

رگھوناتھ: میرا نمبر بزی تھا۔ تو تم اپنے بھائی کو اطلاع دیتی وہ ریاست کے آئی جی ہیں۔ (طنزاً) ان کے کئی نمبر ہیں اس لیے جھوٹ بولنے کی کوئی اسکوپ نہیں۔

جانکی: جھوٹ بولنے کا اسکوپ نہیں؟ مطلب میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

رگھوناتھ: Unfortunately Yes! اور سب سے بڑا جرم تو یہ ہے کہ ایک لالچی ڈاکٹر نے اپنے کلائنٹ کے ساتھ ایک مقرر وقت پر بچے کی پیدائش کا جو سودا طے کیا تھا وہ پورا نہ کر کے اُس کو دھوکہ دیا۔

جانکی: (درد بھری آواز میں) اپنے دل سے پوچھو کیا میں ایسی ہوں۔

رگھوناتھ: (آہ بھر کر) جانکی! تم ایسی تو نہ تھی۔ (اچانک ہنومان کی آواز دونوں کو چونکا دیتی ہے)

سین-۵

(ہنومان ایک شخص کو گھسیٹ کر ڈرائنگ روم میں لے آتا ہے)

ہنومان: یہ ہے وہ شخص جو گھنٹیاں بجا کر غائب ہو گیا تھا۔

رگھوناتھ: کون ہے یہ شیطان۔

بلوا منگل: (آواز میں لرزش) میں شیطان نہیں۔ ایک انسان ہوں۔

ہنومان: آج کے شیطان راون جیسے نہیں ہوتے کہ پہچانے جائیں۔ اور نہ اِن کے اڈّے لنکیش کے محل

جیسے ہوتے ہیں۔ جن پر حملہ کیا جاسکے۔ مگر ہنومان کی نظریں سب دیکھ سکتی ہیں۔

جانکی: یہ، یہ شخص اغوا کرنے والوں کا انفارمر ہوگا۔

(بلوامنگل نے پاگل خانے کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور وہ بیسا کھیوں پر چل رہا ہے۔ اور وہ اندھا ہے)

ہنومان: بول کون ہے تو۔

(ہنومان اس کو دھکا دے کر فرش پر گرا دیتا ہے)

بلوامنگل: لوگ مجھے سُورداس کہتے ہیں۔ مگر ماں باپ نے میرا نام بلوامنگل رکھ دیا ہے۔ مجھے مت مارو۔ میں چور نہیں ہوں۔ بلکہ پاگل بھی نہیں ہوں۔ ہاں مگر ایک بھلے آدمی کی مدد سے پاگل خانے سے بھاگ کر آیا ہوں۔

جانکی: کیوں؟

بلوامنگل: جج رگھوناتھ سے ملنے۔

جانکی: (بڑبڑا کر) یہ سچ مچ اندھا ہے یا Emotional Blackmail کرنے کے لیے سوانگ رچا رہا ہے۔

رگھوناتھ: صورت جانی پہچانی سی لگتی ہے۔ بلوامنگل! تم جج رگھوناتھ سے ملنا چاہتے ہو؟ میں ہوں جج رگھوناتھ۔ کہو، کیوں مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟

(بلوامنگل پہلے بے ساختہ ہنس پڑتا ہے اور پھر بے ساختہ رو پڑتا ہے)

رگھوناتھ: وہی ہونا جو میری عدالت میں بھی۔

بلوامنگل: یاد بھی ہے اور بھول بھی گئے ہو۔ جبھی تو پہلے ہنس پڑتا ہوں۔ پھر رو پڑتا ہوں۔ کیا کروں لوگوں کی ایسی عادتوں کو دیکھ کر ایک عادت سی بن گئی۔

رگھوناتھ: بولو، کیوں آئے ہو یہاں۔

بلوامنگل: میں جب ہنس پڑتا ہوں تب لوگ میرے رونے کی آواز سُن لیتے ہیں۔ بتادوں کیوں؟

رگھوناتھ: کیوں؟

بلوامنگل: ہنس لو تو ہنس لے گی دُنیا۔ رونا اکیلے پڑتا ہے۔ مگر تب دُنیا آنسوؤں کو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ اور رونے کی وجہ بھی پوچھ لیتے ہیں۔ وجہ سمجھ میں آئی تو ترس بھی کھا لیتے ہیں۔ نا سمجھیں تو پاگل سمجھ کر۔ یا ڈرتے ہیں یا ڈرا دیتے ہیں۔

جانکی: ہم بہت پریشان ہیں۔ ہمیں اور پریشان نہ کرو۔

بلوامنگل: دل پر کوئی بوجھ ہوگا۔ ورنہ نفرت سے بولے ہوئے جملوں میں درد کی چاشنی نہ ہوتی۔

ہنومان: اپنائیت کی آڑ میں خود غرضی غرض بن سکتی ہے۔ لیکن غرض پوری ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ بتادو کیوں آئے ہو۔ جج صاحب سے ملنے؟

بلوامنگل: سُنا ہے جج رگھوناتھ کی عدالت میں جو سچ بولتا ہے اُس کو انصاف مل جاتا ہے لیکن جج رگھوناتھ نے میری بات ہی نہیں سن لی۔

رگھوناتھ: (غصّے سے) جج عدالت میں سُنتا ہے۔ گھر میں نہیں اس لیے چلے جاؤ۔ میں پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہ کرو۔ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔

بلوامنگل: اب میں کیا کروں۔؟ روپڑوں یا ہنس پڑوں؟ بکرماجیت جہاں کھڑے ہوجاتے تھے۔ وہی جگہ عدالت کہلائی جاتی تھی۔ وہ فریادیوں کو انصاف دیتے تھے۔ سزا دیتے تھے یا جزا دیتے تھے۔ لیکن فریاد سُن کر۔ میری فریاد آپ نے سُن لی ہوتی تو۔ مجھے پاگل خانے نہ بھیجتے۔

جانکی: تم پاگل ہو؟

بلوامنگل: وکیلوں کی دلیلوں نے۔ وضاحت کی وکالت سے۔ جواز کے بل بوتے پر مجھے پاگل بنا دیا۔ میں چلاتا رہا۔ چیختا رہا۔ مگر کسی نے میری بات نہیں سُن لی۔ (روپڑتا ہے) مجھ سے سوال پوچھا جاتا تھا اور مجھے 'ہاں' یا 'نا' میں جواب دینا پڑتا تھا۔ کوئی تو مجھ سے پوچھ لیتا کہ تمھاری کہانی کیا ہے۔ کوئی تو مجھے یہ بتا دیتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ زندہ رہنے کی خاطر یا مرجانے کی خاطر۔

(ہنومان بلوامنگل کو پانی پلا کر دوسرے کمرے میں لے جاتا ہے مگر بلوامنگل جاتے جاتے بہت کچھ کہہ جاتا ہے)

بلوامنگل: جھوٹ ہے یہ کہ جج رگھوناتھ سچ جان کر صحیح فیصلہ کرتا ہے وہ جب کسی کی فریاد ہی نہیں سُن لیتا ہے۔ تب سچ کیا اور جھوٹ کیا؟

جانکی: یہ صحیح باتیں کرتا ہے۔ اِس کو روک لو! (ہنومان اور بلوامنگل رُک جاتے ہیں اور پلٹ کر جانکی کی باتیں سن لیتے ہیں)

جانکی: (درد بھری آواز میں) دیکھو بھائی۔ ہم خود پریشان ہیں۔ میرے مُنّے کو اغوا کیا گیا ہے۔ ہمیں بد دُعا نہ دینا! میں سُنوں گی تمھاری کہانی۔ اور فریاد بھی۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ بلکہ روئی کے گالے کو پکڑ کر دریا پار نہیں کر سکتے!

بلوامنگل: ہاں، یہ ٹھیک کہا آپ نے۔ روئی کاٹھ کے ٹکڑوں کی طرح تیر سکتی ہے۔ مگر پانی چوس کر خود ہی ایک تیرتی ہوئی لاش۔

سین-٦

(رگھوناتھ جو فون پر کوئی نمبر ملانے کی بار بار کوشش کر رہا ہے بلوامنگل کا جواب سُن کر چونک پڑتا ہے اور ریسیور رکھ کر بڑبڑاتا ہے)

رگھوناتھ: یہ شخص سادھو سنتوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔ یہ کوئی گوسوامی تو نہیں۔

بلوامنگل: میں گوسوامی نہیں ہوں۔ نہ وہ بلوامنگل ہوں جس نے اپنی ہوس پرست آنکھیں خود ہی نکال دی

تھیں۔ میں بھجن گانے والا کرشن بھگت سُورداس بھی نہیں ہوں۔ میں ایک فوجی تھا جو سرحد پر لڑتے لڑتے ایک آنکھ کھو بیٹھا۔

ہنومان: گویا میری طرح بہادر ہو؟

بلوامنگل: ہاں! جبھی تو ایک بھلے آدمی نے اپنے گودام کا چوکیدار بنا دیا۔

جانکی: بھگوان نے اچھا کام کرنے کا اچھا پھل دیا۔

بلوامنگل: شاید پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ملا۔

رگھوناتھ: اس جنم میں اب کوئی اچھا کام کرو۔ اگلے جنم میں اچھا پھل ملے گا۔

بلوامنگل: کیا تھا نا! مالک کی وفاداری کی تھی۔ گودام سے مال چرانے والے کو پکڑتے ہوئے دوسری آنکھ بھی نکل گئی اور اپاہج بن گیا۔

رگھوناتھ: معاوضہ نہیں ملا؟

بلوامنگل: چور مالک کا اپنا بیٹا تھا۔ اس لیے ایک سانحہ میری زندگی کا ایک المیہ بن کر رہ گیا۔ گھر کا چولھا جلانے کے لیے گروہ بیچ ڈالا۔ بیٹا کم عمر ہے۔ نوکری کر نہیں سکتا۔ باپ بوڑھا ہے اس لیے بوجھ اُٹھا نہیں سکتا۔ اور میں کچھ کر نہیں پاؤں گا۔ بھیک مانگ نہیں سکتا۔ ایک فوجی تھا۔ سرحدوں کا محافظ میں نے ایک تاجر کو اگر اپنا دل۔ دوسرا گردہ، جگر اور اپنی لاش بیچنے کی رضامندی لکھ کر دی تو۔ آپ نے مجھے پاگل خانے بھیج دیا۔ آپ کا منا کھو گیا۔ (قہقہہ) اور میرے منّے کا باپ کھو گیا۔ (روپڑتا ہے) بس یہی کہنے آیا تھا۔ یہ سچ ہے۔ سچ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو میں عدالت میں نہیں کہہ سکا تھا۔

(بلوامنگل روتے روتے خود ہی چلا جاتا ہے اور تینوں اُس کو یوں دیکھتے رہتے ہیں گویا سکتے میں آ گئے ہوں۔)

(چند لمحات کے لیے سناٹا چھا جاتا ہے)

سین ۔ ۷

(بجلی چلی جاتی ہے۔ اور آندھی کی آواز کا پھر Fade In)

جانکی: اچھا ہوا جو اندھیرا چھا گیا۔

رگھوناتھ: ایسا کیوں سمجھ رہی ہو تم؟

جانکی: دل و دماغ میں اندھیرا ہو تو یہ مصنوعی روشنی آنکھوں میں مرچیاں ڈال دیتی ہے۔ اور (طنزاً) مسیح کا دعویٰ کرنے والے مجرموں سے نظریں ملا نہیں سکتے۔

(ہنومان موم بتّی لے کر کمرے میں داخل ہو جاتا ہے)

ہنومان: صرف ہمارے گھر کی روشنی چلی گئی ہے۔ اور حیرانگی تو اس بات کی ہے کہ اتنی زور کی آندھی چل

رہی ہے مگر نہ کھڑکیاں کھڑک رہی ہیں اور نہ شمع کی لو ٹمٹما رہی ہے۔

جانکی: بلوامنگل چلا گیا کیا؟

رگھوناتھ: اندھا ہے۔کہاں جائے گا؟

ہنومان: اندھے کو اندھیرے میں بھی راستوں کی پہچان ہوتی ہے۔

جانکی: کاش میں بھی اندھی ہوتی، تو اندھے قانون کو دیکھ پاتی۔ اور اندھیرے راستوں پر چل کر اپنے بیٹے کو تلاش کر پاتی!

(فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے اور بجلی گرتے ہی بادلوں کی گرج کی آواز)

رگھوناتھ: ہیلو! ناکہ بندی؟ گویا آپ ایک سوئی کو بہتے دریا میں تلاش کر رہے ہیں؟ نہیں...... کسی نے فون نہیں کیا۔ایک آدمی...... بلوامنگل۔نہیں۔وہ Abductor نہیں ہوسکتا۔

(جانکی ریسیور چھین کر باتیں کر رہی ہے)

جانکی: جج رگھوناتھ نے اُس کو پاگل قرار دے کر پاگلے خانے بھیج دیا ہے ایل جی وشوامتر صاحب! کل مجھے بھی واقعات، حادثات اور رُونما حالات کو قانون کے ترازو میں تول کر مجھے سزا دے رہے ہیں۔مُنّا کو تو سزا مل ہی چکی ہے۔

(جانکی ریسیور رکھ کر جونہی جانے کے لیے جاتی ہے بجلی آجاتی ہے)

رگھوناتھ: اندھیرے کو اُجالے نے دبوچ لیا ہے۔

(کال بیل کی آواز)

رگھوناتھ: شاید مُنّا کو گھر لایا گیا ہے۔

(ہنومان کمرے میں داخل ہو کر میاں بیوی کو چونکا دیتا ہے)

ہنومان: کوئی Patient ہے۔اور وہ درد سے تڑپ رہی ہے۔حاملہ ہے!

جانکی: (غصّے سے) کہہ دو اسپتال لے جائیں۔

ہنومان: وہ اسپتال سے بھاگ کر آئی ہے۔

رگھوناتھ: آدھی رات کو بھاگ جانے والے مجرم ہوتے ہیں۔

جانکی: مجبور اور معصوم بھی ہوتے ہیں۔آفتوں کے شکار بھی ہوتے ہیں۔

رگھوناتھ: یعنی تم مریضہ کو اٹینڈ کر رہی ہو؟

جانکی: Of Course۔

رگھوناتھ: دِل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ایک لالچی ڈاکٹر ایک ماں کو بچہ دے رہی ہے۔اپنے بیٹے کے غم کو نظر انداز کر کے۔

جانکی: آپ سزائے موت دینے کے مجاز ہیں جبکہ میں زندگی کو بچا رہی ہوں۔میں نے اپنے بیٹے کے اغوا ہونے کی قیامت خیز خبر سن کر بھی اس عورت اور اُس کے بچے کو موت کے منہ سے نکالا تھا، جو

میرے لیے مہا کال بن گئے ہیں۔

ہنومان: مریضہ اپنے پتی کی گود میں ہے۔ اگر گر پڑی تو......

رگھوناتھ: ایک اور کریمنل کیس۔ یعنی ہسٹری آف کیس۔

(جانکی کے چہرے پر غصّے اور تشویش کے تاثّرات۔ لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پا کر ہنومان کے ساتھ چلی جاتی ہے اور رگھوناتھ کمرے میں اکیلا ہے اور بار بار فون ڈائل کرتا ہے اور میوٹ سین میں اس کی Body Language سے اس کی Torturous Curiosity کی عکاسی کرتی رہے گی)

سین-۸

(ٹیلی فون کی گھنٹی۔ جانکی بھی دوڑ کر کمرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

رگھوناتھ: ہیلو......ہیلو......!

جانکی: منّا کے بارے میں......

رگھوناتھ: فون کروں تو کوئی بھی نمبر مل نہیں رہا ہے۔ فون آ جائے تو 'ہیلو' کے ساتھ کٹ جاتا ہے۔ (طنزاً) تم مریضوں کو چھوڑ کر یہاں آ گئی۔ حیرت ہو رہی ہے۔

جانکی: کیوں؟ ویسے مریضہ کی حالت Vulnerable نہیں ہے۔ جس کیس میں آپ مجھے سزا دے رہے ہیں وہ بھی تب Vulnerable نہیں تھی جب......

(فون کی گھنٹی پھر بج اُٹھتی ہے)

رگھوناتھ: ہیلو۔ بول رہا ہوں۔

- میری بیوی ہے۔
- نہیں فون کا پلگ۔
- وہ اس لیے Engaged آ رہا تھا کیونکہ ہم خود فون ٹرائی کر رہے تھے۔
- آپ کس ملک سے بات کر رہے ہیں۔
- ناراض مت ہو جائیے پلیز۔ رات کو بدیش سے ہی فون...... میں نے آپ کی آواز پہچانی اس لیے۔
- What do you mena?
- میری بیوی کی اپنی کلینک ہے۔
- ہاں بلڈنگ بھی ہماری اپنی ہے۔
- آپ Cost۔ کیوں پوچھ رہے ہیں۔
- میرے خیال میں آپ اگر دوست ہیں تو یہ عرض ہے کہ ہم کلینک کسی بھی قیمت پر بیچنے کے

لیے تیار نہیں ہیں۔

- اور اگر آپ دوست ہیں تو آپ یا تو مزاحیہ طبیعت کے ہیں۔
- ورنہ احمق ہیں،Idiot۔
- ہاں اگر تم ہمارے دشمن ہو۔Then hell with you۔

(رگھوناتھ ریسیور رکھ کر غصّے سے بولتا رہتا ہے۔

رگھوناتھ: میں سمجھا یہاں رات ہے۔اور بدیش میں دن ہوگا۔ مجھے ایک اجنبی......وہ بھی Rudely بولنے والے سے، بے تکی باتیں کرنے والے سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

جانکی: منا کے بارے میں۔فون تھا......کیا؟

رگھوناتھ: نہیں! تمھاری کلینک پسند آئی ہے راسکل کو۔(سنجیدہ ہو کر) وہ یہ کیوں کہہ گیا کہ کل وہ ہوگا جو آج تک کبھی نہیں ہوا ہے۔اور نہ ہوگا کبھی۔کل یا پرسوں!

(اچانک سوچتے سوچتے چونک کر وہ ایک گیند کی طرح اُچھل پڑتا ہے)

رگھوناتھ: کہیں یہ سودے بازی کا اشارہ تو نہیں تھا۔

جانکی: (آہ بھر کر) میرا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ٹھیک ہے میں کلینک دوں گی، مگر مجھے میرا بیٹا صحیح سلامت مل جائے۔(بے ساختہ رو پڑتی ہے) میں Practice کرنا بھی چھوڑ دوں گی۔منا کو لے کر یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی۔یہاں کون ہے میرا۔ایک قانون کے دائرے میں بند پتی۔جو اگر Witness ہو تو وہ خود اپنی Death Warrent پر دستخط کر دیں گے۔

رگھوناتھ: مجھے قانون پر بھروسہ ہے۔کلینک کے بارے میں مجھ سے Direct بات ہوئی ہے۔میں خود Witness ہوں۔مگر......(سوچ کر) لیکن فون کرنے والے نے منا کا ذکر تو کیا نہیں۔کیس کمزور ہے۔

جانکی: (غصّے سے چلا کر) نہیں دشمن طاقتور ہے۔میرا کیس کمزور ہے کیونکہ گواہ ایک نوزائیدہ بچہ ہے۔اگر میں جھوٹ بول کر یہ کہتی کہ بچّہ مقررہ بلکہ طے شدہ وقت پر پیدا ہوا۔تو کون اعتراض کرتا۔ماں بے ہوش تھی اور طے شدہ وقت کی جانکاری صرف مجھے تھی۔

رگھوناتھ: جرم یہ ہے کہ تم مریضہ کو آپریشن......

جانکی: قصور یہ ہے کہ مہاتما جی نے جو وقت پیدائش کے لیے مقرر کیا تھا، اس کے حساب سے بچہ ایک چکرورتی راجا بن جاتا۔فقط دس منٹ کی دیری سے شہنشاہ کا تخت و تاج برے گرہوں کی خوراک بن گئی!

رگھوناتھ: قانون کی کتاب میں ایسی بیہودہ باتوں کو جگہ نہیں ملی ہے۔پھر بھی تمھیں اس واقعہ کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

جانکی: (بوکھلا کر) بلوا منگل نے اندھا ہو کر بھی کیا آپ کی آنکھیں کھول نہیں دیں؟

رگھوناتھ: مطلب؟

جانکی: یہ کہ ملزم کو عدالت بولنے نہیں دیتی۔ ہاں سوالات پوچھ کر 'ہاں' یا 'نا' میں جواب دینا پڑتا ہے۔ گویا دو کھلاڑی شطرنج کے مہروں کو آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں۔ ایک کھلاڑی جیت جاتا ہے اور دوسرا ہار جاتا ہے۔ فیصلہ آپ سنا دیتے ہیں۔

رگھوناتھ: (سوچ کر) ہاں! جج فیصلہ سنا دیتا ہے۔ مگر یہ بات ایک بیوی اپنے پتی سے کہہ سکتی تھی۔

جانکی: کہہ دینا چاہتی تھی۔ مگر تب اگر وہ بیوی سے پہلے پوچھ تاچھ کر لیتا، اور ایک ملزمہ سے بعد میں...... سوالات کے جوابات...... وہ بھی 'ہاں' یا 'نا' میں مجھ سے پوچھا گیا۔ کیا مریضہ کا آپریشن ہونا تھا؟ میں نے جواب دیا 'ہاں'۔ پھر پوچھا گیا 'کیا مریضہ آپریشن ٹیبل پر تھی؟' میں نے جواب دیا 'ہاں!' آخر میں پوچھا گیا 'کیا آپ مریضہ کو چھوڑ کر آپریشن تھیٹر سے باہر گئی تھی'۔ میں نے جواب دیا 'ہاں!' اور باقی کی من گھڑت کہانی اُن کے وکیل نے بتا دی، جو آپ نے قبول کر لی۔

رگھوناتھ: تم پر لگائے گئے ہر الزام کو Witness نے تمھارے خلاف ثبوت...... ٹھوس ثبوت بنا دیے۔

جانکی: (درد بھری آواز میں) اور یہ ثابت ہوا کہ میں...... ڈاکٹر جانکی ایک لالچی ڈاکٹر ہوں۔ گرہوں کا چکر۔ Favourable Influence دیکھ کر۔ غرض مند کلائنٹ سے منہ مانگی رقم وصول کرنے کے بعد۔ طے شدہ وقت پر آپریشن کر کے بچّے کو کوکھ کے اندھیرے سے نکال کر اس کو من چاہی روشنیاں دِکھا سکوں۔

(جانکی کی آواز ہچکیوں میں ڈوب جاتی ہے)

رگھوناتھ: یہ سب سے زیادہ، بلکہ ایک سنگین جرم ہے۔ قدرت کے فیصلوں کو غلط ثابت کر کے۔ من چاہی جنم کنڈلی کے ساتھ بچے کو ایک رنگین زندگی کا یقین دلانا۔ ایک جھانسہ ہے، ایک گناہ ہے۔ قانون کی کتاب میں ایسی قابلِ نفرت اور قابلِ مذمت کارستانی کو ٹھگنے کا نام دیا گیا ہے۔ اور جس ٹھگ کی وجہ سے کسی کی جان کو خطرہ ہو، وہ ٹھگ قتل کیے بغیر ہی قتل کرنے کے ارادے کے تحت۔

جانکی: سزا! (آواز ڈوب جاتی ہے)

(اپنے Emotions پر قابو پا کر) میڈیکل کاؤنسل آف انڈیا میری Registration کو Cancel کر دے گی۔ اس سے زیادہ ایک ڈاکٹر کو کیا سزا ہو سکتی ہے؟ عمر بھر اپنے پیشے سے دور رہنے سے اچھا ہے کہ جیل چلی جاؤں یا موت کو گلے لگا لوں۔

رگھوناتھ: (جذباتی ہو کر) کیوں میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو۔ (بوکھلا کر) چند سکوں کی خاطر کیوں ایسے کام کرتی ہو؟

جانکی: (سسک سسک کر) پہلی بار ایسا کیس لیا تھا۔ وہ بھی مہاتما جی کے کہنے پر۔

رگھوناتھ: (غصے سے) یہ Living Gods بھی پڑھے لکھے، دانشوروں، قلم کاروں، سنگیت کاروں، صنعت کاروں، فلم کاروں، سرکاری اہلکاروں اور سیاست کاروں کے کاروانوں کی رہبری کر

رہے ہیں۔ میں ان سے دوری رکھتا ہوں۔تم اپنی ضد کی وجہ سے اُن کے قریب ہو چکی ہو، تو......
(بوکھلا کر) اُن سے مدد مانگ لو! وہ لوگ بھی تو مہاتما جی کو بھگوان کا درجہ دے رہے ہیں۔ ان کے کہنے پر وہ Case Withdraw کرلیں تو......
(جانکی Frustrated ہو کر بڑبڑا رہی ہے)

جانکی: وہ ہی تو مجھ سے ناراض ہیں۔
(ہنومان دوڑ کر کمرے میں داخل ہو جاتا ہے)

ہنومان: آج نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ کھڑکی کے شیشوں کو کوئی جھانک کر کچھ پوچھ کر چلا گیا اور اب ٹیلی فون کی گھنٹی......

سین-۹

(رگھوناتھ اپنے دونوں فون چیک کر کے Frustrated ہو جاتا ہے)

رگھوناتھ: اُف! یہ کیا ہو رہا ہے؟ اب تو وِشوامتر بھی فون پر اطلاع دے نہیں پائے گا۔

جانکی: منا مل جائے گا تو کیا وہ اُس کو لے کر خود نہیں آئیں گے؟ وہ لوگ خطرناک ہیں۔ یہ میں جان گئی ہوں۔

رگھوناتھ: تو......؟

جانکی: ہو سکتا ہے مجھ سے انتقام لینے کی خاطر انھوں نے ہی منا کو اغوا کیا ہو۔

رگھوناتھ: جو ہوا وہ منا کے اغوا ہونے کے بعد ہوا ہے۔ (اچانک سوچ کر) لگتا ہے تم کسی سازش کی شکار ہو چکی ہو۔ (ہنومان سے مخاطب ہو کر) جو آیا تھا......؟......؟ وہ کیا کہہ گیا؟

ہنومان: پوچھ رہا تھا کہ کیا واسودیو اور دیوکی یہاں ہیں۔ میں نے ہاں کہہ دیا۔

رگھوناتھ: واسودیو اور دیوکی؟ وہ کون ہیں۔

جانکی: میاں بیوی ہیں۔ دیوکی کا بچّہ ہونے والا ہے۔

رگھوناتھ: تو ان کو اسپتال بھیج دو۔

ہنومان: وہ وہاں سے بھاگ کر آئے ہیں۔

رگھوناتھ: پھر کریمنل ہوں گے۔ اور بہانہ بنا کر ایک جج کے گھر میں چھپنے آئے ہیں۔ (غصّے سے) ان کو فوراً نکال دو۔ ان کا آدھی رات کو آ جانا، پہلے بجلی کا بند ہونا، پھر کسی کا ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔ جانکی! لگتا ہے تم نے شہد کی طرح...... مکھیوں کے چھتّے کو چھیڑا ہم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ کیا معلوم آفت ٹوٹ پڑے ہم پر!

(جانکی ایک عورت کی دردناک چیخیں سن کر دوڑ کر کمرے سے نکل جاتی ہے۔ ہنومان اُس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ رگھوناتھ بھی ان کے پیچھے جاتا ہے مگر فون کی گھنٹی سن کر وہ رُک جاتا ہے۔

سین -۱۰

(رگھوناتھ فون پر بات کرنا چاہتا ہے تو دوسرے فون کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ رگھوناتھ دونوں فون اُٹھالیتا ہے تو ایک فون پر آواز آتی ہے)

رگھوناتھ: ● دونوں فون خراب تھے۔
● ہاں دونوں ٹھیک ہو گئے ہیں۔
● آپ نے دونوں ڈائل کیے تھے...... کیوں؟
● نہیں نیند اُڑ گئی ہے۔
● آپ کون......؟
● ہاں وہ ایک Patient کو......
● آپ واسودیو کو جانتے ہو؟
● دیوکی آپ کی بہن ہے۔
● بہن بھائی سے ڈرتی ہے۔ ارے سکندر کی محبوبہ نے پورس کو راکھی باندھ کر اپنے محبوب کی جان بچالی تھی۔
● کمال ہے آپ کی سگی بہن......
● آپ کلیگ کے کنس ہیں۔
● آپ کیا چاہتے ہیں۔ Be Specific۔
● آپ کے گھر میں۔
● اچھا آپ میرے گھر کی بات کر رہے ہیں۔
● جانکی ڈاکٹر ہے۔ وہ تماشائی بن کر......
● بچہ مر جائے۔ ماں بھی مر جائے۔ آپ کون ہو؟
● اب بات سمجھ آ گئی۔ گویا تم ڈاکٹر جانکی پر ایک اور داغ لگانا چاہتے ہو۔
● اچھا تو یہ تمھارا پلان ہے کہ اس بار میں Witness بن جاؤں۔
● ہیلو...... ہیلو......!

(رگھوناتھ Frustrated ہو کر ایک کولھو کے بیل کی طرح کمرے کے چکّر لگاتا رہتا ہے۔ پھر آندھیوں کی آواز کا Gradual Fade In)

رگھوناتھ: (خود کلامی) بہن اور بھائی دونوں سیاست کے کھیل کھیل رہے ہیں۔ بھائی ایک تیر سے دو نشانے لگانا چاہتا ہے۔ لیکن دیوکی جانکی کے پاس کیوں آ گئی۔ اور کہیں کیوں نہیں گئی! جانکی پر ایک اور داغ؟ مطلب پہلا داغ لگانے والے ہی......

(عورت کی درد بھری چیخیں سنائی دے رہی ہیں)

رگھوناتھ: (خود کلامی) وہ لوگ مجھے ایک Witness کیوں بنانا چاہتے ہیں۔
(آواز دے کر) ہنومان! ہنومان! (ہنومان کمرے میں داخل ہوجاتا ہے)

سین-١١

(رگھوناتھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یعنی وہ ہنومان سے کچھ کہنا چاہتے ہے مگر کہہ نہیں پاتا۔)

ہنومان: دیوکی درد سے تڑپ رہی ہے۔ یہ زچگی کا درد بھی......

رگھوناتھ: مرتو نہیں جائے گی۔

ہنومان: (حیران ہوکر) آپ...... یہ...... کیسی باتیں کررہے ہیں؟

رگھوناتھ: بچہ مرتو نہیں جائے گا؟

ہنومان: (خوفزدہ ہوکر) آپ کی طبیعت...... ٹھیک تو ہے نا؟

رگھوناتھ: جو بھی ہو۔ میں Witness نہیں بن جانا چاہتا ہوں۔ جانتے ہو کیوں؟ ایک جج کی گواہی کو نہ دلیل اور نہ وکیل جھوٹی ثابت کرسکتا ہے اور پھر جج اگر رگھوناتھ خود ہی ہو...... تو ملزم کو مجرم ثابت کرنا آسان ہے، بلکہ کڑی سے کڑی سزا ملنا یقینی ہے۔
(رگھوناتھ کمرے میں ہنومان کو نہ دیکھ کر چونک پڑتا ہے اور اس کی Body Language سے یہ Convey ہورہا ہے کہ اس کو اِردگرد کچھ بھی صاف دِکھائی نہیں دے رہا ہے۔)

رگھوناتھ: یہ روشنی بجھی بجھی سی کیوں ہے؟ کہیں میری نظر دُھندلا تو نہیں گئی ہے؟
(ایک سفید پوش شخص اس کے قریب آجاتا ہے۔ اس کی داڑھی لمبی ہے۔ بال بھی لمبے اور اُکھڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ رُک رُک کر یعنی لمبے Pause دے کر باتیں کرتا ہے)

رگھوناتھ: ہنومان! لوٹ کر کیوں آگئے۔

بابا: میں ہنومان نہیں ہوں۔ وہ جانکی کے پاس بیٹھا ہے۔
(رگھوناتھ بابا کے قریب جاکر اُس کو پہچان لیتا ہے)

رگھوناتھ: (چونک کر) تم وہی ہونا جو میری کار کے سامنے سڑک پر لیٹا تھا۔

بابا: اچھا ہوا جو پہچان لیا۔

رگھوناتھ: اور تمھاری باتیں بھی یاد ہیں۔

بابا: اچھا! کیا کیا کہا تھا میں نے؟

رگھوناتھ: یہی کہ تم نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان ہو۔ پھر بھی ایک اچھا انسان بن جانے کے لیے پرستش بھی کرتے ہو اور عبادت کرتے ہو۔

بابا: اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔امر کرنے کی خاطر بھی اور گواہی دینے کی خاطر۔

رگھوناتھ: سب یاد ہے! تم نے کہا تھا کہ تب سفید چولا اس لیے پہن لیتے ہو تا کہ جس رنگ کے شیشے میں دیکھا جائے۔اُسی رنگ میں میرا چولا نظر آئے۔سبز، گروی، لال۔اور ہاں تم نے کہا تھا کہ تم ایک یتیم خانہ چلا رہے ہو۔

بابا: وہ یتیم نہیں ہیں۔ان کے ماں باپ ہیں۔مگر ان کو سڑکوں پر پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ان بے زبان معصوم بچوّں کو کوئی اغوا نہیں کرتا ہے۔میں ان کی پرورش کرتا ہوں۔

رگھوناتھ: ہاں! یاد آرہا ہے۔ہر منظر، ہر جملہ۔تم نے کہا تھا کہ میری لاش کسی کو یا ان کو دے دینا جو میرے بچوّں کی پرورش کی ذمہ داری لے! پھر وہ ایک جلوس نکال کر کسی بھی مذہبی سیاست کا رنگ دیں!

بابا: ورنہ میری لاش کو، کسی میڈیکل کالج والوں کو بیچ کر بچوّں کو چند دن کھانا کھلا دیں۔

رگھوناتھ: ہاں! تم نے یہ کہا تھا۔میں گواہ ہوں!

بابا: میری لاش میرے گھر میں پڑی ہے اور بچےّ سمجھ رہے ہیں کہ سو رہا ہوں۔نہ کوئی بچوّں کو اپنے ساتھ لینے آیا ہے اور نہ کسی نے ان کو کھانا کھلایا ہے۔(غصےّ سے) چلو میرے ساتھ تا کہ اس سانحہ کے چشم دید گواہ رہو۔میرے ساتھ چل کر موقعِ واردات دیکھ لو۔

رگھوناتھ: میرا فیصلہ صحیح تھا۔تم پاگل تو نہیں دیوانے ہو! تمھاری باتیں ہوا کے جھونکے ہیں، جو چھو کر جاتی ہے۔جذبات کو منتشر کر دیتی ہیں۔مگر عدالت کے فیصلے حالات، واقعات کے تاثرّات پر نہیں کیے جاتے ہیں۔گواہوں کے بیانات پر کیے جاتے ہیں۔

بابا: گواہ تو تم خود ہو! (کمرے سے باہر جاتے ہوئے) منصف بھی تم ہی ہو!! میرا فیصلہ کردو جج رگھوناتھ۔

سین۔۱۲

(کمرے میں بہت سارے کردار Ghost کے ساتھ ہیں۔ایک ساتھ جب کمرے میں داخل ہو جاتے ہیں تب کمرے میں نیم اندھیرا چھا جاتا ہے اور پس منظر کے صوتی اثرات سے ماحول اور بھی ڈراؤنا بن جاتا ہے۔چند آوازیں اُبھرتی ہیں اور رگھوناتھ سہم سا جاتا ہے)

مردانہ آواز: میں جانتا ہوں کہ تب تم بن باسی رام تھے۔میں آپ کے دوست سگریو کا بھائی بالی ہوں۔آپ نے مجھے دھوکے سے مار ڈالا تھا۔اب جب اپنی بیوی کو سزا دے رہے تو تب گواہی دے کر میرا بھی فیصلہ کردو۔اپنے آپ کو سزا دے دو!

زنانہ آواز: منجو دھارا کے کھنڈروں کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔منوہری کے پیار کی کسی کو خبر نہیں؟ تم میرے والہانہ پیار کے چشم دید گواہ ہو۔رگھونند مجھے میرے محبوب سے ملا دو!

مردانہ آواز: واہ کیا بات ہے جج رگھوناتھ۔اپنے بیٹے کے لیے تڑپ رہے ہو! جبکہ میرے بیٹے ابھیمنیو کو کوروؤں

نے دھوکے سے مارڈالا، تب تم فلسفوں سے بہلاتے رہے۔ یاد آیا کچھ! اب گواہ بن کر جج کو سزا دِلانے کے قانون......

زنانہ آواز: جب میرے شوہر کو جنگِ آزادی لڑنے کی خاطر پھانسی دی گئی تب تم سب دیکھ رہے تھے۔ اب گواہی دے کر میرے بچوں کو دووقت کی روٹی دلادو۔ میرے پوتے......................

رگھوناتھ: تم نے خودکشی کی تھی جو جرم بھی ہے اور گناہ بھی۔ میں گواہ ہوں تمھاری مجرمانہ حرکت کا۔

درونا چاریہ: یدھشٹر نے میرے بیٹے کے مارے جانے کی خبر...... جھوٹی خبر دی تھی۔ اُس کے بھی تم گواہ ہو۔ یدھشٹر کو سزا دو۔ جج رگھوناتھ! ورنہ تمھارے بیٹے کو اغوا کرنے والے کو بھی بخش دو، یا پھر خود بیٹے کی موت کی خبر سن کر خودکشی کرلو۔ میں گواہی دوں گا۔

ایک عورت: میرا شوہر شہنشاہ کا وفادار تھا جیسے تم اپنی کرسی کے وفادار ہو۔ میرے شوہر نے شہزادی کو شہنشاہ کے حکم پر قتل کردیا۔ شہزاد نے بادشاہت سنبھالتے ہی میرے شوہر کا سر ہاتھی کے پیر کے نیچے کچلوادیا۔ تم اس دردناک منظر کے گواہ تھے۔ تم بھی ایک فیصلہ دے کر اپنے بیٹے کی آخری چیخ سن لوگے۔ تو تم بھی میری طرح خودکشی کرلوگے۔ ظالم کو سزا دو تو نہ ظلم ہوگا اور نہ مظلوم ہوں گے۔

(اچانک ایک نقاب پہن کر ایک عورت Cat Walk کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوجاتی ہے، اور اُس کے اندر آتے ہی پہلے مکمل اندھیرا ہوجاتا ہے اور پھر (ٹیلی تھیٹر ہوتو) کمرے میں لگے سارے بلب روشن ہوجاتے ہیں) اسٹیج پر Full روشنی ہوگی۔ اسٹیج پر صرف یہ عورت اور جج رگھوناتھ آمنے سامنے ہوں گے)

عورت (مایا): (سرگوشیوں میں) یدھشٹر دھرم راج تھا۔ آپ کی طرح ایماندار اور سچ بولنے والا۔ مگر دریودھن کے ساتھ جوا کھیل کر دروپدی کو داؤ پر لگانا ایک صحیح سوچ نہیں تھی۔ عقلمندوں کے لیے ایک سبق آموز مثال...... مگر آج کے دریودھن بساط بچھا کر جوا نہیں کھیلتے۔ ایک جال بچھا دیتے ہیں۔ ایک سازش بنا کر۔ ایک شکنی ماما کی مدد لینے کی بجائے حکومت کو ساتھ لے کر اپنے راستے بنا لیتے ہیں۔ ایک مقصد کی طرح۔ دوسروں تک پہنچ جانے کی غرض سے۔

(دروازے پر ہلکی سی دستک سنتے ہی مایا کمرے سے نکل جاتی ہے۔

مایا: بات..............................

(مایا کے نکلتے ہی اسٹیج کی روشنیاں بجھ سی جاتی ہیں)

سین-۱۴

(رگھوناتھ ہکا بکا نظر آرہا ہے۔ چند لمحات کے لیے سنّاٹا چھا جاتا ہے۔ پھر کتے کے اونگھنے کے ساتھ ساتھ آندھیوں کی آواز سنائی دیتی ہے اور پیرہن پہنتے ہوئے کئی کردار رگھوناتھ کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے دردناک آواز میں بولتے ہوئے نظر آجائیں گے۔

زنانہ آواز: میں مظلوم ہوں...... یاد کرو، تب ہم غاروں میں رہتے تھے، اور پتھر کے ٹکڑوں سے اپنا بچاؤ کیا کرتے تھے، بلکہ اُن سے شکار کیا کرتے تھے۔ یاد آیا نا؟ پھر ایک دن ایک بھیڑیا میرے چھوٹے بیٹے کو اُٹھا کر لے گیا تھا۔ صدیاں بیت گئیں۔ نہ ظالم بھیڑیا ملا اور نہ میرا مظلوم بیٹا! تم نے وہ منظر دیکھا ہوگا۔ ظالم کو پہچان لو رگھوناتھ! اور گواہی دے، اس کو عبرت ناک سزا دو۔

ایک اور زنانہ آواز: میں وسندھرا ہوں۔ مجھ پر انسانوں کے انجام کی بھیانک داستانیں ان کے ہی خون سے لکھی ہوئی ہیں۔ ظالموں نے مجھ پر بم گرا کر میری کوکھ کو بانجھ بنا دیا ہے۔ تم نے ظالموں کو دیکھا ہے رگھوناتھ! خود ہی اپنی گواہی دے کر مظلوموں کو انصاف دو!

(ان آوازوں کے ساتھ ساتھ کتّے کے اونگھنے کی آوازیں سنائی دیں گی جبکہ باقی کردار رگھوناتھ کے گرد گھومتے گھومتے چلے جائیں گے جبکہ رگھوناتھ یوں بیٹھا نظر آئے گا جیسے کوکھ میں بچہ ہوتا ہے۔ سوزیدہ موسیقی کے Fade In کے ساتھ رگھوناتھ دشرتھ کو اپنے سامنے دیکھ کر چونک پڑتا ہے)

سین - ۱۵

(رگھوناتھ دشرتھ کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ دشرتھ بولتا رہتا ہے جبکہ رگھوناتھ دشرتھ کا ہر جملہ سن کر چونک پڑتا ہے)

دشرتھ: رگھو؟...... رگھونندن؟...... جج رگھوناتھ؟ کیا سوچ رکھا ہے جانکی کے فیصلے کے بارے میں۔ متا کے بارے میں؟ یا پھر دونوں کے بارے میں سوچ رہے ہو؟ کیوں؟ کیا ہوا؟ معمول کی طرح کل عدالت میں گرج کر کہہ دو کہ گواہوں کے بیانات اور واقعات سے رونما ہوئے حالات پر غور کر کے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ڈاکٹر جانکی ایک مجرمہ ہے۔ کیوں کیا ہوا؟ لرز کیوں رہے ہو؟ اجودھیا کے راجا دشرتھ نے رانی کیکئی کی رائے سے متفق ہو کر بھگوان رام کو بن باس کی سزا دی تھی...... دی تھی نا؟ راجا رام نے بھی ایک دھوبی کی وضاحت قبول کر کے رانی سیتا کو جنگلوں میں چھوڑنے کی سزا دی تھی۔ دی تھی نا؟ تم بھی سزا سنا دو! ورنہ یہ تمام مظلوم جو تمہیں گواہ سمجھ کر تم سے ہی انصاف کی مانگ کریں گے۔ تو کیا کرو گے؟ ظلم کی کہانیاں مظلوموں نے سنا دی ہیں۔ ظالم کو کیسے سزا دو گے۔ پتھر کے زمانے سے آج تک ظالم اپنا رنگ روپ بدلتا آیا ہے۔ کسے پکڑ سکو گے بھیڑیے کو؟ یا راکھشش کو؟ یا جن کو؟ یا بارود والوں کو؟ یا آج کل کے بہروپی شیطانوں کو؟ ہاں اگر میرے پوتے کو بچا سکو تو ہمارا ونش آگے بڑھ کر کوئی چمتکار کر سکے۔ اشرف المخلوقات بن کر سحر ہونے والی ہے۔ مجھے بھی جانا پڑے گا۔

(دشرتھ کے جانے کے ساتھ ہی کمرے میں کسی کی آمد کا احساس رگھوناتھ کو چونکا دیتا ہے اور وہ مایا کو دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ......................

سین-۱۶

(مایا نقاب اُتار کر رگھوناتھ سے پھر سرگوشیوں میں باتیں کر رہی ہے)

مایا: گھبرا گئے؟ مگر کس سے؟...... مجھ سے؟...... میں مدد کرنے آئی ہوں!

(اچانک وہ یوں چونک پڑتی ہے گویا کوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہو۔ وہ خاموش ہو جاتی ہے تو رگھوناتھ ڈر تو جاتا ہے مگر نڈر ظاہر کرتے ہوئے وہ بڑبڑاتا ہے)

رگھوناتھ: مصنوعی روشنیاں کھانچ کے ٹکڑوں کو ہیرے کی طرح چمکیلے بنا دیتے ہیں۔ سحر اُفق پر کھڑی ہے۔ اُجالے تاریکیوں کو، بلکہ اِس مصنوعی روشنی کو دبوچ لیں گے۔ ویسے ہی جیسے سچ کی تپش سے جھوٹ کے مجسمے پگھل جاتے ہیں۔

(رگھوناتھ مایا کو پہچان لیتا ہے)

رگھوناتھ: (حیران ہو کر) تم جانکی کی کلینک میں کام کرتی ہو نا مایا؟

مایا: سوامی کی کرپا سے۔ (سوامی کمرے میں داخل ہو جاتا ہے) یہ نہ پوچھیے کہ سوامی جی کو یہاں کیسے لائی ہوں۔ یہ جانیے کہ میں میڈم کو بچانے کے لیے ان کو یہاں لے آئی ہوں۔ یہ سمجھ لیجیے کہ رات جتنی سنگین تھی، صبح اُتنی ہی رنگین ہوگی۔ سوامی جی کے پاؤں چُھو لیجیے۔ (سوامی رگھوناتھ کی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے۔ رگھوناتھ Confuse ہو جاتا ہے اور مایا کے پاؤں چھونے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور یہ دیکھ کر سوامی مسکراتا ہے)

سوامی: جج رگھوناتھ کی یہ حالت دیکھ کر...... (ہنسی) چمتکار دِکھانے کا جی چاہتا ہے۔ (ہنسی) چمتکار ہوگا۔ ابھی ہوگا۔ لیکن پہلے چند باتیں ہوں گی۔

(سوامی صوفے پر بیٹھا رہتا ہے جبکہ رگھوناتھ ملتجی نگاہوں سے سوامی کے چہرے کو دیکھتا رہتا ہے۔

سوامی: رامائن اور مہابھارت، دونوں کتابیں جنگ کے بارے میں ہیں۔ رماین کی لڑائی میں سیاست نہیں ہے، مہابھارت کی لڑائی میں سیاست ہی سیاست ہے۔ جھوٹ، فریب، مکّاری، جعل سازی، چال بازی، پانی پر رنگوں کا قالین بنانا، موم کے محل بنانا، کرن کی موت وغیرہ وغیرہ۔ کس کس کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

(رگھوناتھ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر مایا اشارہ دِکھا کر اُس کو چپ کرا دیتی ہے)

سوامی: رہنے دو اُس یُگ کی باتوں کو، قصّے حکایتوں کو۔ کیوں یاد کریں ظالموں کی کارستانیوں کو۔ مظلوموں کی آہ وزاریوں اور ظلم کی داستانوں کو کیوں یاد کریں۔ (آہ بھر کر) جب خود سرحدوں کی لڑائیوں کے خطروں سے ہر شہر لہر زرہا ہے۔ (سنجیدہ ہو کر) تب شہروں کی بات کیا کریں۔ دُور دراز کے گاؤں بھی دہشت گردی سے کانپ رہے ہیں۔ جگہ جگہ فسادات، کہیں سماجی، کہیں سیاسی اور کہیں اقتصادی

مدعوں پر۔ خون خرابے، بچوں کا اغوا۔ (چند لمحات کا Pause) لگتا ہے رات بھر سوئے نہیں۔

رگھوناتھ: منا......!

سوامی: اغوا کر لیا گیا ہے۔ اور پھر ڈاکٹر جانکی سے بھی زبردست بھول ہو گئی ہے۔

رگھوناتھ: (آہ بھر کر) غلطی تو ہو گئی ہے۔ مگر زچہ بچہ دونوں ٹھیک ہیں اس لیے اگر مقدمہ واپس......

سوامی: (بات کاٹ کر) لیا جاتا تو اچھا۔ دراصل میں نے جانکی کو آپریشن کا طے شدہ وقت دیا تھا۔ جیسا سوچا تھا ویسا ہوا نہیں۔ دو منٹ پہلے پیدا ہوتا تب بھی وزیراعظم بن جاتا اور اگر صرف ایک منٹ کی لیٹ ڈلیوری سے زچہ بچہ دونوں مر جاتے۔

رگھوناتھ: لیکن دونوں......

سوامی: زندہ ہیں۔ جبھی تو رجسٹریشن......

رگھوناتھ: میں جانتا ہوں۔ اور کیا کیا سزا مل جائے گی۔

سوامی: (مسکرا کر) بھگوان، رگھوناتھ کا امتحان لے رہا ہے۔ (ہنسی) ایک ہون کرنا پڑے گا۔ بھگوان کی کرپا رہی تو مقدمہ واپس لیا جائے گا۔ کیونکہ میں اپنی شکتی سے اس کو ایم ایل اے بنا دوں گا۔

رگھوناتھ: زبان دی تو شروعات ہو گئی۔ آہوتی جانکی کی کلینک کی ہو گی۔

(رگھوناتھ کا ماتھا ٹھنک کر رہ جاتا ہے)

رگھوناتھ: (خود کلامی) آدھی رات کو کلینک کی قیمت پوچھنے والا یہی تھا کیا؟

سوامی: تھوڑی بہت انگریزی آتی ہے۔ ایک محاورہ ہے۔ To much of analysing an object means nothing but paralysing the subject۔

رگھوناتھ: اور منا کے لیے؟

سوامی: جج رگھوناتھ ایک بہت ہی ایماندار عادل ہے۔ ان کے قلم کی لکھی تحریر بذاتِ خود ایک قانون ہے۔ وہ چاہیں تو جانکی کو بغیر سزا رہا کر سکتے ہیں، اور کوئی بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ وہ سچ بول کر صحیح قدم اُٹھاتے ہیں۔

رگھوناتھ: (سنجیدہ ہو کر) آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

سوامی: آپ کا قلم۔ (مسکراتا ہے اور چہرے پر فاتحانہ تاثرات) جو وہی لکھے گا جو ہم چاہتے ہیں۔ (معنی خیز ہنسی)

رگھوناتھ: تو یہ بات ہے! وہ بے چین ہو کر کمرے کے چکّر لگا رہا ہے)

سین -۱۷

(بچّے کے پیدا ہونے کی آواز۔ ہنومان کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ سوامی چونک پڑتا ہے اور

غصّے کا اظہار کرتا ہے)

ہنومان: دیوکی نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔

رگھوناتھ: اور دیوکی؟

ہنومان: (ہنسی) زچّہ بچّہ دونوں ٹھیک ہیں۔

سوامی: (سخت غصّے کا اظہار کرتے ہوئے) گویا ویسا نہیں ہوا جیسا ہم چاہتے تھے۔

رگھوناتھ: (ناراض ہوکر) آپ یہ چاہتے ہیں کہ دیوکی اور اس کے بیٹے کو مار دیا جائے۔

سوامی: غرض مند کو ترس آتا ہے۔ خودغرض کو صرف اپنا شکار نظر آتا ہے۔ اور مجھے اپنے شکار پر غصہ آرہا ہے۔

(اُٹھ جاتا ہے اور نرم لہجے میں زہریلی باتیں کرتا ہے)

سوامی: اب ہماری سودے بازی ناکام ہوکر رہ گئی۔ جانکی کو سزا ملے گی اور تم دوگے۔ (ہنسی) اور منا گھر نہیں آئے گا۔ اور تم کچھ نہیں کرسکوگے! (ہنسی)

(سوامی مایا کو اشارہ دِکھا کر مکان کے اندر جانا چاہتا ہے۔ پھر رُک کر پلٹ کر رگھوناتھ کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ کر دھمکاتا ہے)

رگھوناتھ: رُک جایئے! یہ میرا گھر ہے۔ آپ اندر نہیں جاسکتے۔

سوامی: ہوا، روشنی اور سوامی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور آندھی اجازت لے کر آفت نہیں بن جاتی۔ ہم اندر جائیں گے، اپنی بہن دیوکی سے ملنے اور اُس کے بچّے کو مار ڈالنے۔

رگھوناتھ: (غصّے سے) آپ ایسا نہیں کرسکتے۔ (گرج کر) میں آپ کو یہ جرم نہیں کرنے دوں گا۔

سوامی: دیوکی کے بچّے کی کہانی کچھ اور تھی۔ اچھا ہوا جو، تم...... تم نے اپنی کہانی کو اُس کی کہانی سے جوڑ دیا۔ (فاتحانہ قہقہہ) اب جج رگھوناتھ! کہانی یہ ہے کہ ڈاکٹر جانکی نے دیوکی کو سرکاری اسپتال سے زبردستی نکال کر ڈلیوری کے لیے اپنے گھر لے آئی۔

(رگھوناتھ غصّے سے اُبل کر فون کے نمبر گھماتا رہتا ہے)

سوامی: گھر میں تسلّی بخش بلکہ معقول انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے زچّہ بچّہ دونوں۔ (قہقہہ) اور چشم دید گواہ میں ہوں گا۔ اور آپ بھی۔ جج کی گواہی...... (قہقہہ) ترس آرہا ہے تم پر) گھبراہٹ میں یہ بھی نہیں جان پائے کہ تمھارے دونوں فون (ہنسی) خراب ہیں۔ (فاتحانہ قہقہہ)

(کال بیل کی آواز)

سوامی: میرے آدمی ہوں گے۔ (ہنسی) سب میرے چیلے ہیں۔ تم ان کو میری فوج کا نام بھی دے سکتے ہو۔ ان کے پاس کارتوس بھی ہیں اور کیمرے بھی۔ (پھر کال بیل کی آواز)

(سوامی چونک تو پڑتا ہے مگر گھبرایا ہوا نظر نہیں آرہا ہے)

رگھوناتھ: ایک جج کے ساتھ ایسی باتیں کرتے ہوئے تمھیں ڈر نہیں لگ رہا ہے؟

سین -۱۸

(سوامی اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی خاطر آنکھیں بند کر کے اپنی کرشماتی طاقت کا استعمال کرنے کا اشارہ دیتا ہے۔

سوامی: (سنجیدہ ہو کر) بہت ڈر لگتا ہے۔ مگر آپ جیسے ایماندار جج سے...... جج رگھوناتھ! ہم سے دوستی کرنے میں آپ کا فائدہ ہے۔

رگھوناتھ: مطلب؟

سوامی: مطلب یہ کہ مقدمہ واپس لیا جائے گا۔ منّا گھر آ جائے گا اور اس کی پرورش، تعلیم و تربیت، من چاہا مستقبل، ہمارے ذمّے۔ آپ کو عدالت عظمیٰ تک پہنچانا ہماری ذمّے داری۔ فیصلے کیجیے۔

رگھوناتھ: کر لیا۔

سوامی: (فاتحانہ قہقہہ) گویا حکومت بھی اپنی عدالت بھی اپنی۔

رگھوناتھ: اور تمھارے جیل کی کوٹھری......

(سوامی قہر آلود نگاہوں سے رگھوناتھ کو دیکھ کر گرجتا ہے)

سوامی: پھر اپنے بیٹے کی لاش لینے کی تیاری کرو۔ دیوکی کا بچّہ......

(ہنومان کی آواز سن کر سوامی جملہ پورا نہیں کر پاتا)

ہنومان: (خوشی سے چلاّ کر) منا! اپنا منا، آ گیا۔

(سوامی پر گویا بجلی گر جاتی ہے اور وہ مایا کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتا ہے کہ منّا واقعی گھر آ گیا ہے اس لیے وہ مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال کر رگھوناتھ سے کہتا ہے)

سوامی: (پھیکی مسکراہٹ کا سہارا لے کر) گرہ ٹل گیا۔ میں نے گرہوں کا اثر کم کرنے کے لیے آپ کو ڈرانے کا ڈرامہ کیا۔

(منا کو ہنومان گود میں لے کر جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہو جاتا ہے سوامی نہایت پھرتی سے اپنا ریوالور نکال کر منّے کی کنپٹی پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ آئی جی وشوامتر سوامی کی کنپٹی پر پستول رکھ دیتا ہے)

وشوامتر: (اپنے ساتھ لائے افسروں کو حکم دیتا ہے) Disarm him اور گرفتار کر و اس خونخوار مجرم کو۔

(سوامی یوں آس پاس نظریں دوڑاتا ہے گویا ایک شیر کو پنجرے میں بند کیا ہو)

وِشوامتر: (طنزاً) سوامی اپنی تانترک شکتی سے......................

سوامی: (گرج کر) بے ہوش کیوں کر دوں۔ تم سب کے ہوش اُڑا دوں گا۔

وِشوامتر: (قہقہہ) فون تم نے کٹوا دیے ہیں سوامی؟ (طنزاً) اپنی تانترک شکتی سے جڑوا دو سوامی! جو رُتبہ تمھیں تمھارے بھگتوں نے دیا ہے، اُس کی لاج رکھ دو سوامی!

سوامی: (بوکھلا کر) وِشوامتر! یہ مت بھول جاؤ کہ جو پر لگا کر تم ایک کبوتر سے شاہین بن گئے ہو، وہ پر میں نے لگوا دیے ہیں۔

وِشوامتر: میں نے اُڑان لی نہیں۔ تم تو خود باز بن کر آسمان کو چھو لینے کا دعویٰ کر رہے تھے، وہ غلط ثابت ہوا۔ تم گدھ کی طرح اُونچی پرواز کر رہے تھے۔ مگر نظر مردہ جسموں پر تھی۔ زمین پر اُتر کر اتنا کھا چکے ہو کہ زمین کو چھوڑ کر اُڑ بھی نہیں سکتے۔ پاپ سیماب کی طرح پھیل جاتا ہے۔ اور سکڑ بھی جاتا ہے۔ مگر اپنے وزن کو کم نہیں کر سکتا۔

(سوامی ایک سانپ کی طرح پھونکاریں مارتا ہوا ان سپاہیوں کے ساتھ چلا جاتا ہے جو اُس کو نیم گھسیٹ کر لے جاتے ہیں)

سین - ۱۹

(جانکی کے چہرے پر خوشی اور تشویش کے تاثرات ہیں)

جانکی: منا گھر آ گیا ہے۔ میں سمجھ لوں گی لَو اور کُش کی طرح اپنے باپ کے پاس آیا ہے! (خوشی کے آنسو) کاش میں بھی سیتا کی طرح دھرتی کی گود میں بیٹھ جاتی! (آہ بھر کر) اب مجھے جج رگھوناتھ جو بھی سزا دیں، میں قبول کروں گی۔

رگھوناتھ: سن رہا ہوں۔ مگر فیصلہ عدالت میں ہی سناؤں گا، بحثیت ایک جج۔ لیکن ....

وِشوامتر: جانکی! سوری ڈاکٹر جانکی جج رگھوناتھ کی بیوی ہے۔ یہی اُس کا قصور ہے۔

رگھوناتھ: قصور ہے؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

وِشوامتر: (سنجیدہ ہو کر) ریاست کے آئی جی کی باتیں سنتے جائیے۔ سوامی کا اصلی مقصد کیا تھا۔ اُس کی منزل کیا تھی۔ یہ بتا دینے سے پہلے ایک سوال کا جواب دیجیے جج صاحب؟ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم نے مایا کو بھی گرفتار کیوں نہیں کیا۔

جانکی: (غصے سے) اب گرفتار کر لو نا!

ہنومان: ہاں یہ ناگن بھی سوامی کی پٹیاری میں رہتی ہے اور صرف ڈنک مارنے کے لیے باہر آ جاتی ہے۔

وِشوامتر: (کرید کر) یہ آپ نے کیسے جان لیا ہنومان؟

ہنومان: مجھ سے یہ کہہ کر اندر آئی کہ وہ مدد کرنے آئی ہے اور پھر..... سوامی کے اشاروں پر کام کرتی رہی۔

وِشوامتر: اور..... نہیں آپ نے جو کیا اچھا کیا۔ ہے نا؟

رگھوناتھ: کیا ہنومان بھی.....؟

وِشوامتر: ہاں، وہ بھی۔ مگر وہ اگر ایسا نہیں کرتا..... سوامی ہمارے جال میں کبھی نہیں پھنس پاتا۔

مایا: (آہ بھر کر) میں خود بھی سوامی کے جال میں پھنس گئی اس لیے میں نے اُس کے حکم پر ڈاکٹر جانکی کو آپریشن تھیٹر سے مجبوراً نکل جانے کے حالات بنا دیے تھے۔

(مایا رو پڑتی ہے)

وِشوامتر: یہ جال سوامی نے پھیلا دیا تھا۔

جانکی: لیکن میں نے سوامی کا کیا بگاڑا تھا۔ میں نے اُس کو بھگوان کا درجہ دیا تھا۔

وِشوامتر: درجہ دیا تھا نا......؟ لیکن وہ......شیطان بھگوان بن جانا چاہتا تھا۔

(رگھوناتھ غور سے باتیں سن رہا ہے)

وِشوامتر: جج رگھوناتھ! سوامی نے آپ کو اپنا غلام بنانے کے لیے یہ جال پھیلا دیا تھا۔

رگھوناتھ: مجھ سے اُس کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔

وِشوامتر: دُشمنی تو نہیں تھی، مگر اُس کے تمام راستے آپ کی عدالت تک پہنچ تو جاتے تھے۔ لیکن اُس کو اپنے سنگھاسن تک جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ کا ایماندار ہونا، اُس کے قلعے کی دیواروں کو کمزور بنا رہی تھی۔ آپ نے اُس کے بھائیوں اور بیٹے...... (تلخ مسکراہٹ) جن کو اپنا بھگت بتاتا ہے، آپ نے جیل بھیج دیا۔ گویا راون کے بیٹے میگھ ناتھ کو جیتے جی مار ڈالا۔ اس لیے وہ خود رَن بھومی میں اُترا تھا، ایک سازش کے بل بوتے پر۔ جانکی کو اُٹھا لینے کی بجائے راون نے اُس کو مجرمہ بنا کر آپ کی ہی عدالت میں سزا کے لیے بھیج دیا۔ اور متا کو اغوا کر کے سودے بازی کے احکامات روشن کر تو دیے تھے۔ مگر اُس کے منصوبے روشنی دیکھنے سے پہلے ہی تاریکیوں میں ڈوب گئے۔

رگھوناتھ: میں ایک ناکامیاب وکیل مرحوم دشرتھ ناتھ کا بیٹا ہوں — جج رگھوناتھ! راجا دشرتھ کا بیٹا بھگوان رام چندر نہیں۔ میں نے مظلوموں کو دیکھا ہے۔ ظلمات کی انتہا بھی دیکھ لی ہے۔ اور ظالم کی شناخت کر لی ہے۔ میں خود گواہی دوں گا اور خود ہی فیصلہ امر کر دوں گا۔

ہنومان: لگتا ہے واسودیوا اور دیوکی نے ہمارے گھر میں کرشن کو جنم دیا ہے۔

جانکی: ایک سنگین رات کے بعد ایک رنگین صبح!

(رگھوناتھ کے چہرے پر خوشی اور آواز میں جوش)

رگھوناتھ: ایک انوکھی رات تھی! اور اب ایک نرالی صبح!

(سبھی کے چہروں پر خوشی اور مسرت کی فضا)

(رگھوناتھ اپنے بیٹے کو جونہی گود میں اُٹھا لیتا ہے، ایک نوزائیدہ بچّے کے رونے کی آواز اُس کو چونکا دیتی ہے۔ بچّے کی آواز کے ساتھ خوشی کو ظاہر کرنے والی موسیقی کا Gradual Fade In)

OO

INSAAN

DRAMA COLLECTION

Veerindar Patwari

ویرین[illegible] کے سمندر میں
غوطہ زن ہوکر دا[illegible] [illegible]صو[illegible] میں مہارت
رکھتے ہیں ، اسکے [illegible] رہے ہیں ۔ وہ
کرداروں کی بھری بھ[illegible] [illegible]موش اشارے
سے کرداروں کو نہ [illegible] سامنے لاتے ہیں
بلکہ اُن کے قلم کی مقناطیس[illegible] اُن کرداروں کو اپنی
کہانیوں کے ساتھ قرطاس کے سٹیج تک لے آتی ہے
اور یوں زندگی ڈرامہ تخلیق کرتی ہے اور ڈرامہ زندگی کا
عکس پیش کرتا ہے

ویریندر پٹواری موجودہ دور کے نباض
ہی نہیں بلکہ '' انسان شناس'' بھی ہیں ۔ اُن کے
ڈرامے دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں الگ الگ لذّت
کا احساس دلاتے ہیں

یہ مجموعہ ایک دردمند، حوصلہ مند اور
آرزومند انسان کے ڈراموں کا ایک ایسا گلدستہ
ہے جس میں انسانیت کی خوشبو ہے۔ متحرک زندگی
ہے اور خاموش لفظوں کی ایک گونج ہے۔ یہ گونج یقیناً
دور دور تک سنی جائے گی........ زاہد مختار (کشمیر)